جزیرۂ خضراء

ممکنہ حالات
مثلّثِ برمودا

مؤلف : آقائی ناجی النجّار

تحقیقِ نو و فارسی مترجم : آقائی علی اکبر مہدی پور

اُردو مترجم : ــــ اثیر جاڑوی

پیش کش : سید محمد شبر عبّاس

ولی العصرؑ ٹرسٹ، رتّہ متّہ، ضلع جھنگ

نام کتاب : جزیرۂ خضراء

طبع اول : ۱۹۸۸ء مطابق ۱۴۰۸ھ
طبع دوم : ۱۹۸۹ء مطابق ۱۴۱۰ھ
تعداد : ۱۰۰۰

مطبع :

قیمت :

ناشر : ولی العصر ٹرسٹ ۔ رتہ متہ ضلع جھنگ

سٹاکسٹ : ۱۔ افتخار بک ڈپو ۔ اسلام پورہ لاہور
۲۔ ۹ ۔ شیر شاہ بلاک ۔ نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

الحمد لله رب العالمین

بمناسبت

یکہزار و یکصد و پنجاہمین

ولادت

حضرت بقیۃ اللہ

ارواح العالمین لہ الفداء

بحضور :

امامِ منتظر عجّل اللہ فرجہٗ

جن کے انتظار میں کائنات کی سانسیں رواں دواں ہیں
جن کے لئے عیسیٰؑ آسمانوں میں اور خضرؑ زیرِ آب لہروں کی
نقابیں اوڑھے چشم براہ ہیں ۔
وہ منتظرؑ! جن کی بارگاہ میں ملائکہ ہر شبِ قدر میں نذرانۂ
درود و ہدیہ کرتے ہیں ۔
اور جو اولی الامر ہیں (اس لامتناہی کائنات میں ۔ باقی
رہے نام اللہ کا) ۔

مگر : یہ حقیر اپنے وقت کے محمّد کی بارگاہ میں سید محسن نقوی کے بقول عرض گذار ہے کہ

اے باغِ عسکریؑ کے مقدس ترین پھول　　اے کعبۂ فروغِ نظر قبلۂ اصول
آ، ہم سے کر خراجِ دل و جاں کبھی وصول　　تیرے بغیر ہم کو قیامت نہیں قبول
دنیا نہ مال و زر نہ وزارت کے واسطے
ہم جی رہے ہیں تیری زیارت کے واسطے

۲۱- مارچ ۱۹۸۸ء

خاکپائے اہلبیت :
محمد شبیر عباس

فہرست

باسمہٖ تعالیٰ

حرفِ آغاز

حضرت امام العصر قائم آلِ محمد علیہ السلام کا وجود ذیجود اہل اسلام و ایمان کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ حضرات علمائے اعلام نے ہر زمانہ میں وجود غیبت امام العصرؑ کو بدلائل ثابت کیا اور مبسوط کتب تحریر کی ہیں امام العصر علیہ السلام اولاد علیؑ و فاطمہؑ سے ہیں آپ پیدا ہو چکے ہیں اور بحکم خدا ہماری نظروں سے غائب ہیں جب حکم باری تعالیٰ ہوگا امام العصر علیہ السلام ظہور فرمائیں گے اور دین اسلام کو روئے زمین پر غالب فرمائیں گے۔ اس زمانۂ غیبت میں تمام مومنین نہ صرف زیارت امام زمانہ کے متمنی ہیں اور ان کی دلی خواہش ہے کہ امام علیہ السلام سے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوں تاکہ معرفت میں اضافہ ہوتا رہے۔ جس قدر کتب امامؑ زمانہ سے متعلق نشر کی گئی ہیں وہ آپ کے حالات اور طویل غیبت کی وجہ سے عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔

ولی العصر ٹرسٹ کی اولین کوشش ہے کہ سرکار حجت امام العصر پر جتنی مستند و معتبر کتب عربی و فارسی زبان میں ہیں ترجمہ کرا کے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرے۔ چونکہ امام زمانہ کے حالات میں ایک اہم چیز ہے " جزیرۂ خضرا " اس لئے ہم نے کتاب " جزیرۂ خضراء " سے آغاز کیا ہے تاکہ جملہ مومنین اپنے امامؑ کے بنابر مشہور مسکن سے علم و آگہی حاصل کریں یہ کتاب اسی چیز کی حامل ہے جسے آقائے ناجی نجار نے عربی زبان میں تصنیف کیا ہے اور اس کا ترجمہ، جدید تحقیق سے آراستہ

آقائی علی اکبر مہدی پور نے کیا ہے۔ میں نے اس کتاب کے اُردو ترجمہ کے لئے
جناب اشیر جاڑوی کی خدمات حاصل کیں اور یہ کتاب نذرِ قارئین کر رہا ہوں۔
اس کے بعد انشاء اللہ حضرت امام العصر علیہ السلام کے حالات پر مشتمل کئی اور
نایاب و مستند کتب جو زیرِ طبع ہیں پیش کی جائیں گی — مثلاً طول عمر امام زمانہ
علیہ السلام مولفہ علی اکبر مہدی پور۔ الامام المہدی من المہد الی الظہور (امام
مہدیؑ ولادت سے ظہور تک) اور مصلح غیبی — جلد ہی پیش کی جائیں گی۔
'ولی العصر ٹرسٹ' بفضلہ تعالیٰ تین کتابیں شائع کر چکا ہے جن میں سرِ فہرست
مجالس عزا سے متعلق " مفتاح الجنۃ " ہے۔ بتائیدِ ایزدی اور بعون ائمہ ہدیٰ
فضائل و مصائب اہلبیتؑ پر اور بھی کتب شائع کرے گا۔ اُمید ہے ادارہ اپنے
اس عظیم مقصد میں کامیاب ہو گا۔

آخر میں میری دعا ہے کہ ان کتب دینیہ پر جو اجر و ثواب عطا ہو وہ
میرے مرحوم والدین کو عطا ہو۔

سید محمد شبیر عباس
ولی العصر ٹرسٹ۔ ربتہ متہ ضلع جھنگ

لاہور
۲۱ر مارچ ۱۹۸۸ء

بر آئی مُراد

افراتفری ۔ نفسانفسی اور آدم بیزاری کے اس سنگین زمانہ میں جب ہم اپنے چاروں طرف بجلیوں ۔ قمقموں ۔ چکا چوند کر دینے والی حسین لائٹوں کی برسات دیکھتے ہیں تو گھپ اندھیرے کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا ـــ الیکشن ، الیکشن بازوں کی تجدید نہیں کرتا بلکہ ہر الیکشن سے رشتے ۔ ناطے ۔ دوستیاں اور برادریاں بھی بدل رہی ہیں ۔ حتیٰ کہ مذہب اور مسلک بھی بدل جاتے ہیں ۔ جو زمانہ ایسے حالات کو جنم دے رہا ہو ۔ اس زمانہ میں بھلا مایوسی ۔ بے دلی اور حوصلہ شکنی کے سوا کوئی کیا حاصل کر سکتا ہے ۔

خدا جانتا ہے کہ جامعہ حسینیہ میں آئے ہوئے مجھے تیرھواں برس ہے ۔ ان تیرہ برسوں میں مجھے بہت کم دن ایسے یاد آتے ہیں جن میں میں جھنگ پر نہ رویا ہوں ۔ استبداد زمانہ دیکھیے میں یہ بتا بھی نہیں سکتا کہ میں کیوں رویا ۔ بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ ۔ رویا ہوں ۔ ذاتِ احدیت اور امام زمانہ بخوبی جانتے ہیں کہ میں کتنا رویا ہوں اور کیوں رویا ہوں ؟

شاید میرے آنسو میرے کام آ گئے ۔ میرا رونا ذاتِ احدیت سے نہ دیکھا گیا ۔ میرا اضطراب حسن عسکری کے لال کو پسند نہ آیا اور میری مراد بر آئی ۔ ذاتِ احدیت نے رتہ مترہ ضلع جھنگ کے ایک سپوت میاں محمد شبیر عباس نقوی البخاری کو کسی غیبی اشارہ سے کمر ہمت کسنے کو سمجھایا ۔ چنانچہ موصوف نے نامساعد حالات کے باوجود قومی پلیٹ فارم کو خالی دیکھ کر دل میں قلق محسوس کیا اور تڑپ کر اُٹھے ۔ اپنے آبائی ورثے تبلیغ مذہب حقہ اور نشر فضائل و معارف محمد و آل محمد کا بیڑا اٹھا لیا ۔ اگرچہ یہ میدان انتہائی خارزار ہے ۔ یہ وادی مشکلات سے گھری ہوئی ہے اور قدم قدم پر کانٹے پائے ہمت

کو لہو لہان کر دیتے ہیں لیکن مجھے اُمید ہے کہ کانٹوں کی اس سیج کو نہ صرف موصوف اپنا آبائی ورثہ سمجھ کر آگے بڑھتے رہیں گے بلکہ ان کی تقلید میں دیگر سادات عظام اور خوانینِ کرام میں سے کئی اور بھی اس وادی میں گامزن ہو کر ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ۔ دعا ہے خداوند قدوس بطفیل آلِ محمد اور بفیضِ صاحب الزمان موصوف کو ہر قسم کی آفات و بلیات سے محفوظ رکھے اور موصوف کے قدم دن بدن آگے بڑھتے رہیں۔

اثیر جاڑوی

طبقات المؤمنين كالمولى الأردبيلي وبحر العلوم والميرزا علي البغدادي وغيرهم

وقد ألف العلماء عدة كتب في ذكر من فاز بذلك الفوز العظيم كالعلامة شيخ مشايخنا

في الرواية ثقة الإسلام النوري حيث صنف كتاب «نجم الثاقب» والعلامة

تلميذه الأستاذ السيد ميرزا الشيخ محمد باقر البيرجندي فإنه ألف كتاب «بغية الطالب

فيمن رأى الإمام الغائب» وغيرهما من القدماء والمتأخرين .

ومن الأمور المهمة الشهيرة قضية «جزيرة الخضراء» وورود الشيخ الجليل

الشيخ علي بن الفاضل المازندراني تلك الجزيرة وتشرفه بلقاء ولي العصر وناموس الله هناك .

وأمر هذه الجزيرة كان مدلهماً حيث لم يعلم مكانها ولا سمتها وجهتها إلى أن وقف الباحثون

على أنها جزيرة «ركودا» وحققوا في شأنها وكتبوا في ذلك مقالات وكراريس .

تقریظ سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ

سید شہاب الدین المرعشی النجفی دام ظلہ العالی

عالم انسانیت پر حجت الٰہیہ کے بقائے وجود کے سایۂ ذی وجود کی جتنی بھی حمد کی جائے کم ہوگی کیونکہ اگر روئے ارض پہ وجود حجت نہ ہوتا تو یقیناً زمین اپنے باسیوں سمیت کافور ہو چکی ہوتی ۔

نمائندگانِ الٰہیہ کے اشرف ترین فرد اور امام الانبیاء سرکار ابوالقاسم محمد اور آپ کی عترت طیبہ اور آل مبارکہ بالخصوص آپ کے چچازاد ۔ وارث علم ۔ آپ کے بعد آپ کے وصی و خلیفہ بلافصل امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کی ذات بابرکات پر نہ ختم ہونے والی اللہ کی رحمتیں ہوں ۔

امابعد — ہر دانشمند نہ صرف اس حقیقت سے آشنا ہے بلکہ اس مسلہ کا معتقد بھی ہے کہ مہدیٔ موعود عجل اللہ فرجہ الشریف کا ظہور غیر متنازعہ فیہ ہے ۔ کیونکہ اختلافِ مذاہب اور افتراقِ مسالک کے باوجود خواہ صاحبانِ گرجہ ہوں یا اربابِ سیناگوج ۔ مندروں کے پجاری ہوں یا گوردواروں کے متوالے ۔ خدا و رسول پر ایمان رکھنے والے ہوں یا منکرینِ وجود باری ، کمیونسٹ و سوشلسٹ دہریے ہوں ۔ سب کے سب اس حقیقت پر متفق ہیں کہ روئے ارض کو ایک ایسے مصلح اور عادل حاکم کی ضرورت ہے جو طبقاتی کشمکش اور ذاتی جذبات سے اعلیٰ اور بالا ہو کر ایسی عادلانہ حکومت قائم کرے

جس میں مظلوم کی دادرسی ہو اور ظالم اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

اس سلسلے میں ہر قوم اور ملت کے دانشور افراد نے تصانیف بھی کی ہیں جو بازاروں میں عام دستیاب ہیں۔ خصوصاً امت مسلمہ نے اس سلسلہ میں کافی کام کیا ہے اور امت مسلمہ میں سے ملت شیعہ امامیہ نے بہت بڑی جد وجہد کی ہے کیونکہ ملت مسلمہ میں حضرت ختمی مرتبت کے غیر مبہم ارشادات موجود ہیں کہ ایسا حاکم عادل ضرور ہوگا جو صرف اور صرف میری اولاد سے ہوگا۔ چونکہ فرقہ شیعہ امامیہ وفات نبی اکرم سے آج تک ذریت نبی کے ائمہ سے وابستہ رہا ہے اس لئے ان کے پاس وجود مہدی موعود کے نہ صرف قرآن وسنت سے دلائل وبراہین موجود ہیں بلکہ ملت مسلمہ کی تاریخ کے علاوہ مشاہدات بھی ان کے حق میں ہیں۔

علمائے کرام کی ایک بہت بڑی خوش نصیب جماعت ہے جسے حضرت حجت کی زیارت کا شرف نصیب ہوا ہے مثلاً مقدس اردبیلی۔ سرکار علامہ بحر العلوم اور حاجی علی بغدادی وغیرہم نور اللہ مراقدہم اور علمائے اعلام نے اس سلسلہ میں تالیفات بھی کی ہیں جن میں ان خوش نصیبوں کے اسمائے گرامی کے ساتھ ان کی مختصر سوانح بھی لکھی ہیں جن کی جبین مسعود نے اپنے کعبہ مقصود کے مبارک قدموں کا بوسہ لیا ہے مثلاً ثقۃ الاسلام نوری نے۔ النجم الثاقب۔ میں ایسے نیک بختوں کے حالات زیارت درج کئے ہیں ان کے شاگرد رشید علامہ محمد باقر بیرجندی نے بغیۃ الطالب۔ فیمن۔ رأی الامام الغائب میں ایسے خوش بختوں کی فہرست شائع کی ہے۔ اسی طرح ان کے علاوہ متقدمین اور متاخرین نے اس سلسلہ میں کافی محنت کی ہے۔

غیبت امام علیہ السلام کے سلسلہ میں ایک انتہائی اہم نقطہ جو توجہ طلب تھا وہ تھا ایک جلیل القدر دانائے روزگار علی ابن فاضل مازندرانی کا جزیرۂ خضرا میں جانے کا حسین اتفاق جو بقول علی ابن فاضل حضرت ولی العصر کا مستقل مقام سکونت ہے اگرچہ وہ

صدی تک جزیرۂ خضراء ایک مبہم حقیقت سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ عصرِ حاضر جو عصرِ تحقیق و تجسس کہلاتا ہے، جزیرۂ خضراء جغرافیہ کے حساب سے روئے ارض کے کس خطہ میں ہے اور جزیرۂ خضرا کا حدود اربعہ کیا ہے۔

اسے حادثاتی اتفاق یا اتفاقی حادثہ ہی کہہ لیجئے کہ عصرِ حاضر کے محقق سائنسدانوں کو مثلث برمودا سے سابقہ پڑ گیا اور مثلث برمودا کی تحقیق میں قدم اُٹھنے لگے۔ مثلث برمودا کے متعلق کتابیں لکھی گئیں۔ رسالہ جات نکالے گئے اور مقالے لکھے گئے جو تمام کے تمام عالمی روزناموں میں شائع ہوتے رہے۔

اس سلسلہ میں ذاتِ احدیت نے جس شخص کو اپنی توفیقاتِ خاصہ سے نوازا وہ ہے جواں سال محقق، خدمتِ مذہب میں شب و روز ایک کر دینے والا اور تالیف و تحریر کے میدان میں شہسوارِ قلم۔

حجۃ الاسلام شیخ علی اکبر مہدی پور۔ جس نے جزیرۂ خضراء کے نام سے زیرِ نظر کتاب لکھی ہے اور اپنی تحقیق کی بنیاد عصرِ حاضر کے موجود قرائن اور تاریخی شواہد کو اس طرح مثلث برمودا پر منطبق کیا ہے کہ۔ مثلث برمودا ہی جزیرۂ خضراء ہے۔ یا جزیرۂ خضراء کا جدید نام مثلث برمودا ہے۔۔۔ ان تمام تحریروں کو منظم کرنا انتہائی کٹھن مرحلہ تھا جس سے وہ اپنی محنتِ شاقہ اور جہدِ مسلسل کے بل پر بآسانی گزر گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انتہائی نادرۂ روزگار اور بیش بہا کتاب منصۂ شہود پر آگئی جو اپنے موضوع کے اعتبار سے تمام دیگر کتب سے ممتاز اور بے نظیر ہے۔ موصوف نے مسودہ میں سے چند صفحات میرے سامنے پڑھے جو میں نے پوری قلبی توجہ سے سُنے اور میں نے بے ساختہ موصوف کے حق میں کہنا شروع کیا؛

ذاتِ احدیت نے اس نوجوان کو جن عمدہ ترین صلاحیتوں سے نوازا ہے اور اپنی رحمتِ واسعہ کے جس جام لبریز سے اسے سیراب کیا ہے۔ یہ اس کا حصّہ ہے۔

عنواناتِ زیرِ بحث:

- پیش لفظ از مترجم
- طلوعِ نور
- غیبتِ صغریٰ میں تجلیاتِ امامِ زمانہ
- غیبتِ کبریٰ
- امام مہدی کی شخصی زندگی
- امامِ زمانہ کا مقامِ سکونت
- مثلث برمودا
- سائنسدانوں کی تحقیقات کا نتیجہ

دعائے ظہور ولی العصر علیہ السّلام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ كُنْ لِوَلِيِّكَ الْحُجَّةِ ابْنِ الْحَسَنِ صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَعَلٰى آبَائِهٖ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَفِيْ كُلِّ سَاعَةٍ وَلِيًّا وَحَافِظًا وَقَائِدًا وَنَاصِرًا وَدَلِيْلًا وَعَيْنًا حَتّٰى تُسْكِنَهٗ اَرْضَكَ طَوْعًا وَتُمَتِّعَهٗ فِيْهَا طَوِيْلًا

ترجمہ

اے پروردگار تو ولی عصر حجۃ ابن الحسن علیہ السلام (کہ اُن پر اور اُن کے آباؤ اجداد پر ہر گھڑی تیرا درود و سلام ہو) کے لئے ولی، محافظ، رہبر، مددگار، رہنما اور نگہبان بن جا تاکہ مخلوق کو اس زمین میں ان کی حیات کی وجہ سے اطمینان اور لذت نصیب ہو اور زیادہ سے زیادہ حاصل ہو۔

احقر سیّد محمد شبر عباس نقوی البخاری

طلوعِ نور :۔

پندرہ شعبان کے ماہ دو ہفتہ نے اپنا رختِ سفر باندھنا شروع کیا اور آسمان کے وسیع و عریض میدان کو الوداع کہنے کی تیاری کی...... چاند کے گرد کھچے ہوئے حصار کا چہرہ کملا کر چشمِ آسمان سے ٹپکنے والے آنسو کی طرح بکھر گیا...... تاریکی ابھی آسمان کے اُفق سے بلند ہونے کی خاطر پر تول رہی تھی کہ تاریخی شہر سامرا کے در و دیوار پر نور پاشی ہونے لگی...... جبینِ مشرق پر سپیدۂ صبح نے مسکرا کر صحرائے سامرہ کے ریگزار اور غبار آلود ٹیلوں کو دودھیا بنا دیا۔ نسیمِ صبح نے دریائے دجلہ کی خاموش لہروں اور نوخیز و ناتواں درختوں کی نازک کونپلوں کے چہروں کو چوم لیا..... گویا دنیا کی آرزو تھی کہ پھوٹتی ہوئی صبح کے پُرشکوہ جلال کو تنہا ہی اپنے اندر جذب کر لے...... لیکن جب صبح کی پہلی کرن خون آلود رنگین تیر کی مانند افقِ مشرق کے سیاہ سینے سے پار ہوئی تو ہر مینارۂ مسجد سے مؤذن کی ایک صدائے اذان نے پورے عالم کو مرعوب کر کے رکھ دیا......

درِ سحر کے دونوں پٹ مکمل کھلے ہوئے تھے مُسکراتی صبح ایسے مبارک دن کی نوید جانفزا سنا رہی تھی جو سال کے ہر دن سے ممتاز اور منفرد دن ہونے والا تھا...... ابھی تک صدائے اذان چار دانگ عالم میں گونج رہی تھی کہ سامرا کے تاریخی شہر کے تاریخی کچے اور پکے مکانوں میں سے ایک عظیم مکان میں عظیم باپ کے گھر عظیم ماں کی گود میں ایک عظیم بچے نے جنم لیا اور صدائے اذان گوش ہوش سے سُن کر انگشت کو سوئے آسمان بلند کیا۔ کہ چھینک آ گئی۔

فوراً کہا : الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد و آلہ الطاہرین

یعنی حمد و ثنا خدائے لایزال کے لئے ہے جو عالمین کا پروردگار ہے اور درود و سلام

ہو خاتم النبیین محمد اور اس کی آلِ طاہرہ پر — کیا ظالموں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ بس اب کوئی حجت خدا روئے زمین پر نہیں رہی — اگر خداوند قدوس اس وقت بھی اذن ظہور دیدے تو تمام شکوک و شبہات حرفِ غلط کی طرح مٹ جائیں گے[1]:

کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ نومولود کے قریب جائے کیونکہ نومولود کے اولین الفاظ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ یہ عام بچوں کی طرح کا بچہ نہیں ہے بلکہ عقل و خرد اور عظمت و جلالت کی ایک دنیا ساتھ لے کر آیا ہے — یہ وہ بچہ ہے جس نے اپنی آنکھ آفتاب جہانتاب سے پہلے کھولی ہے تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آفتاب پیچھے ہی رہے — روئے ارض کا چپہ چپہ مسرت و شادمانی میں ڈوب کر جھوم اٹھا اور ماں کی آنکھوں سے خوشی بجلی کی طرح کوند کوند کر چھلکنے لگی — باپ کا دل سینے میں اچھلنے لگا۔ فرطِ مسرت سے آنکھوں کے معصوم پیالے آنسوؤں سے چھلک گئے اور بے ساختہ ناطق قرآن کی زبان وحی ترجمان سے یہ کلمہ ادا ہو گیا۔

اللہ کی بے پایاں حمد ہے کہ مجھے میرا جانشین اپنی زندگی میں دکھا دیا جو فرزند تو میرا ہے مگر صورت اور سیرت میں شبیہ رسول ہے۔ ذرا میرے پاس لاؤ۔ اپنی آنکھوں کو شبیہ رسول کے دیدار سے پُر نور کر لوں — اللہ ہی پردۂ غیب میں اس کی حفاظت کرے گا اور اس وقت اسے اذن ظہور عطا فرمائے گا جب روئے ارض ظلم و جور سے پُر ہو چکا ہو گا۔ اسی کے ظہور سے خطۂ ارض عدل و انصاف کا گہوارہ بن جائے گا[2] — باپ کی باتیں ختم ہو گئیں۔

جناب حکیمہ کی فرطِ حیرت سے زبان خشک ہے۔ تعجب اور حیرانی چہرہ پر طواف

---

[1] الزام الناصب ج ۱ ص ۳۰۴ ۔ کمال الدین ص ۴۳۰ ۔ غیبت شیخ طوسی ص ۱۴۷ ۔
[2] منتخب الاثر ص ۳۴۲ ۔ کفایۃ الاثر ص ۲۹۱ ۔

کر رہی ہے۔ سانس سینہ میں رک گئی ہے۔ حیرت اور مسرت کے ملے جلے جذبات سے دیدۂ حیرت میں آنسو ستارے بن کر گردش کرنے لگے ہیں ۔۔ عظمت و جلالت کا سر مولود پر سایہ قابل دید تھا۔ جبین مبین سے پھوٹنے والی نور کی کرنوں میں جناب حکیمہ کے مسکراتے ہوئے آنسو بالآخر پلکوں سے گر ہی پڑے۔

ابھی تک تو گہوارہ میں پڑا مجھول رہا تھا کہ ۔ ابو نصر ۔ خادم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے ۔ ابو نصر! بھلا مجھے پہچانتا بھی ہے کہ میں کون ہوں ؟ میں خاتم الاوصیاء ہوں۔ اور خداوند قدوس میرے ہی ذریعے میرے اہلبیت اور میرے شیعوں کے مصائب دور فرمائے گا۔[۳]

یہ ۱۵ شعبان المعظم ۲۵۵ھ کی رات تھی ۔ یہی بچہ ہے جو اپنی ولادت کے چند لمحوں کے بعد غیبت صغریٰ کے چوہتر سالہ دورِ غیبت کے پردہ میں چلا جاتا ہے ۔

خبرِ ولادت کا اِخفا بھی اور اعلان بھی :۔

اپنے وقت کے مسند نشین امامت حسن عسکری کے سامنے حضرت ولی العصر کی ولادت کے سلسلہ میں دو باتیں انتہائی اہمیت کی حامل تھیں ۔

اولین بات تو یہ تھی کہ حضرت حجت کی ولادت کو نظر اغیار سے اس طرح پوشیدہ رکھا جائے کہ کسی دشمن کے کان تک یہ اطلاع نہ پہنچ پائے تاکہ اس لحاظ سے امانت خدا کی زندگی کسی خطرہ سے دوچار نہ ہو۔

دوسری اہم بات یہ تھی کہ ولادت حجت خدا کو اپنوں میں اس قدر شہرت

---

[۳] غیبت طوسی ص۱۴۸ ۔ کمال الدین ص۴۳۲

دی جائے کہ ہزاروں برس پردۂ غیبت میں گزارنے کے باوجود بھی کوئی تردیدِ ولادت نہ کرسکے۔

اپنے مقام پر دونوں باتیں جتنی اہم تھیں اسی قدر متضاد تھیں لیکن فکرِ امامت نے دونوں مسائل کو بڑی آسانی سے حل کرلیا۔ اخفاء کا یہ عالم تھا کہ امام حسن عسکری کے بھائی جعفر تک کو آپ کی شہادت تک یہ پتہ نہ چل سکا کہ کوئی فرزند امام بھی ہے یا نہیں؟ اور حکومتِ وقت جس نے اپنے تمام ممکنہ وسائل صرف اس بات کی جاسوسی میں لگا رکھے تھے کہ جونہی حضرت حجت کی ولادت ہو فوراً حکومت وقت کو مطلع کیا جائے لیکن آپ کی شہادت تک اس کے جاسوس بھی اطلاع حاصل نہ کرسکے اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ پھر آپ کی شہادت کے بعد کئی مرتبہ چھاپے مارے گئے لیکن کسی جگہ نقش پا تک نہ دیکھ سکے۔

اور دوسری جانب ایسا انتظام کیا گیا کہ روئے ارض پر بکھرے ہوئے تمام شیعیانِ آل محمد کو مطلع کردیا گیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عسکری قسم میں اپنے وکیل کو بدستِ خود خط تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اے احمد ابن اسحاق! ذاتِ احدیت نے ہمیں فرزندِ دلبند سے نوازا ہے میں چاہتا ہوں کہ یہ اطلاع آپ تک پہنچا دوں تاکہ ہماری اس مسرت و شادمانی میں آپ بھی ہمارے شریک ہوجائیں۔ البتہ یہ خیال رکھنا کہ یہ ایک راز ہے اپنے قابلِ اعتماد رشتہ داروں اور موثق شیعوں کو بے شک بتا دینا لیکن ہر کہ و مہ تک یہ راز ہرگز نہ پہنچے"۔ [۵]

حمزہ ابن ابوالفتح حسن ابن منذر کے پاس پہنچتا ہے۔ اور فرطِ مسرت سے جھوم کر کہتا ہے۔ مبارک ہو۔ مبارک ہو۔ خوشخبری ہے خوشخبری ہے — کل رات

---

۵ کمال الدین ص ۴۳۴۔

امام حسن عسکری کے ہاں فرزند متولد ہوا ہے اور حکم امام ہے کہ اسے صیغۂ راز میں رکھا جائے۔[۷]

اسی طرح چند دوسرے افراد ہیں جنہیں اطلاع ولادت دی جاتی ہے۔ ان میں سے اولاد امام حسن میں سے حسن ابن حسین امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہو کر مولود مسعود کی ولادت پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے۔[۸]

امام عسکری اپنے مقرب ترین صحابی۔ عثمان ابن سعید کو اپنے پاس بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ۱۰،۰۰۰ رطل روٹیاں اور ۱۰،۰۰۰ رطل گوشت خرید کر بنی ہاشم میں تقسیم کردو[۹] (ایک رطل = ۱½ چھٹانک ۳۴ تولے، دس ہزار رطل = ۱۴ چھٹانک ۱۶ سیر ۱۰۷ من بنے گا۔ مترجم اثیر جاڑوی) امام حسن عسکری نے بنفس نفیس شیعیان سامرہ میں سے ہر شخص کے گھر ایک ذبح شدہ دُنبہ بھیجا[۱۰] اور جو لوگ بیرون سامرہ تھے ان کے گھروں میں زندہ دُنبے بھیجے تاکہ امام مہدی کے عقیقہ کی نیت سے ذبح کر کے کھائیں۔

دو دُنبے ابراہیم ابن ادریس کو بھجوائے اور ساتھ ہی لکھ بھیجا کہ ان دُنبوں کو اپنے آقا امام مہدی کے عقیقہ کے عنوان سے ذبح کر کے خود بھی کھالو اور اپنے دیگر مومن بھائیوں کی دعوت بھی کرو۔[۱۱]

ایک اور شیعہ جو سامرا سے باہر رہتا تھا اسے چار دُنبے بھیجے اور ایک خط بھی لکھا کہ یہ چاروں دنبے میرے فرزند مہدی کے عقیقہ کے عنوان سے ذبح کر کے خود بھی کھالو اور دیگر جس قدر ہمارے شیعوں تک دسترس رکھتے ہو ان کی بھی دعوت کرلو۔[۱۲]

جب محمد ابن ابراہیم کوفی امام حسن عسکری کی زیارت سے شرفیاب ہونے کے لئے

---

[۷] کمال الدین صفحہ ۴۳۲   [۸] غیبت طوسی صفحہ ۱۵۱ و کمال الدین صفحہ ۴۳۴
[۹] کمال الدین صفحہ ۴۳۱   [۱۰] یوم الخلاص صفحہ ۹۲   [۱۱] غیبت طوسی صفحہ ۱۴۸

علاوہ ازیں آپ نے ابراہیم کو تمام ان شیعوں کے نام بتائے جن کو آپ نے امام مہدی کے عقیقہ کے عنوان سے گوشت بھجوایا تھا یا دنبے بھجوائے تھے[۱۳]

ان تمام امور کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ شیعیان عالم کو اگر کسی وقت گواہوں کی ضرورت پڑ جائے تو انہیں گواہ میسر آ جائیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے پندرہ شعبان کی رات کو جناب حکیمہ خاتون کو اپنے گھر رہنے کے لئے عرض کیا کیونکہ جناب حکیمہ خاتون امام علی نقی کی دختر نیک اختر۔ امام محمد تقی کی ہمشیرہ اور امام حسن عسکری کی پھوپھی ہونے کے ناطے تمام بنی ہاشم میں انتہائی قدر و عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں تاکہ کل کلاں بنی ہاشم کے افراد بے سر و پا باتیں کرنا شروع نہ کر دیں۔ اور جناب حکیمہ خاتون بذاتِ خود اس ماہتاب اور خورشید جہانتاب کی ولادت با سعادت کی چشم دید گواہ ہوں۔ اور پھر آپ نے اسی لئے رسمی طور پر سامراہی سے ایک شریف النفس والی کو بھی بلوا لیا تاکہ اپنے فرقے میں وہ بھی ایک قابل اعتماد گواہ کے طور شہادت دے سکے۔ اس کا فوری نتیجہ تو یہ ہوا کہ جب اس والی نے آخری نورِ ہدایت اور خورشید عاورِ عصمت کی آمد پر آسمان و زمین کے درمیان ضیا باری اور نور پاشی کا منظر اپنے قابلِ اعتماد اہلِ خاندان کو بتایا تو اس کے طفیل پورا خاندان ہی حلقہ بگوش شیعیت ہو گیا[۱۴]

اس سے ایک قدم اور آگے بڑھا کر امام حسن عسکری ولادت کے تیسرے روز شیعوں کی ایک قابلِ اعتماد جماعت کے سامنے اس ماہتابِ جہانتاب کو پیش کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں کی صرف شنید ہی نہ رہ جائے بلکہ دید بھی ہو جائے اور استمرارِ زمانہ سے یہ بھی شکوک و شبہات میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ انہیں امام مہدی نومولود دکھانے کے بعد اپنی آغوش میں بٹھا کر ان سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

یہ میرا جانشین اور تمہارا آقا ہے۔ میرے بعد یہی تمہارا سربراہ ہے یہی وہ قائم

---

[۱۳] کمال الدین ص ۴۳۲ ، [۱۴] غیبت طوسی ص ۱۴۴ / ص ۱۴۶۔

ہے جس کا انتظار کرتے کرتے آنکھیں تھک جائیں گی، مگر اس کا ظہور اس وقت ہوگا جب روئے ارض ظلم و جور سے پُر ہو چکا ہوگا۔ اس کے ظہور کے بعد عدل و انصاف سے پُر ہو جائے گا[15]

غیبتِ صغریٰ میں تجلّیاتِ امامِ زمانہ

غیبت صغریٰ کے مجموعی دور کو دو حصوں میں تقسیم کرنا ہوگا کیونکہ آغاز ولادت سے شہادتِ امام حسن عسکری تک کا زمانہ علیحدہ شمار کرنا ہوگا اور شہادت امام حسن عسکری سے غیبت کبریٰ کے اولین لمحے یا غیبتِ صغریٰ کے آخری مدت تک زمانہ الگ ہوگا۔ لہٰذا ہم اس جگہ، پہلے غیبتِ کبریٰ کے اس دور کا تذکرہ کریں گے جس میں آپ اپنے والدگرامی قدر کی زیرنگرانی رہے۔

زندگی امام عسکری میں سرکارِ حجت :۔

اتفاق کہئے یا استبدادِ زمانہ۔ اور مظلومی عترتِ رسول سے تعبیر کیجئے یا نظام ذاتِ احدیت، اس خاتم الائمہ امام اور خاتم الاوصیاء وصی نبی عالمین کو باپ کے سایۂ بابرکت میں رہنے کا صرف اور صرف پانچ برس موقعہ ملا۔ اگرچہ آپ باپ کے زیرِسایہ بھی رہے پردۂ غیبت ہی میں ہیں لیکن بایں ہمہ امام حسن عسکری نے اتماماً للحجۃ دسیوں شیعیانِ آلِ محمد کو یہ موقعہ فراہم کیا کہ وہ جمال جہاں آرائے امام زمانہ سے اپنی آنکھوں کا نور حاصل کریں۔ چونکہ مقصد ان تمام افراد کا شمار نہیں بلکہ صرف ایک نمونہ پیش کرنا ہے اس لئے ان خوش نصیبوں میں سے جنہوں نے مسند رسالت کے اس آخری

---

[15] کمال الدین ص۴۳۱

دُرِ نایاب کو آغوشِ امام عسکری میں بچشمِ خود دیکھا ہے چند ایک کے اسمائے گرامی پیش کرتے ہیں۔

۱۔ **احمد ابنِ اسحاق** :۔ یہ نیک بخت قحط الرجال کے اس دور میں قم مقدسہ میں امام عسکری کا ایک وکیل مخصوص تھا۔ ایک مرتبہ خدمتِ امام میں شرفیابی کا موقعہ ملا تو عرض کیا کہ آپ کے بعد وصی خیر الوریٰ اور رہنمائے امتِ محمدیہ کون ہوگا؟ امام عسکری اندر تشریف لے جاتے ہیں شہزادۂ کونین کو گود میں اٹھا کر لے آتے ہیں — اور فرماتے ہیں میرے بعد یہ خاتم الائمہ تمہارا راہنما ہوگا — احمد کہتا ہے کہ جب میں نے اس فخرِ یوسف کو دیکھا تو ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی تک عمر شریف کی تین بہاریں ہی دیکھ پائے ہوں لیکن رُخِ انور ماہ دو ہفتہ کی مانند جگمگا رہا تھا[۱۴]

۲۔ **عمرو آہوازی** :۔ کہتا ہے کہ میں امام عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے مجھے حضرت حجت کی زیارت سے فیضیاب کر کے فرمایا: میرے بعد یہ تمہارا امام ہوگا[۱۵]

۳۔ محمد ابنِ عثمان عمری۔
۴۔ محمد ابن ایوب ابن نوح۔
۵۔ معاویہ ابنِ حکیم۔

} تینوں خوش نصیب کہتے ہیں کہ ہم چالیس افراد کا ایک وفد امام عسکری کے پاس حاضر تھا۔ آپ نے اپنے فرزند ارجمند حضرت حجت کی زیارت سے ہمیں باریاب فرمایا۔ اور فرمایا۔ دیکھ لو میرے بعد یہی تمہارا امام اور میرا جانشین ہوگا۔ ہر حکم اسی سے لینا۔ اور دین میں کسی قسم کا اختلاف نہ کرنا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے — پھر فرمایا۔ بس اب دوسری مرتبہ اسے کبھی نہ دیکھ پاؤ گے۔ — ہم واپس اپنے گھروں کو لوٹے چند دن بعد ہم نے سُنا کہ امام عسکری درجۂ شہادت پر فائز ہو کر اپنے آبائے طیبین کے پاس جنت الفردوس کو سدھار گئے ہیں[۱۶]

---

[۱۴] بحار الانوار جلد ۵۲ صـ۲۴ کشف الغمہ جلد صـ۵۲۶ ۔ [۱۵] ارشاد مفید صـ۳۵۰ غیبت طوسی صـ۱۴۰ ۔ [۱۶] بحار الانوار جلد ۵۲ صـ۲۶

۶ - **یعقوب ابن منقوش** :- نے بتایا ہے کہ میں نے از خود امام عسکری سے سوال کیا - آپ کے بعد مسند امامت کس کے پاس ہوگی ؟ آپ نے فرمایا - ساتھ والے کمرے پر پڑا ہوا پردہ ہٹا - میں نے جب پردہ ہٹایا تو - جانماز پہ قبلہ رخ ایک شہزادے کو دیکھا جس کی پیشانی کشادہ تھی ...... آنکھوں میں بلا کی کشش تھی ...... ہاتھ پُر گوشت تھے ...... دائیں رخسار پہ تل تھا ...... دیکھنے میں آٹھ دس برس کا لگتا تھا[۱۹]

امام عسکری نے فرمایا میرے بعد یہ میرا جانشین اور تمہارا امام ہوگا ...... پھر شہزادے سے مخاطب ہو کر فرمایا ...... بیٹے! گھر کے اندر چلے جاؤ ...... شہزادہ میری دیکھتی آنکھوں گھر کے اندر چلا گیا ...... امام عسکری نے مجھے فرمایا ...... ذرا اندر جا کر دیکھ کوئی ہے ...... میں جب اندر داخل ہوا تو مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا[۲۰]

یہ ۴۳ تو وہ خوش قسمت افراد ہیں جنہیں امام عسکری نے از خود حضرت حجت کی زیارت کا موقعہ فراہم کیا - اب چند ایسے خوش بختوں کے اسمائے گرامی بھی دیکھ لیجئے جنہوں نے امام عسکری کے حین حیات حضرت حجت کی زیارت کا شرف حاصل کیا -

۷ - **ابراہیم ابن محمد ابن فارس نیشاپوری** :- کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حاکم وقت مجھ پر اس قدر ناراض ہو گیا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص میرے قتل سے کم پہ ہر گز راضی نہ ہوگا - میں نے اپنے اہل خانہ کو الوداع کہی اور گھر سے نکل کھڑا ہوا - ارادہ یہی تھا کہ دور کسی ایسی جگہ روپوش ہو جاؤں گا جہاں کاکسی کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا - اہل خانہ سے الوداع کے بعد میں نے سوچا کہ کیوں نہ امام عسکری کو بھی آخری سلام کرتا جاؤں - اگر زندگی نہ بھی رہے تو اسی الوداع ہی کو اپنی بقیہ زندگی کا اثاثہ سمجھتا رہوں گا - چنانچہ میں آپ کے دروازہ پہ آیا - دق الباب کیا - اندر جانے کی اجازت ملی تو آپ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا - دیکھا تو امام عسکری کے پہلو میں چندرے آفتاب چندرے ماہتاب ایک شہزادہ

---

[۱۹] اثبات الہداۃ جلد ۳ صـ ۴۶۵ [۲۰] کمال الدین صـ ۴۱ اور کشف الغمہ جلد ۲ صـ ۵۲۷

میں تشریف فرما ہے جس کا چہرہ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ میں سلام
اور مصافحہ کر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ شہزادے نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "اے ابراہیم
جا اپنے گھر لوٹ جا۔ کسی روپوش رہنے کی ضرورت نہیں ہے خدا وند قدوس تجھے حاکم
کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ مجھے جہاں اس بات کی خوشی ہوئی کہ میری مصیبت یقیناً ٹل جائیگی
اور اس روپوشی سے اپنے گھر واپس جا سکوں گا وہاں اس کمسن شہزادہ کی اس بات نے مجھے ورطہ
حیرت میں بھی ڈال دیا اور بیتاب ہو کر میں نے امام عسکری سے سوال کیا۔ قربان جاؤں
یہ شہزادہ کون ہے؟ جس نے میرے دل کی گہرائیوں میں چھپا ہوا راز بتا دیا ہے؟
آپ نے فرمایا یہ میرا فرزند ہے جانشین ہے۔ طویل عرصہ تک لوگوں کی نظروں سے
غائب رہے گا۔ جب یہ دنیا ظلم و جور سے پر ہو جائے گی تو یہی باذن خدا ظہور کر کے اسے
عدل و انصاف سے پر کر دے گا۔

میں نے عرض کیا شہزادے کا اسم گرامی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا رسول خدا
کا ہمنام اور ہم کنیت ہے لیکن اس کے ظہور تک اس کا نام اور کنیت لینا درست نہیں
ہے۔ اے ابن ابراہیم یہ خیال رہے کہ آج جو کچھ تو نے دیکھا اور سنا ہے اس کا کسی بھی
نااہل کے سامنے ذکر ہرگز نہ کرنا۔[۲۱]

۸۔ ابو ہارون :- کا بیان ہے کہ میں ان خوش بختوں میں سے ایک ہوں جنہوں
نے حضرت حجت کی زیارت ولادت کے ابتدائی ایام میں کی ہے۔ میں نے جب آپ کی
زیارت کی آپ کا چہرہ مبارک ماہ دو ہفتہ کی مانند درخشاں تھا۔[۲۲]

۹۔ سعد ابن عبداللہ قمی :- امام عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا تو
حضرت حجت اپنے والد گرامی کے پاس تشریف فرما تھے۔ سعد ابن عبداللہ نے اس بزم
میں حضرت حجت کے جتنے معجزات دیکھے وہ ایک طویل قصہ ہے جس کی گنجائش اس

[۲۱] منتخب الاثر صفحہ ۳۵۵ [۲۲] بحار الانوار جلد ۵۲ صفحہ ۲۵

مختصر مضمون میں نہیں ہے۔[۲۳]

۱۰۔ عبداللہ سوری:۔ کہتا ہے کہ میں نے حضرت حجت کو بستی میں باغیچہ بنی عامر میں دیکھا۔[۲۴]

۱۱۔ عقید:۔ یہ وہ نیک بخت ہے جسے امام عسکری کی خدمت کا شرف حاصل ہوا ہے اور خادم کی حیثیت سے امام عسکری کے دروازے پر رہتا تھا۔ اسے تو خدا معلوم کتنی مرتبہ شرف زیارت حاصل ہوا ہے کیونکہ اس نے انتہائی تفصیل سے لکھا تھا حضرت حجت کے محاسن مبارکہ کی بڑی عقیدت سے تصویر کشی کی ہے۔[۲۵] اپنی مخلصانہ خدمت سے اسے وہ مقام حاصل تھا کہ جب کبھی امام عسکری اپنے فرزند ارجمند کو اپنے پاس بلانا چاہتے تھے تو عقید ہی کو حکم دیتے تھے کہ جاؤ شہزادے کو میرے پاس لے آؤ۔[۲۶]

۱۲۔ کامل ابن ابراہیم مدنی:۔ مفوضہ کے ایک گروہ نے اسے اپنا نمائندہ بنا کر چند سوالات کے جوابات امام عسکری سے لینے کو بھیجا۔ کامل کہتا ہے کہ جب میں بارگاہِ امام عسکری میں حاضر ہوا تو ایک طرف دروازہ کے قریب بیٹھ گیا۔ دروازہ پر پردہ لٹک رہا تھا۔ اتفاقاً ہوا کا ایک جھونکا آیا جس سے پردہ ایک طرف کو ہٹ گیا۔ ابھی تک میں نے اپنا مدعا بیان نہیں کیا تھا۔ کامل کہتا ہے کہ جونہی پردہ ہٹا غیر شعوری طور پر میری نگاہ پس پردہ چلی گئی۔ میں نے دیکھا تو وہاں ایک شہزادہ مصلائے عبادت پر تشریف فرما ہے۔ ماہ دو ہفتہ کی مانند چہرہ دمک رہا ہے۔ اندازہ یہی ہے کہ شہزادہ کی عمر چار برس کے قریب ہو گی۔ میری طرف دیکھا اور میرا نام لے کر مخاطب کیا:۔ اے کامل! حجت خدا سے فلاں مسئلہ پوچھنے آیا ہے؟ کامل کہتا ہے کہ

[۲۳] بحار الانوار جلد ۵۲ صـ۷۸/۷۹، کمال الدین صـ۲۵۴/۲۶۵

[۲۴] کمال الدین صـ۴۴۱ ۔ بحار الانوار جلد ۵۲ صـ۳۰

[۲۵] کمال الدین صـ۴۷۴ [۲۶] بحار الانوار جلد ۵۲ صـ۴۹

اس کمسنی میں شہزادہ کی عظمت اور ہیبت سے میں حیرت کا مجسمہ بن گیا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور بیساختہ میرے منہ سے نکل گیا ۔ ہاں میرے آقا میرے مولا! جب میں نے ہاں کی ۔ تو میرے بتائے بغیر شہزادہ نے ایک ایک کرکے میرے ہر مسئلہ کا جواب دیا ——— پھر میں نے دیکھا تو پردہ برابر ہوگیا ۔ اور میں دوبارہ شہزادہ کو نہ دیکھ سکا ۔ میں حیرت میں غلطاں ہی تھا کہ امام عسکری نے تبسم کیا اور فرمایا ۔ اب دیکھتا کیا ہے اور انتظار کس بات کا ہے ۔ تیرے تمام سوالوں کے جوابات تو حجت خدا نے دے دیئے ہیں ۔ یہی میرے بعد تمہارے لئے منجانب اللہ حجت خدا ہے[۲۷]

* * * * * * * *

یہ تو تھے ان خوش نصیبوں کے چند اسمائے گرامی جو نسباً مختلف افراد تھے ۔ اب چند ایک ایسے اسمائے گرامی بھی دیکھ لیجئے جو خاندان عصمت و طہارت سے تعلق رکھنے والے تھے اور انہیں حضرت حجت کا دیدار نصیب ہوا :

۱۳ ۔ جناب حکیمہ خاتون : ۔ خواتین بنی ہاشم میں سے منفرد قسمت کی مالک یہ وہ خاتون ہے جسے امام حسن عسکری نے شہزادۂ عالم کی شب ولادت والدۂ گرامی قدر شہزادہ کے ساتھ رات گذارنے کے لئے کہا ۔ اس نورِ نبوت کی والدہ کے علاوہ سب سے پہلے حتیٰ کہ شہزادہ کے پدر بزرگوار سے بھی پہلے اسی مخدرہ نے شرف زیارت حاصل کیا اور اسی محترمہ ہستی کی وہ پہلی گود تھی جس میں آکر شہزادہ نے اپنے مقام ولادت سے اپنے والد گرامی کے کمرہ تک زندگی کا پہلا سفر کیا ۔ یہ وہ قابل اعتماد ہستی ہے جسے ہر چالیسویں دن زیارت حضرت حجت سے شرفیاب ہونے کی اجازت تھی ۔ جتنی زیارتیں اس شہزادی عالم کو نصیب ہوئیں اتنی زیارات کا شرف کسی کے حصہ میں نہیں آیا ۔

---

[۲۷] بحار الانوار جلد ۵۲

بی بی فرماتی ہیں کہ جب بھی میں نے حضرت حجت سے کوئی سوال پوچھنا چاہا تو علم لدنی کے اس کمسن وارث نے میرے پوچھنے سے قبل از خود ہی میرے سوال کا جواب دے دیا اور جب بھی کسی حادثہ سے دوچار ہونے والے ہوتے تھے یہی کمسن حجتِ خدا قبل از حادثہ ہماری راہنمائی فرما دیتے تھے[۲۸]

میں سمجھتا ہوں کہ اختصار کے پیش نظر بنی ہاشم سے دیگر زائرین کے اسماء پیش کرنے کی جگہ اب چند ایسے غلاموں اور خادموں کے نام پیش کروں جنہیں اس سرِ فلک گھر میں رہ کر خدمت کی سعادت حاصل ہوئی اور انہوں نے دسیوں مرتبہ اس کشتیٔ نجات اور مشعل ہدایت کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ کیونکہ خاندانِ عصمت میں سے جناب حکیمہ خاتون کے اسم گرامی کے بعد اور کسی نام کا پیش کرنا تطویل بلاطائل سے زیادہ کچھ نہ ہوگا۔ تو لیجئے چند غلاموں کے نام ملاحظہ فرمائیے:

۱۴۔ خادم خانہ ابو نصر:۔ یہ وہ خوش بخت ہے جسے نہ صرف حضرت حجت کے گہوارے کے پاس کھڑے ہونے کا موقعہ ملا ہے بلکہ لمحات شب و روز میں کئی ایسے مبارک لمحات بھی آئے جن میں ابونصر کو گہوارہ جنبانی کا شرف بھی حاصل ہوا اور حضرت حجت کی زبان حق بیان سے علم لدنی کے بہتے دریا کی لہروں کو بھی نگاہ فکر سے دیکھا[۲۹]

۱۵۔ خادم خانہ ابو غانم:۔ یہ بھی ان خوش نصیبوں سے ہے جنہیں گھر میں رہنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ولادت کے تیسرے روز سے بعد کے واقعات اس نے تفصیل سے بتائے اور سنائے ہیں اور حضرت حجت کے اوصاف کی انتہائی جاذب فکر تصویر کشی کی ہے[۳۰]

۱۶۔ ابو علی خیزرانی:۔ یہ خوش نصیب خود تو نہ نوکر تھا نہ غلام البتہ اس کی ایک

---

[۲۸] کشف الغمہ جلد ۲ ص۴۹۹ اور بحار الانوار جلد ۵۲ ص۵

[۲۹] غیبت طوسی ص۱۴۱ اور کشف الغمہ جلد ۲ ص۴۹۹   [۳۰] کمال الدین ص۴۳۱

کنیز تھی جو اس نے امام عسکری کی خدمت کے لئے پیش کر رکھی تھی - چونکہ یہ کنیز ہر وقت امام عسکری کے پردہ سرا میں رہتی تھی اس لئے گھر میں رونما ہونے والے ہر واقعہ سے باخبر رہتی تھی - چنانچہ جب شہادت امام عسکری کے بعد عباسی فوج نے امام عسکری کے گھر حضرت حجت کی تلاش کی خاطر یلغار کر کے فرزند رسول کے گھر کو ویران کر دیا - نوکروں اور خادموں کو گرفتار کر کے لے گئی تو اس نیک نصیب نے اپنے ولی نعمت ابو علی کے گھر پناہ لی اور ابو علی کو داستان ولادت سے لے کر شہزادۂ عالم کی ملائکہ کی گہوارہ جنبانی تک تمام واقعات تفصیل سے سنائے اور اس مولود مسعود کی تعریف و توصیف میں اپنے خزانہ فکر کو خالی تک کر دیا جو مفصل کتب میں آج تک موجود و مذکور ہے [۳۱]

۱۷ - ماریہ :- اس مستور کو شرف کنیزی حاصل ہے - اندرون خانہ تمام خدمات یہی انجام دیتی تھی - یہی وہ نیک بخت ہے جسے شب ولادت جناب حکیمہ خاتون کے ساتھ حضرت حجت کی والدہ جناب نرجس کے پاس رہنے کا شرف نصیب ہوا - اور اسی مخدرہ نے جناب حکیمہ کے علاوہ یہ روایت کی ہے کہ - بعد از ولادت میں نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا ہے جب ولی العصر نے دو زانو ہو کر انگشت شہادت سوئے آسمان بلند کر کے کہا - الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی محمد و آلہ الطاہرین [۳۲]

۱۸ - خادمۂ خانہ نسیم :- یہ بھی ان نیک بختوں سے ایک ہے جنہیں نگاہ امامت نے خدمت کے لئے منتخب کر لیا تھا - اسے ولادت حضرت کے ایک رات بعد شرف زیارت حاصل ہوا - جسے اس نے تفصیل سے بیان کیا ہے - [۳۳]

۱۹ - ابو سہل اسمٰعیل ابن علی نوبختی :- یہ ان خوش بخت افراد میں سے آخری شخص ہے جس نے امام عسکری کی زندگی اور امام عسکری کے دولت خانہ پر حضرت حجت

---

[۳۲] کشف الغمہ جلد ۲ ص ۴۳۱

[۳۳] اثبات الہداۃ جلد ۳ ص ۲۶۸

کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ ابو سہل کہتا ہے کہ مجھے قسمت ایسے وقت میں امام عسکری کی دولتسرا پر لے گئی۔ جب سم جفا اپنا کام کر چکی تھی۔ امام عسکری اپنے بستر پر دراز تھے اور چاہتے تھے پانی میں جوش دی ہوئی مصطگی نوش فرمائیں[۳۴]۔ لیکن نقاہت اور انتہائی کمزوری کے پیش نظر آپ اُٹھ تک نہ سکتے تھے۔ آپ نے اپنے جگر گوشہ حضرت حجت سے فرمایا کہ مصطگی پینے میں میری مدد کرو۔ چنانچہ حضرت حجت نے پیالہ ہاتھ میں لیا اور امام عسکری کے منہ سے لگایا۔ آپ نے وہ پانی نوش فرمایا۔ پھر فرمایا نماز پڑھنے میں میرے ساتھ تعاون کرو۔ چنانچہ حضرت حجت نے سہارا دیا۔ تجدید وضو میں تعاون کیا۔ آپ نے تجدید وضو کی اور اپنے فرزند عزیز سے ان الفاظ میں خطاب کیا:۔

بیٹے تجھے بشارت ہو کہ تو ہی صاحب الزمان۔ مہدی اُمت اور رُوئے زمین پر حجت خدا ہے۔ تو میرا بیٹا اور میرا جانشین ہے۔

بس یہ وہ آخری الفاظ تھے جنہیں امام عسکری کی مقدس زبان ادا کر سکی اس کے بعد آپ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے[۳۵]۔

* * * * * *

حضرت حجت کی زیارت سے مشرف ہونے والے بطور نمونہ چند افراد کے نام جو امام عسکری کے عصمت کدے پر فائز ہوئے ہیں سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ امام عسکری نے ۲۵۵ھ سے ۲۶۰ھ تک کے پنجسالہ دور میں اپنے فرزند ارجمند کے تعارف کا کوئی بھی مناسب موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ آپ نے حضرت حجت کی خبر ولادت دور دراز کے باسی مخلص اور مخصوص شیعوں تک کو بذریعہ

---

[۳۴] مصطگی نامی درخت سے گوند نما چیز نکلتی ہے جو دواؤں میں استعمال ہونے والی معروف دوا ہے۔

[۳۵] بحار الانوار جلد ۵۲ ص ۱۶۔

خط و کتابت پہنچائی ــــ اور جب اپنی زندگی کے آخری ایام محسوس کئے تو اپنے قابل اعتماد چالیس عقیدتمندوں کی ایک محفل آراستہ کی اور ان چالیس افراد کے سامنے اپنے فرزند عزیز کو پیش کیا تاکہ کسی کے لئے کوئی بھی نقطہ قابل تردید نہ رہے۔[۳۶]

علاوہ ازیں اس وقت کی اسلامی مملکت میں آخری حدود پر بسنے والے معتمد شیعوں کو بذریعہ خطوط مطلع کیا۔ ان خطوط میں سے ایک خط وہ بھی ہے جو آپ نے اپنی شہادت سے صرف پندرہ دن پہلے ابوالادیان کے توسط سے مدائن بھیجا۔[۳۷]

حتیٰ کہ امام عسکری نے زندگی کی آخری شب یعنی ۸۔ ربیع الاول ۲۶۰ھ باوجود اتنی ناتوانی اور نقاہت کے کہ آپ پانی پینے، وضو کرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں بھی تعاون طلب فرما رہے تھے، اس حالت میں بھی کافی خطوط لکھے اور مدینہ بھجوائے۔[۳۸]

امام عسکری کی انہی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد دنیائے شیعیت میں سے کسی ایک فرد کو حضرت حجت کے وجود میں رائی بھر بھی شک نہ رہا اور تمام شیعہ امام عسکری کی وفات سے لے کر آج تک اس یقین کے ساتھ جی رہے کہ حضرت حجت ابن حسن اس وقت پردۂ غیبت میں موجود ہیں۔

حضرت حجت اپنے شہید باپ کے جنازہ میں۔

کون نہیں جانتا کہ اتنے سنگین خطرات کے باوجود حجت خدا کے لیے انتہائی ضروری تھا کہ وہ اپنے شہید باپ کے جنازہ میں اپنے وجود ذیجود کا اظہار فرمائیں۔ اگر ایسے نازک موقعہ پر بھی آپ پردۂ غیبت ہی میں رہتے تو شیعیان آل محمد کے لئے آپ کی

[۳۶] کمال الدین ص ۴۳۵ اور بحار الانوار جلد ۵۲ ص ۲۶ [۳۷] کمال الدین ص ۴۷۵
[۳۸] کمال الدین ص ۴۷۴ ۔

امامت کے عقیدہ پر ثابت قدم رہنا نہ صرف مشکل ہوجاتا بلکہ ناممکن سا ہوجاتا کیونکہ

- امام عسکری کا جنازہ ہی حضرت حجت کی امامت کا روز اول تھا۔
- عباسی حکومت نے اپنی جاسوسیوں سے ناکامی کے بعد اپنے تمام تر سرکاری وسائل کا رخ اس طرف موڑ دیا تھا کہ امام عسکری اس دنیا سے بے اولاد جا رہے ہیں اور آپ کا کوئی فرزند نہیں ہے۔
- امام عسکری کا بھائی جو جعفر کذاب کے نام سے معروف ہے عباسی حکومت کی شکستہ بیساکھیوں کے سہارے اس تگ و دو میں مصروف تھا کہ چونکہ امام عسکری کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے میں ہی تنہا امام عسکری کا وارث ہونے کے ساتھ ساتھ مسند امامت کا حقدار اور شیعیان عالم کا واحد مرکزی سربراہ ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ امام عسکری کی شہادت کے بعد بالعموم عوامی اور بالخصوص شیعوں کی نظروں میں مقبولیت حاصل کرنے کی خاطر۔ اور اپنے قانونی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے صاحب عزا اور وارث کی رونی صورت بنائے دیگر اقربائے امام عسکری میں نمایاں مقام پر بیٹھ کر تعزیت کے لئے آنے والے شیعوں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ ساتھ ساتھ سرکار عسکری کا جنازہ پڑھانے کی امید بھی دل میں لئے بیٹھا تھا۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ کے مطابق عین وقت پر حضرت حجت نے اپنی کمسنی کے باوجود اپنے کو ظاہر کر کے جعفر کی تمام اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ حکومت کی تمام کوششیں پامال ہوگئیں۔

امام عسکری کے جنازہ کی مکمل روداد آپ کے جانثاروں میں سے ایک عقیدتمند ابوالادیان کی زبانی سُنئے :

جنازہ تیار ہو رہا ہے۔ غسل دیا جا رہا ہے۔ کفن آچکا ہے۔ آپ کا بھائی جعفر جنازہ کا منتظر مکان کے ایک گوشہ میں بصورت غمزدہ کھڑا ہے۔ لوگ گروہ در گروہ

آ آکر جعفر کو تعزیت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مسند نشینی کی مبارکباد بھی پیش کر رہے ہیں۔ میں اگرچہ امام عسکری کا خادم تھا لیکن جعفر کے حالات سے بھی بے بہرہ نہیں تھا۔ میں جعفر کی شب و روز کی مصروفیات سے آشنا تھا۔ میں جعفر کے باطن کو بھی ظاہر کی طرح جانتا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا جعفر کی آنکھوں سے بوقت تعزیت آنسو کم ٹپکتے تھے لیکن مسند نشینی کی مبارکبادی پر چہرے کی مسرت چھپائے چھپ نہ سکتی تھی ــــ میرے دل میں ہول اُٹھ رہے تھے ــ اگرچہ مجھے حضرت حجت کی ولادت کا یقین تھا۔ میں ان کی مسند نشینی پر بھی ثابت قدم تھا۔ لیکن عوام اور ناآشنا سادہ لوح شیعوں پر مجھے بڑا ترس آرہا تھا۔ میں بار بار یہی سوچ رہا تھا کہ اگر منصب امامت جعفر کے ہاتھ میں آتا ہے تو پھر۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی اثنا میں سرکار عسکری کا خادم عقید سامنے آکر جعفر کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کرتا ہے آقا جنازہ تیار ہے ــ جعفر کے قدم بے تابانہ آگے بڑھے۔ جنازہ کے قریب ہوا۔ صفیں بندھنا شروع ہوگئیں۔ جب صفیں بندھ چکیں تو جعفر نے تکبیر کہنے کے ارادہ سے ہاتھ بلند کئے ــ ابھی ہاتھ بلند ہو ہی رہے تھے کہ ــ پردۂ غیب سے اچانک ایک ہاتھ برآمد ہوا اور سینۂ جعفر پر اس زور سے پڑا کہ بیچارہ جعفر اپنے کو سنبھال تک نہ سکا۔ ابھی لڑکھڑا ہی رہا تھا کہ گوشۂ مکان سے ایک آفتاب جہانتاب نے طلوع کیا۔ افق مکان سے تاریکی کے بادل چھٹے۔ دیکھنے والوں نے چشم حیرت سے دیکھا کہ ایک کمسن بچہ ..... کھلتا ہوا گندمی رنگ ..... شانوں پر لہراتے ہوئے سیاہ بال ..... خورشید آسا دلکش اور پُر نور چہرہ ..... عظمت کا سر بفلک پہاڑ ..... ہیبت الٰہیہ کا مجسم پیکر۔ عزت و سکون کا آسمان اور تلوار کی مانند مضبوط ..... انتہائی سکینہ و وقار سے برآمد ہوا۔ سنجیدگی اور متانت سے چلتا ہوا جعفر کے قریب آیا۔ جعفر کے دامن عبا سے پکڑا اور فرمایا:

چچا جان! یہ میرے باپ کا جنازہ ہے.... آپ کی نسبت جنازہ پڑھانے کا مستحق میں زیادہ ہوں.... آپ پیچھے صف اول میں تشریف لے جائیے..... جعفر تصویر حیرت بن گیا.... پیشانی شرمندگی کے عرق سے تر بتر ہو گئی.... پسینہ پونچھتے ہوئے پیچھے کو ہٹا۔ حجت خدا نے آگے بڑھ کر اپنے والد گرامی کی نماز جنازہ پڑھائی [۳۹]

احمد ابن عبداللہ ہاشمی جو بنی عباس سے ہے حاضر جنازہ تھا۔ حضرت حجت کی برآمدگی کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے ـــ وہ پاکبازوں کا کعبہ... اور شریفوں کا گوہر مقصود کچھ اس انداز سے برآمد ہوا کر ـــ حاضرین جنازہ کے دل غیر شعوری طور پر اس کمسن کی عظمت وجلالت کے سامنے جھک گئے اور سر تسلیم بیقرار ہو کر خم ہو گئے [۴۰]

امام عسکری کے جنازہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد یوں تو بے شمار ہو گی لیکن مورخین کو صرف اتالیس خوش نصیبوں کے نام مل سکے ہیں۔ اور یہ وہ خوش بخت ہیں جن کے مقدر نے انہیں دو سعادتوں سے مشرف کیا۔ امام عسکری کے جنازہ میں شمولیت کی سعادت اور حضرت حجت کے بچشم خود دیدار پرانوار کی سعادت۔ ان میں سے چند ایک کے نام صرف بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں :-

۱۔ ابراہیم ابن محمد تبریزی - ۲۔ ابوالادیان - ۳۔ احمد ابن عبداللہ ہاشمی - ۴۔ حاجز وشاء ۵۔ حسن ابن علی اور ۶۔ سمان [۴۱]

---

[۳۹] کمال الدین ص ۴۷۵ [۴۰] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۵ -

[۴۱] بحار الانوار ج ۵۲ ص ۶ اور کمال الدین ص ۴۷۶ -
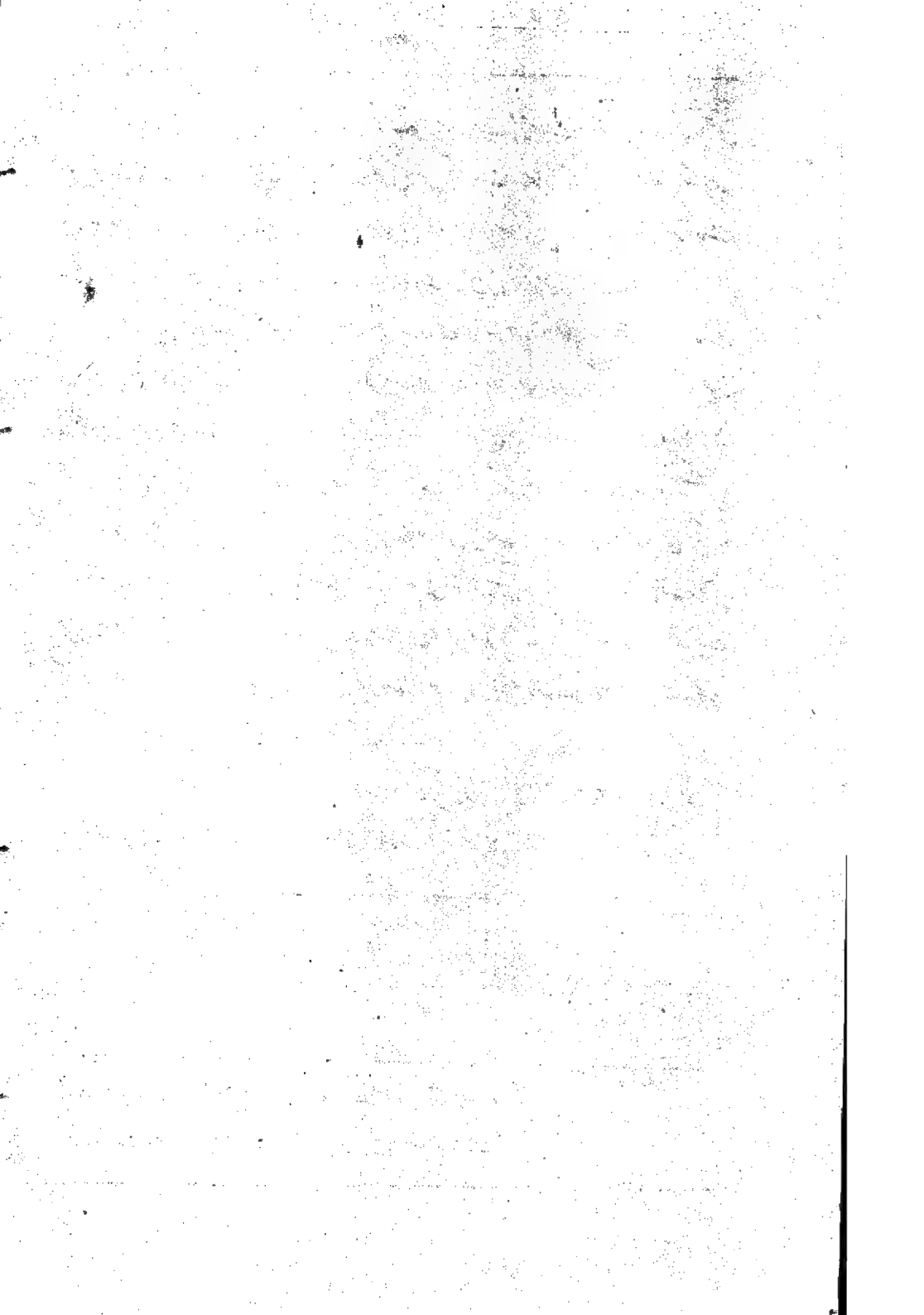
غیبتِ صغریٰ کا دوسرا دور

اور جلوہ ہائے امامِ زمانہ

یعنی

شہادتِ امام عسکریؑ کے بعد

۷۰ سالہ غیبتِ صغریٰ میں پانچ برس تو وہ ہیں جو آپ نے اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ گذارے اور ۶۹ برس اپنے والد گرامی کے بعد عالم غیبت میں رہ کر منصب امامت پر جلوہ آرا ہو کر نفاذ احکام کئے۔ سابقہ صفحات میں ہم نے ان نیک نصیبوں کے پچیس نام بطور مثال پیش کئے ہیں جنہیں حضرت حجت کی زیارت خود ان کے والد گرامی قدر نے کرائی۔ کچھ نے دوران استفسار مسائل شرف زیارت حاصل کیا۔ کچھ کو بوقت جنازہ زیارت نصیب ہوئی۔ اب ذیل میں بطور نمونہ چند ایک ایسے خوش قسمت افراد کے نام پیش کر رہے ہیں جنہیں غیبت صغریٰ کے ۶۹ سالہ زمانہ میں زیارت نصیب ہوئی ہے۔

۲۶ - ابو سعید غانم :- اثبات الہداۃ ج ۳ ص ۶۵۷ اور کمال الدین ص ۴۳۷/ص ۴۴۲ کے مطابق ابو سعید غانم ہندوستان کے ایک علاقہ کشمیر سے تعلق رکھنے والے خوش نصیب ہیں جو حج کو گئے۔ اور سامرا میں حضرت حجت کی زیارت کے لئے گئے۔ بخت نے یاوری کی۔ نہ صرف شرف زیارت حاصل ہوا بلکہ وطن لوٹ کر حضرت حجت کا چشم دید معجزہ بھی دیکھ کے آئے۔

۲۷ - ابو سورہ محمد ابن حسن ابن عبد اللہ تمیمی :- بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۴ کے مطابق ابو سورہ وہ خوش نصیب ہے جسے حیرہ نامی ایک مقام پر حضرت حجت کی زیارت ہوئی اور آپ نے اسے ایک گرانقدر ہدیہ سے بھی نوازا۔

۲۸ - ابو علی ابن مطہر :- بحار الانوار ج ۵۲ ص ۴۱ کے مطابق اس خوش نصیب کو حضرت حجت کی زیارت ہوئی جس نے آپ کے اوصاف بھی بیان کئے ہیں۔

۲۹ - ابو العباس محمد ابن جعفر حمیری :- کمال الدین ص ۱۴۶، ص ۴۷۹ کے

مطابق ابوالعباس قم مقدسہ سے ایک قافلہ لے کر سامرا جاتا ہے ۔ راستہ میں بے شمار مصائب اور کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جہاں اس راہرو عشق کو اپنے کعبۂ مقصود تک پہنچنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے ۔ شرف زیارت کے علاوہ چند ایک معجزات بھی مشاہدہ کرکے دولت ایمان میں دو چند اضافہ لے کر پلٹتا ہے اور شیعیان قم کو اپنی روئداد دیدار سناتا ہے ۔

۳۰ - ابو محمد حسن ابن وجنا :۔ کمال الدین ص۴۷۳ کے مطابق نصیبین سے تعلق رکھنے والا خوش بخت ہے جسے ایام حج میں حج کے موقعہ پر بیت اللہ ہی میں زیارت نصیب ہوئی اور یہ اس دادا کا پوتا ہے جسے امام عسکری کی شہادت کے بعد جب عباسی فوج نے تلاش حضرت حجت میں بھیجا ، تو اسے وہاں حضرت حجت کی زیارت نصیب ہوئی ۔

۳۱ - ابو محمد عیسیٰ ابن مہدی جوہری :۔ کمال الدین ص۴۷۳ کے مطابق سنہ ۲۶۸ھ کے ایام حج میں بخت نے یاوری کی جو نہ صرف حضرت حجت کے دیدار سے مشرف ہوا بلکہ آپ کے دستر خوان پر آپ کے ساتھ بیٹھ کر بہشتی طعام سے بھی فیضیاب ہوا ۔

۳۲ - احمد ابن ابراہیم ابن ادریس :۔ بحار الانوار ج ۲ ص۶۹ و ۷۰ کے مطابق احمد کا بیان ہے کہ بیس برس کا عرصہ ہونے کو آیا ہے یا تقریباً حضرت حجت بیس سالہ تھے جب میں نے نہ صرف آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیا بلکہ آپ کے دست حق پرست اور جبین مبین کا بوسہ بھی لیا ہے ۔

۳۳ - ازدی :۔ کمال الدین ص۴۴۴ کے مطابق ازدی کا بیان ہے کہ ایام حج میں دوران طواف بیت اللہ میں نے حضرت حجت کی زیارت بھی کی ہے اور معجزہ بھی دیکھا ہے ۔

۳۴ - حسین ابن ہمدان :۔ کشف الغمہ ج ۲ ص۱۰۵ کے مطابق حسین ابن ہمدان نے زیارت بھی کی ہے اور حضرت حجت کا اعجاز بھی دیکھا ہے ۔

۳۵ - زہری :- برسوں کی جدوجہد اور خواہش و تمنا کے بعد عثمان ابن سعید کی وساطت سے شرف زیارت حاصل کر کے بالمشافہ چند مسائل دریافت کئے ہیں۔ بحار الانوار ج ۵۲ ص ۱۵

۳۶ - علی ابن حسین یمانی :- اثبات الهداة ج ۳ ص ۶۹۱ کے مطابق علی کا بیان ہے کہ میں صرف امامت کے آخری ماہ تاباں کی زیارت کے لئے یمن سے چلا۔ سفر کے حوصلہ شکن مراحل سے گزر کر سامرا آیا۔ تین دن تک مسلسل در اقدس حضرت حجت کی چوکھٹ کے بوسے لیتا رہا بالآخر نخل تمنا ثمر آور ہوا اور زیارت سے فیضیاب ہوا۔

۳۷ - محمد ابن اسماعیل امام موسیٰ کاظمؑ کا پوتا :- ارشاد شیخ مفید ص ۳۵۰ کے مطابق بوقت غیبت علویوں میں سے سن رسیدہ ترین بزرگوار تھا کہ مکہ اور مدینہ کے مابین حضرت حجت کی زیارت نصیب ہوئی۔

۳۸ - محمد ابن عبداللہ قمی :- بحار الانوار ج ۵۲ ص ۳، ص ۴ کے مطابق محمد ابن عبداللہ کا بیان ہے کہ مسلسل ۳۰ برس صرف اس کاوش میں گزارے کہ حضرت حجت کی زیارت نصیب ہو جائے۔ بیس برس تو صرف بیت اللہ میں بیٹھ کر گزار دیئے۔ جو مل گیا کھا لیا جیسے مل گیا پہن لیا۔ مزدوریاں بھی کیں اور پیٹ پہ پتھر بھی باندھے۔ آخر ۲۹۳ھ میں گوہر مقصود حاصل ہوا۔

۳۹ - محمد ابن عثمان :- کمال الدین ص ۲۴۴ کے مطابق محمد ابن عثمان وہ خوش بخت ہے جو امام عسکری کے زمانہ میں بھی اور آپ کی شہادت کے بعد بھی دسیوں مرتبہ شرف زیارت سے مشرف ہوا۔ اس کا کہنا ہے کہ آخری مرتبہ جب زیارت نصیب ہوئی اس وقت آپ نے بیت اللہ میں پردۂ بیت اللہ کو ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا اور عرض کر رہے تھے۔ بار الہا تو میرے دشمنوں سے میرا انتقام لے۔

۴۰ - یوسف ابن احمد جعفری :- بحار الانوار ج ۵۲ ص ۵ کے مطابق ۳۰۹ھ

میں حج بیت اللہ سے واپس پلٹتے ہوئے راستہ میں شرف زیارت سے بھی مشرف ہوا اور معجزہ بھی دیکھا۔

نوٹ : غیبت صغری کے مختصر سے دور میں بطور نمونہ مذکورہ جن خوش بخت افراد کو شرف زیارت حاصل ہوا ہے ہر ایک نے اپنے واقعہ زیارت کا انتہائی دلکش اور حیرت انگیز واقعہ سنایا ہے چونکہ ہمارا مقصود فقط بطور اختصار ایک مثال پیش کرنا تھی اس لئے ہم نے ان واقعات کی تفصیل میں جانے سے گریز کیا ہے اور صرف ان نیک بختوں کے اسمائے گرامی ہی بتانے پر اکتفا کیا ہے۔ شائقین خود مندرجہ بالا محولہ کتب اور ان کے علاوہ اس موضوع پر لکھی گئی کتب سے بذات خود اپنی جستجو کی تشنگی بجھا سکتے ہیں۔ مثلاً بحرانی کی نصرۃ الولی ۔ نوری کی جنت الماوی اور النجم الثاقب نہاوندی کی العبقری الحسان ۔ عراقی کی دار السلام ۔ مرزوقی کی ۔چہرہ ہائے کہ در جستجوئے امام پیروز شدند اور نشر کوکب کی تجلیات امام وغیرہ ۔

حضرت حجّت کے معجزات :-

انبیاء وائمہ معصومین کی سوانح حیات سے دلچسپی اور میدانِ تحقیق وجستجو میں رغبت رکھنے والا ہر دانشمند اس حقیقت سے آشنا ہوگا کہ کسی امام کا زمانہ غیبت جیسے جیسے قریب سے قریب تر ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے اظہار معجزات میں کثرت آتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم دیگر ائمہ طیبین کی زندگی کے معجزات اور امام علی نقی اور امام حسن عسکری کے معجزات کا موازنہ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جتنے معجزات دیگر ائمہ نے مجموعی طور پر اپنی پوری زندگی میں دکھائے ان سے کہیں زیادہ صرف مذکورہ بالا دو ائمہ یعنی امام علی نقی اور امام حسن عسکری کے زمانہ میں لوگوں نے دیکھ لئے اور پھر جتنے معجزات مذکورہ بالا دو ائمہ نے دکھائے ان کی مجموعی تعداد سے زیادہ تعداد میں حضرت نے اعجاز نمائی کی۔ پھر معجزات میں سے کسی ایک ارادتمند کو بذریعہ خط اسے در پیش آنے والے حادثات سے مطلع کر دینا۔

غالباً اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ جب حجتِ خدا بحکم خدا پردۂ غیبت میں چلا جائے تو ماننے والوں کے قدم مشاہدہ کردہ معجزات کو مشعل راہ بنائے رکھیں اور کسی مقام پر ڈگمگا نہ جائیں اور ہوا بھی ایسے ہی کہ جب بھی معصوم نے اپنے کسی معتقد کو بذریعہ خط اپنے علم غیب سے مطلع کر کے اسے پیش آنے والے حادثات سے آشنا کیا اور جب اطلاع امام کے مطابق وہ واقعات حرف بحرف اسی طرح واقع ہوئے جس طرح امام نے بتائے تھے تو ان کی عقیدت نہ صرف باقی رہی بلکہ اس میں دو چند اضافہ بھی ہو گیا اور اس نے اس خط کو بطور سند دوسرے قابلِ اعتماد افراد کے سامنے پیش کر کے ان کی عقیدت

کو بھی کئی گنا کر دیا۔

غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں حضرت حجت سے صادر ہونے والے معجزات کو اکٹھا کیا جائے تو خدا معلوم کتنی ضخیم جلدیں بن جائیں۔ ہم اپنی اس مختصر کتاب کے پیش نظر اور وہ بھی صرف اس لئے کہ یہ مختصر اس پہلو سے بالکل خالی نہ رہ جائے معجزات کی تفصیل میں جائے بغیر صرف بطور نمونہ پچاس افراد کے نام گنوا دیتے ہیں جنہوں نے حضرت حجت سے معجزات بچشم خود مشاہدہ کئے ہیں:۔

اعلام الوریٰ ص۴۲۵ ۔ اثباۃ الہداۃ جلد۳ ص۶۶۹ ۔ بحار الانوار جلد ۵۲ ص۳۱ ۔ کشف الغمہ جلد۲ ص۵۳۲ ۔ کمال الدین ص۴۴۲ کے مطابق ابن اعجمی ۔ ابن بادشالہ ۔ ابن قاسم ابن موسیٰ ۔ ابو ثابت ۔ ابو جعفر اقاد ۔ ابو رجاء ۔ ابو عبداللہ ابن فروخ ۔ ابو عبداللہ جنیدی ۔ ابو عبداللہ کندی ۔ ابو علی اسدی ۔ ابو القاسم ابن ابی حابس ۔ ابو القاسم ابن دبیس ۔ ابو محمد ابن ہارون ۔ ابو محمد ابن وجنا ۔ احمد ابن ابو الحسن ۔ احمد ابن اسحاق ۔ اسحاق کاتب ۔ بسامی ۔ بلالی ۔ جعفر ابن حمدان ۔ جعفری ۔ حاجز ۔ حسن ابن فضل ابن یزید ۔ حسن ابن نضر ۔ حسن ہارون ۔ حسن ابن یعقوب ۔ عیینی ۔ زیدان ۔ شمشاطی ۔ عاصمی ۔ عطار ۔ علی ابن احمد ۔ علی ابن محمد ۔ علی ابن محمد ابن اسحاق ۔ فضل ابن یزید ۔ قاسم ابن علا ۔ قاسم ابن موسیٰ ۔ مجروح ۔ مرداس ۔ مسرور طباخ ۔ محمد ابن ابراہیم مہزیار ۔ محمد ابن ابو الحسن ۔ محمد ابن اسحاق ۔ محمد ابن شاذان ۔ محمد ابن شعیب ۔ محمد ابن صالح ۔ محمد ابن کشمرد ۔ محمد ابن محمد ۔ محمد ابن کلینی ۔ محمد ابن ہارون ابن عمران ۔ ہارون فزار ۔

غیبتِ کبریٰ کے آستانہ عالیہ پر :-

۲۵۵ھ تا ۳۲۹ھ ۷۴ برس کا یہ وہ عرصہ ہے جس میں شیعیان آل محمد مخصوص نائبین امام کے ذریعہ حضرت سے بلا واسطہ نہ سہی بالواسطہ مربوط تھے اور مخصوص نائبین کا بلا واسطہ رابطہ حسب ہدایت حضرت حجت قائم رہا۔ اسی لئے اس دور کو غیبتِ صغریٰ کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس دور میں شیعیان آل محمد اپنے ضروری مسائل اور ضروری ہدایات بذریعہ خط و کتابت بواسطۂ نواب خاص حاصل کر لیتے تھے۔ بنا بریں غیبت کا یہ دور غیبت کے دیگر طویل دور سے قطعی جدا ہے۔ اس چوہتر سالہ غیبتِ صغریٰ کے مختصر عرصہ میں جن نیک بخت اور نیک نصیب افراد کو حضرت حجت سے بلا واسطہ رابطہ کا شرف نصیب ہوا ہے انہیں نواب اربعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان نواب اربعہ کے ذریعہ جو تحریریں حضرت حجت کی طرف سے شیعہ عوام کے جوابات یا دیگر ہدایات پر مشتمل ہوتی تھیں اصطلاحاً انہیں توقیع واحد اور توقیعات جمع کا نام دیا گیا ہے۔ اور حضرت حجت کے جس شریعت کدہ سے یہ توقیعات برآمد ہوتی تھیں اسے ناحیہ مقدسہ کا نام دیا گیا ہے۔ اب ذرا نواب اربعہ اور ان کے سن ہائے وفات پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

۱۔ **عثمان ابن سعید** :- یہ خوش بخت سعید کا پوتا اور عثمان کا فرزند ہے۔ اسی طرح یہ خود بھی سعید ہے۔ اور ان خوش بختوں سے ہے جنہیں امام علی نقی اور امام حسن عسکری کا زمانہ صحبت بھی نصیب ہوا ہے۔ یہ خوش قسمت امام علی نقی اور حضرت عسکری کے اصحاب خصوصی سے تھا۔ سب سے پہلے عہدۂ نیابت خاصہ پر فائز ہوا ہے۔

۲۔ محمد ابن عثمان :۔ یہ خوش نصیب سعید کا پوتا اور عثمان کا فرزند ہے۔ نام کی طرح نگاہِ ائمہ اور دل شیعہ میں آج تک محمد ہی ہے۔ اپنے باپ عثمان کے بعد نیابتِ خاصہ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوا ہے۔ اور ۳۰۴ھ کے جمادی الثانی کے آخری ہفتہ عشرہ میں اس دار فانی کو الوداع کہی۔

۳۔ حسین ابن روح نوبختی[1] :۔ یہ خوش نصیب محمد ابن عثمان کے بعد نیابتِ خاصہ کے منصب جلیلہ پر فائز ہوا شعبان ۳۲۶ھ کو دار فانی سے دار باقی کی طرف انتقال کیا۔

۴۔ علی ابن محمد سمری :۔ یہ آخری وہ نیک نصیب فرد ہے جسے نیابت خاصہ کا منصب جلیل عطا ہوا۔ اور ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ کو اس دار فانی سے کوچ کیا۔

اس چوتھے نائب خاص کے ایام زندگی ختم ہونے کے بعد نیابتِ خاصہ کا دروازہ تاظہور ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا اور بعد میں جس نے بھی نیابت خاصہ کا دعویٰ کیا ہے خدا نے اسے بری طرح ذلیل و رسوا کیا ہے۔ ۳۲۹ھ کے ۹ شعبان کو جو توقیع ناحیہ مقدسہ سے برآمد ہوئی اس میں حضرت حجت کے اپنے مبارک ہاتھوں اور مقدس قلم سے حسب ذیل ارشاد تحریر تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اے علی ابن محمد سمری! تیری زندگی کے ایام ختم

---

[1] جہاں تک راقم الحروف اثیر جاڑوی کے تجربہ کا تعلق ہے نواب اربعہ میں سے واحد یہ خوش نصیب ہے جو اس دار فانی سے جانے کے بعد بھی نیابتِ خاصہ کے عہدے پر فائز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک سالانہ ۱۵ شعبان کی شب جو رقعہ جات حضرت حجت کو بھیجے جاتے ہیں وہ اسی نیک نصیب کی وساطت سے ہوتے ہیں اور یہ صرف ۱۵ شعبان ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ میرا تجربہ شاہد ہے کہ ہر شب جمعہ اگر انہی آداب کے ساتھ عریضہ حاجت بھیجا جائے تو حسین ابن روح وہ عریضۂ حاجت حضرت حجت کی خدمت میں نہ صرف پیش کرتے ہیں بلکہ سفارش بھی کرتے ہیں (مترجم)

ہو چکے ہیں۔ خداوند قدوس آپ کے اقربا اور بھائیوں کا آپ کے سوگ کے اجر میں اضافہ فرمائے۔ آج سے ٹھیک چھ دن بعد تو رحمتِ حق کے زیرِ سایہ اپنے دارِ باقی کو منتقل ہو جائے گا۔ اب کسی اور سے مت کہنا کہ وہ اس دوسری غیبت کے زمانہ میں میرے ساتھ بلاواسطہ رابطہ رکھے۔ اب غیبتِ صغریٰ کا زمانہ ختم ہوا اور غیبت کبریٰ کا دور شروع ہوتا ہے۔

آج ۱۴۰۳ھ[1] کا ۱۵ شعبان ہے۔ ۲۶۰ھ کے ۱۵ شعبان سے لے کر آج تک ۱۱۴۳ برس گزر چکے ہیں لیکن تاحال مسندِ عدالت آپ کے انتظار میں ہے کہ آپ ظہور فرما کر ان نام نہاد جغرافیائی سرحدوں کو ختم کر کے رُوئے ارض پر عادلانہ حکومت قائم کریں۔ اور اپنا پرچم آزادی جس پہ لا الٰہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ علی ولی اللہ تحریر ہے خطۂ ارض کے چپہ چپہ پر لہرائیے۔ ہم اسی دن کی اُمید میں جی جی کے مر رہے ہیں اور مر مر کے جی رہے ہیں۔

---

[1] اور مترجم کے مطابق ۲۹۔ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ہے۔ اس لحاظ سے ۱۱۴۷ برس آٹھ ماہ اور سولہ دن ہو چکے ہیں کہ کائنات عالم آپ کے انتظار میں ہے۔ میرے آقا۔ کان طعنے سُنتے سُنتے پک گئے اور آنکھیں راہ دیکھتے دیکھتے جواب دیتی جارہی ہیں لیکن تاحال آپ کا زمانہ طویل سے طویل تر ہوتا جارہا ہے۔ اگرچہ میری چشم بصیرت آج حالات کو قریب سے قریب تر دیکھ رہی ہے لیکن کسے معلوم کہ کون خوش نصیب آپ کے زمانہ کی سعادت حاصل کر سکے گا۔ جارودی

غیبتِ کبریٰ

اسلامی مسائل میں سے کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر اتنی بحث کی گئی ہو اور جس مسئلہ کا اتنا مواد موجود ہو جتنا مواد مسئلۂ مہدویت پر موجود ہے اور جتنی بحث مسئلۂ مہدویت پر کی گئی ہے۔ سرورِ کونین سے منقول احادیث کو ایک طرف رکھ کے بھی اگر ان روایات کا شمار کیا جائے جو معصوم ائمہ اہلبیت سے ہم تک پہنچی ہیں ان کی تعداد بھی چھ ہزار سے زیادہ ہے۔ معصومین ائمۂ اہلبیت کے زمانے سے آج تک صرف اسی موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ میرے پاس اس وقت بھی ایک کتاب موجود ہے جس کے مصنف نے صرف مسئلہ مہدویت پر لکھی جانے والی کتابوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ بتائی ہے۔ ان لکھی گئی کتابوں میں بالخصوص مسئلہ غیبت کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ ایک سو سے زائد کتابیں تو ہیں ہی ایسی جو غیبت کے نام سے یا غیبت کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ ان تمام باتوں سے ہٹ کر جو بات خصوصی غور و فکر کی دعوت دیتی ہے وہ یہ ہے کہ بیسیوں کتابیں حضرت حجت کی ولادت سے بھی قبل لکھی گئی ہیں اور ان کا موضوع بھی غیبت ولی العصر ہی ہے۔ ان کتابوں میں چند ایک کے نام از روئے تبرک پیش کئے جاتے ہیں :-

۱۔ کتاب الغیبۃ از ابو اسحاق ابراہیم ابن صالح انماطی کوفی اسدی

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مخصوص صحابہ سے ہے۔ ابن قولویہ نے صرف ایک واسطہ سے وہی کتاب مولف کتاب سے نقل کی ہے (فہرست رجال نجاشی۔

فہرست رجال طوسی) ۔

۲ - ابوالحسن علی ابن حسن ابن محمد طائی جرمی ۔ رجال شیخ طوسی ص۳۵۸، رجال نجاشی ص۱۹۳ ، اور فہرست طوسی ص۱۱۸ کے مطابق یہ بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اور الغیبۃ کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ۔

۳ - ابوالحسن علی ابن اعرج کوفی ۔ رجال نجاشی کے مطابق یہ بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے مخصوص صحابہ سے تھے ۔ انہوں نے بھی الغیبۃ کے نام سے کتاب لکھی ہے ۔

۴ - حسن ابن علی ابن حمزہ بطائنی ۔ قاموس الرجال جلد۳ ص۱۹۳ رجال نجاشی ص۲۰ اور فہرست شیخ طوسی ص۵۷ کے مطابق امام رضا علیہ السلام کے زمانہ میں تھے اور غیبت کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کی ۔

۵ - ابوالفضل عباس ابن ہشام ناشری ۔ رجال نجاشی ص۲۱۵ ، رجال شیخ طوسی ص۳۸۴ اور فہرست شیخ طوسی ص۱۴۷ کے مطابق امام رضا علیہ السلام کے صحابہ خاصہ سے تھا سنہ۲۲۰ھ میں وفات پائی ۔ غیبت کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے ۔

۶ - ابومحمد فضل ابن شاذان ازدی :۔ فہرست شیخ طوسی ص۱۵۰ ، رجال شیخ طوسی ص۴۲۰ اور رجال نجاشی ص۲۳۵ کے مطابق امام رضا علیہ السلام کے صحابہ تھے ۔ مسئلہ شیعیت کے اثبات میں ایک صَد اسی کتابیں لکھی انہی میں سے ایک کتاب الغیبۃ بھی ہے ۔ خداوند قدوس نے اس مرد مومن کو بڑی طویل زندگی عنایت فرمائی تھی ۔ سنہ۲۶۰ھ میں واصل بحق ہوئے ۔

یہ تو تھا نمونہ اور مثال ان کتب کی جو حضرت حجت کی ولادت سے قبل لکھی گئی ہیں اور جن کا موضوع بھی صرف غیبت ہی ہے ۔ او خواہد آمد ۔ نامی کتاب

کے مطابق جن کتابوں کا موضوع بحث ہی غیبت ہے ان کی تعداد شمار سے ماوریٰ ہے۔ ان کتب میں ایک صد سے زیادہ کتب احادیث ائمۂ معصومین صرف اس نظریہ پر مشتمل ہیں — کہ حضرت حجت کی غیبت کے دو دور ہوں گے۔ ایک زمانہ غیبت صغریٰ کا اور دوسرا دور غیبتِ کبریٰ کا - اور ان روایات میں وضاحت سے یہ بتایا گیا ہے کہ غیبت اولیٰ مختصر اور غیبت ثانیہ طویل ہوگی۔ بعض روایات و احادیث میں اس بات کی صراحت کر دی گئی ہے کہ غیبتِ ثانیہ اتنی طویل ہوگی کہ معدودے چند صاحبانِ یقین کے علاوہ امت مسلمہ تو بجائے خود شیعوں کی اکثریت بھی عقیدہ امامت حضرت حجت چھوڑ بیٹھے گی اور غیبت کی تردید و تکذیب شروع کر دیں گے۔ اور بعض احادیث میں بتایا گیا ہے کہ غیبت ثانیہ میں آپ کی اقامت گاہ سے آپ کے خدمت گزاروں کے سوا کوئی بھی واقف و آشنا نہ ہوگا۔

غیبتِ کبریٰ میں جلوہ ہائے حضرت امام زمانہ :-

آخری وہ توقیع جو علی ابن محمد سمری کے نام ناحیہ مقدسہ سے برآمد ہوئی اس میں صراحت کے ساتھ جھوٹے اور مکار طالع آزماؤں کے سادہ لوح مجبوں کے جذبات سے کھیلنے کی پیش بندی کردی گئی ہے کہ آج کے بعد اور خروج سفیانی اور صدائے آسمانی سے قبل جو شخص بھی نیابت خاصہ کا دعویٰ تو بجائے خود صرف عالم بیداری میں بالمشافہ دیکھنے کا دعویٰ بھی کرے وہ جھوٹا اور فریب کار ہے۔

لیکن شومیٔ قسمت کہ اس واضح اور صریح حکم کے باوجود آج تک باب ہونے اور نیابت خصوصہ کا دعویٰ بیسیوں افراد کر چکے ہیں اور ملت مسلمہ میں سے ہزاروں بلکہ لاکھوں اہل ایمان کے خلوص اور سادہ لوحی کو گمراہی کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں۔ اور اس توقیع مبارک کا تعلق بھی ایسے طالع آزماؤں سے ہے — ورنہ اہلِ علم و دیانت میں سے ہزاروں ایسے افراد کو تو ہم بھی جانتے ہیں جنہیں شرف زیارت حاصل ہوا ہے۔ مگر انہوں نے اسے اپنی دکان چمکانے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مذکورہ افراد اپنی دین و دیانت میں ایسے بلند مقام پر فائز تھے کہ اپنے تو اپنے اغیار بھی ان کی طرف دروغگوئی کی انگشت نمائی نہیں کر سکتے۔ پھر یہ فرق بھی رہا ہے کہ غیبت کو قدرت نے کچھ ایسی کیفیت دی کہ جن لوگوں نے حضرت حجت کو غیبت صغریٰ میں دیکھا بھی تھا اور روآشنائی کی بدولت وہ آپ کو پہچانتے بھی تھے لیکن جب غیبت کبریٰ میں اُن کے محبتوں نے یاوری کی اور زیارت کا شرف

حاصل ہوا تو وہ آپ کو پہچان نہ سکے بلکہ بعد از ملاقات قطعی اور نا قابل تردید قرائن کی بنیاد پر وہ سمجھ سکے کہ جن سے شرف ملاقات حاصل ہوا ہے وہ حضرت ولی العصر تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے سرکار شریعتمدار علامہ بحر العلوم نے توقیع مبارکہ کی ان الفاظ میں توجیہ کی ہے ـــ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ عالم بیداری میں دعوائے رویت امام کے مدعی کی تردید کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں نے وقت ملاقات پہچان لیا تھا کہ جس کی زیارت کر رہا ہوں یہی امام زمانہ ہی ہیں۔ ورنہ آپ کی بالمشافہ عالم بیداری میں زیارت کرنے والوں کی تعداد کسی بھی صورت میں ناپید نہیں ہے۔ رجال بحر العلوم جلد ۳۔ ص۳۲۱۔

● غیبت شیخ طوسی ص۱۶۳ میں سرکار طوسی رقمطراز ہیں کہ ـــ یہ بات ہمارے بس سے قطعی باہر ہے کہ ہم حتمی طور پر یہ فیصلہ دے دیں کہ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں کوئی بھی شیعہ سرکار حجت کی زیارت سے مشرف نہ تو ہوا ہے اور نہ ہو سکے گا بلکہ ممکن ہے کہ بہت سے شیعہ کو یہ شرف حاصل ہوا ہو۔ لیکن سرور کونین سے لے کر حضرت حجت تک زیارت کو ظاہر کرنے کی شدید ممانعت کی وجہ سے کوئی شخص کسی کی زیارت سے باخبر اور آشنا نہ ہو۔

● تنزیہ الانبیاء میں سرکار علامہ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ارشاد فرماتے ہیں ـــ یہ بات کوئی تعجب انگیز نہیں ہے کہ غیبت کبریٰ کے اس طویل دور میں حضرت حجت اپنے بعض مخلص اور دیانتدار افراد کو اپنی زیارت کے شرف سے نوازتے رہتے ہوں۔ ـــ کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کے خلاف کوئی بھی حتمی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ دعوائے رویت پر کڑی پابندیاں عاید کر دی گئی ہوں ایسی صورت میں کون شخص دعوائے رویت کر کے اپنے کو تکذیب و تردید کے لئے پیش کرنے کی حماقت کر سکتا ہے۔

• سید ابن طاؤس - الطرائف فی معرفۃ مذاہب الطوائف ص۱۸۴ پر فرماتے ہیں کہ —— اگرچہ آج کے اس دور میں کسی میں ہمت نہیں ہے کہ وہ برسر عام رویت حضرت حجت کا دعوی کرے لیکن بایں ہمہ بلا خوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ غیبت کبری کے اس طویل دور جو صدیوں پر محیط ہے میں بے شمار خوش بخت افراد اپنے بخت رسا کے پیش نظر حضرت حجت کی خدمت عالیہ میں شرف یاب بھی ہوئے ہوں گے زیارت کے ساتھ ساتھ معجزات بھی ملاحظہ کئے ہوں گے اور آپ کے حسن کردار و گفتار کی لذت کو بالمشافہ دیکھا بھی ہو گا۔

• سرکار علامہ مجلسی بحار الانوار جلد ۵۲ ص۱۵۱ پر لکھتے ہیں — جہاں تک میں سمجھتا ہوں حضرت ولی العصر کے جس ارشاد گرامی میں دعوائے رویت کرنے والے کی تکذیب کا حکم ہے اس کا تعلق صرف ایسے افراد سے ہے جو نیابت خاصہ کا دعوی کر کے سادہ لوح شیعوں کے مخلصانہ جذبات سے کھیلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

• سرکار علامہ نوری۔ جنت الماوی۔ کے آخر میں رقمطراز ہیں کہ —— سرکار حجت کے ادعائے رویت کی تکذیب کا مقصد صرف اور صرف نیابت خصوصہ کا دعوی وغیرہ ہے۔ امکان رویت کی نہ نفی ہے نہ تردید۔

علمائے اعلام کے ان واضح اور غیر مبہم ارشادات عالیہ کے پیش نظر ہر دانشمند اور مدبر شخص کے لئے یہ کہنا انتہائی آسان ہے کہ — زمانہ غیبت کبری میں حضرت حجت کی زیارت نہ تو امر محال ہے اور نہ ہی ناممکن — بلکہ اس کے برعکس یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہزاروں افراد آپ کی زیارت سے فیض یاب ہو چکے ہیں مگر انہیں حتمی قرائن اور قطعی دلائل کی روشنی میں علم اس وقت ہوا جب حضرت ولی العصر زیارت کرانے کے بعد دوبارہ پردۂ غیبت میں چلے گئے تب انہوں نے سمجھا کہ میں تو بھولا ہوا تھا جس سے ملاقات ہوئی وہی میرا امام زمانہ ہی تھا۔

چونکہ اولاً تو تمام ان خوش نصیبوں کے نام کی فہرست تیار کرنا ناممکن ہے جنہیں شرف زیارت ہوا ہے کیونکہ ادعائے رویت پر کڑی پابندیوں کے واقعی اسباب کا علم ہر ایک کو نہیں ہے اور ثانیاً جن نیک بختوں کے متعلق ہمیں علم ہو چکا ہے کہ انہیں شرف زیارت نصیب ہوا ہے ان تمام کے اسمائے گرامی پیش کرنا موضوع سے خارج کر دیگا۔ اس لئے حسب سابق ہم بطور نمونہ ذیل میں چند خوش نصیب افراد کے نام پیش کر رہے ہیں۔

۱۔ **سید ابن طاؤس**۔ متوفی ۶۶۴ھ۔ بحار الانوار جلد ۵۳ ص۳۱۸/ص۳۳۱ کے مطابق مورخ آل محمد سید ابن طاؤس کو شرف زیارت حضرت ولی العصر نصیب ہوا ہے۔

۲۔ **علامہ حلی**۔ متوفی ۷۲۶ھ۔ الزام الناصب ص۱۵۱ اور روضات الجنات جلد ۲ ص۲۸۳ کے مطابق علامہ حلی نے بھی شرف زیارت امام زمانہ حاصل کیا تھا۔

۳۔ **مقدس اردبیلی**۔ متوفی ۹۹۳ھ۔ منتخب الاثر ص۴۱۳ کے مطابق مقدس اردبیلی اعلی اللہ مقامہ الشریف بھی زیارت حضرت حجت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔

۴۔ **بحر العلوم**۔ متوفی ۱۲۱۲ھ۔ بحار الانوار جلد ۵۳ ص۲۳۶/ص۳۰۲ کے مطابق سرکار بحر العلوم بھی شرف زیارت سے مستفید ہو چکے ہیں۔

۵۔ **شیخ مرتضیٰ انصاری**۔ متوفی ۱۲۸۱ھ۔ زندگانی و شخصیت شیخ انصاری ص۱۰۵ کے مطابق آپ بھی امام زمانہ کی زیارت کے شرف سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔

زیارت کیوں ؟

طبعاً اور فطرتاً یہ سوال ہر ذہن میں پیدا ہوگا کہ جب زمانہ ہی غیبت کا ہے تو پھر زیارت کرنے والا ایک ہو یا سینکڑوں ۔ عالم ہو یا مخلص مومن کوئی بھی ہو آخر مقصد زیارت کیا تھا ؟ اور سبب زیارت کیا تھا ؟ کیا حضرت حجت کو اپنے اثبات وجود کے لئے زیارت کرانیکی ضرورت محسوس ہو جاتی ہے ؟ یا زیارت کرنے والا اتنا ضرور تمند ہوتا ہے کہ وہ زیارت کی اتنی شدت ۔ لجاجت اور خلوص سے پکار کرتا ہے کہ امام زمانہ اسے دیدار کراتے ہیں ؟ اگر یا کو نکال دیا جائے اور سوال دو بنا دیئے جائیں تو بھی اس میں حرج نہیں ہے لیکن اگرچہ سوال اول کا جواب بھی اثبات ہی میں ہے کہ بات وہ بھی درست ہے لیکن جہاں تک زیارت کنندگان کی طرف سے اسباب زیارت کا تفحص کیا گیا تو حسب ذیل اسباب زیارت سامنے آئے ہیں :

۱ ۔ تعلیم ۲ ۔ امداد و نصرت

بسلسلۂ تعلیم ہونے والے دیدار عموماً امور ذیل کے سلسلے میں ہوئے ہیں :

ا ۔ علمی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانا ۔ بحارالانوار ج ۵۲ صـ۱۷۴ کے مطابق مقدس اردبیلی کو جو شرف زیارت نصیب ہوا تھا وہ مقدس کو درپیش چند علمی مشکلات کی تعلیم کے لئے تھا ۔

ب ۔ معارف عالیہ کی تعلیم :۔ ماثورہ اور غیر ماثورہ و معاذ اہم اور معرفت پر مشتمل دعاؤں کی تعلیم ۔ چنانچہ میرے ایک محقق دوست آقائے دھرمی نے ناحیہ مقدسہ سے برآمد ہونے والی تیس دعائیں صحیفۃ الہدیٰ کے نام سے جمع کی ہیں ۔

ج - ایسے مسائل کی رغبت جن کی طرف توجہ نہیں دی جاتی - مثلاً نماز تہجد کی اہمیت ، نوافل پنجگانہ پر آمادگی ، زیارت عاشورہ ، اور زیارت جامعہ وغیرہ کی تاکید بلکہ انہیں بجالانے کی وصیت وغیرہ -

د - دوسروں کی راہنمائی :- متعدد مقامات ایسے بھی سامنے آئے ہیں جن میں نیک طینت اور صالح غیر شیعہ افراد کو زیارت کرا کے انہیں راہ ہدایت دکھا کر بابصیرت کیا ہے -

---

(۱) امداد اور فریادرسی کے لئے حضرت حجت نے جو زیارات کرائی ہیں وہ حسب ذیل عنوانات سے پیش کی جاسکتی ہیں :

ا - لاعلاج بیماروں کو شفا :- تاریخ میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جن میں حضرت حجت نے ایسے بیماروں کو شفا سے ہمکنار کیا جنہیں اپنے وقت کے ماہر اور حاذق ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا تھا - تفصیل کے لئے آقائے صدر کی المہدی ص۱۴۵ اور بحار الانوار ج ۵۲ ص۱۷۴ ملاحظہ فرماسکتے ہیں -

ب - مالی امداد :- ایسے فقرا اور مساکین جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا اُن کی مالی امداد آپ نے اس طرح کی کہ انہیں کسی کے پاس بھیجا اور حتمی علامت دے کر بھیجا - تفصیل کے لئے النجم الثاقب ص۳۰۶ ملاحظہ فرمائیں -

ج - راہ گم کردہ افراد کی راہنمائی :- صحراؤں اور جنگلوں میں ایسے گم گشتگان راہ جنہیں کسی طرف سے راہنمائی کی امید نہ رہی - قافلہ سے بچھڑ گئے - موت سامنے نظر آنے لگی اور انہوں نے خلوص دل سے یا اباصالح المہدی ادرکنی کی صدا دی تو حضرت حجت نے آکر انہیں نشان منزل بتادیا - اور راہ نجات دکھا کر موت کے منہ میں جانے سے بچالیا -

حضرت حجت کی شخصی زندگی :-

اگرچہ ہمارے کافی سے زیادہ دانشمند اور متفکر علمائے کرام نے ماضی بعید سے سرکار حجت کی زندگی سے متعلق کافی سے زیادہ عرقریزی فرما کر انتہائی گران قدر تصانیف کا ایک وافر ذخیرہ بطور ترکہ چھوڑا ہے جو ہمارے لئے اسلاف کی طرف سے ایک بیش بہا قیمتی سرمایہ ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی اپنی معلومات اور وسعتِ فکر و نظر کے مطابق جو مباحث تاریخ۔ حدیث۔ قرآن اور تفسیر سے کی ہیں وہ بھی اپنے مقام پر نہ ختم ہونے والا ایک علمی خزانہ ہے۔ مگر بایں ہمہ اس حقیقت کا اعتراف بہرصورت کرنا ہی پڑتا ہے کہ ابھی تک ہمارے سلف صالحین میں سے کسی نے بھی یہ کوشش نہیں فرمائی کہ سرکار حضرت حجت کی شخصی زندگی کیسی ہے اور کہاں گزر رہی ہے۔ اس بات کے پیش نظر اگر یہ کہا جائے کہ قومی سطح پر حضرت قائم کے وجود کا یہ پہلو تاحال تشنۂ تحقیق ہے تو بے جا نہ ہوگا اور نہ ہی اس سلسلہ میں علمائے سلف کو قصور وار ٹھہرایا جا سکتا ہے کیونکہ ان کے دور میں تحقیق و جستجو کے نہ تو وسائل اس قدر وسیع تھے جتنے آجکل ہیں اور نہ ہی انہیں اس پہلو پر فکر و تدبر کی چنداں ضرورت تھی۔ ان کے دور میں امام منتظر کا وجود اگر متنازعہ فیہ رہا ہے تو صرف اس حد تک کہ آیا ان کی ولادت ہو چکی ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ دیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ اس لئے اگر یہ پہلو اہم نظر نہیں آیا تو وہ حق بجانب ہیں۔ جب کہ آج کا دور وسائل سے پُر ہے۔ فضا کا زمانہ کہلاتا ہے۔ انسان نے زمین کے ساتوں طبق چھان مارے ہیں۔ سمندروں کی لہریں تو بجائے خود سمندروں کے

قطرات تک شمار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ فضائے بسیط میں اڑ اڑ کر مریخ پہ جا کمند ڈالی ہے۔ اس لئے اس دور میں حضرت حجت کے صرف وجود کا اثبات ہی کافی نہیں ہے بلکہ اثبات وجود و حیات کے ساتھ ساتھ پوچھنے والوں کو یہ بتانا بھی لازمی ہوگیا ہے کہ اگر وہ زندہ اور موجود ہیں تو کہاں ہیں۔

چنانچہ زیر نظر کتاب اسی جانب ایک لرزتا ہوا قدم ہے۔ اس کوشش کا نقطۂ آغاز ہے اور اس پہلو کی تحقیق میں ایک ناتواں سی ابتدائی اور انتہائی معمولی کاوش ہے۔ یہ کہنا قطعی غلط ہوگا کہ اس سلسلہ کی بس یہی کتاب ہی آخری کتاب ثابت ہوگی اور اس کتاب کو دیکھ کر یہ دعویٰ کر دینا کہ ہم نے سرکار حجت کے مقام قیام کا حقیقی سراغ لگا لیا ہے بالکل غلط ہوگا بلکہ اس کتاب کو دیکھ کر یہ امید کی جا سکے گی کہ ممکن ہے کسی وقت ہمارے دور جدید کے وسائل یافتہ محققین اپنے مشاہدات کے بحر عمیق میں غواصی کر کے آپ کے مسکن کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو جائیں اور عین ممکن ہے کہ ہمیں مستقبل قریب میں اپنے اس نقطۂ آغاز کا کوئی حرف آخر مل جائے اور ہمیں کسی ایسے محقق کی کتاب مل جائے جو ہمیں اپنے امام زمانہ کے مقام سکونت کی حتمی راہنمائی کر سکے۔

چونکہ زیر نظر کتاب کا مولف بھی ہر دور کے دانشمند کی طرح وسائل کی قلت اور مسائل کی کثرت کے تیر ستم کا نشانہ ہے۔ اور ایک طویل عرصہ سے اس مہم جوئی میں مصروف ہے۔ اپنے دور کے دو اہم اور معروف مراجع کرام اور اساتذہ فن سے مشورہ لینے کے بعد اس وادی پرخار میں قدم زن ہوا ہے اسی لئے اپنی حد تک اگرچہ تعیین مقام میں قدرے کامیاب بھی ہوا ہے مگر یاں ہم ہر صاحب نظر اور تشنۂ تحقیق مفکر سے اپیل ہے کہ اگر کسی کے پاس اس سلسلہ میں تھوڑا یا بہت نظریاتی مواد موجود ہو تو براہ کرم مجھے ارسال فرمائیں تاکہ اگر دوسری تیسری یا چوتھی بار طباعت کا موقعہ ملے تو اسے بھی مرتب کر کے اس میں شامل کر دیا جائے۔

حضرت حجت کا مسکن :-

سرکار حجت سے ملاقات کرنے والوں کی فہرست میں کچھ ایسے دانشمند اور متدین علمائے اعلام بھی شامل ہیں جن کے معاشرہ میں کردار و گفتار کا مشاہدہ کرنے کے بعد کوئی بھی انسان ان کے دعوائے ملاقات کو نہ صرف صمیم قلب سے تسلیم کرنے پر آمادہ ہوگا بلکہ اس دعویٰ کا رد کرنا ناممکن سمجھے گا۔ ان کے خیال کے مطابق

امام زمانہ کی رہائش بحر اوقیانوس کے ایسے تین جزائر میں ہے جو تا حال دشمنان دین اور اعدائے اسلام کی قلمرو سے باہر ہیں اور آج تک وہاں کسی بھی ملک کا جھنڈا نہیں لہرایا جا سکا۔

- ایک جزیرہ میں سرکار کی اولاد قیام پذیر ہے۔
- ایک جزیرہ میں سرکار خود رہائش پذیر ہیں۔
- اور ایک جزیرہ میں مذکورہ بالا دو جزائر میں بسنے والوں کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر زراعت ہوتی ہے۔

جن خوش نصیب افراد نے ان ہی جزائر میں سے ایک جزیرہ میں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے ان کے مطابق سرکار ولی العصر کے جزیرہ میں جس طرح کوئی غیر نہیں جا سکتا اسی طرح ان کی اولاد میں سے بھی کسی کو وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔ آپ کی اولاد ہی میں سے دس سے کم ایسے خوش بخت ہیں جنہیں اس مخصوص جزیرہ میں رہ کر امام زمانہ کی خدمت کا شرف افتخار حاصل ہے۔

حضرت حجت کی اولاد :-

ائمہ اہلبیت سے منقولہ روایات و احادیث سے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آپ اپنے گوشۂ عافیت میں تنہا قیام پذیر نہیں ہیں بلکہ آپ کے ساتھ چند ایک مخصوص افراد اور بھی ہیں جو آپ کے انیس خلوت ہیں۔

- غیبت نعمانی صـ۹۹ اور غیبت طوسی صـ۱۰۲ کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ کے ساتھ تیس افراد ہوں گے۔

- علامہ مجلسی بحار الانوار جلد ۵۲ صـ۱۵۵ پر مذکورہ بالا ارشاد امام پر تبصرہ کرتے ہیں کہ اس روایت سے جو حقیقت واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ امام زمانہ کے ساتھ آپ کے اقربا اور معتقدین میں سے تیس افراد ہر وقت موجود رہتے ہیں اور اس تعداد میں کمی ہوتی ہے نہ بیشی۔ ان تیس میں سے جب کسی ایک کی زندگی ... اپنی انتہا کو پہنچتی ہے تو اس کی جگہ کسی اور کو بلا لیا جاتا ہے اور تعداد تیس ہی رہتی ہے۔

- مرحوم علامہ مرزا نوری جنۃ الماوی میں اور علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۵۲ صـ۱۵۵ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر از روئے قضا و قدر، ان تیس افراد کی زندگی امام زمانہ کی طرح طویل نہیں ہے تو پھر یہ بھی امکان قوی ہے کہ ہر صدی کے بعد پہلے تیس افراد کے دار فانی سے رحلت کرنے کے بعد ان کی جگہ نئے تیس افراد کو رکھ لیا جاتا ہے اور تیس کی تعداد ہمیشہ برابر رہتی ہے۔

- بحار الانوار جلد ۵۲ صـ۱۵۵ اور غیبت نعمانی صـ۹۹ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ زمانہ غیبت کبریٰ میں ان تیس مخلص خدمتگار شیعوں کے علاوہ اور کوئی بھی آپ کے مقام رہائش سے واقف و آشنا نہ ہوگا۔

ان معتبر کتب کی قابل اعتماد روایات سے جو حقیقت مسلمہ اور ناقابل انکار ہے وہ یہ ہے کہ امام زمانہ اپنے دور غیبت میں تنہا نہیں ہیں۔ اور آپ کے ساتھ بیوی ان

خدمت یا بعنوان رفاقت اپنے مخلص اور جاں نثار شیعہ کی کچھ تعداد ضرور موجود ہے ۔

ازواج و اولاد امام زمانہ :-

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ غیبت کبریٰ کے اس طویل دور میں جس طرح ہم حتمی اور قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ سرکار حجت کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ بچے ۔ اسی طرح یقین کے ساتھ یہ کہنا بھی انتہائی مشکل ہے کہ آپ کی بیوی اور بچے بھی ہیں ۔ بالفاظ دیگر نہ تو یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ مجرد زندگی گزار رہے ہیں اور نہ ہی یہ بات وثوق سے کی جا سکتی ہے کہ آپ معیل زندگی بسر کر رہے ہیں ۔

البتہ ہمارے پاس تین قسم کے ایسے قرائن و شواہد موجود ہیں جن کی بنا پر اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ امام زمانہ مجرد نہیں بلکہ معیل زندگی گزار رہے ہیں تو ہم حق بجانب ہوں گے ۔ وہ شواہد و قرائن یہ ہیں :-

- فطرت انسانی کے فطری تقاضے ۔
- ائمہ معصومین سے منقول روایات ۔
- ائمہ کرام کی عطا کردہ دعائیں ۔

مناسب ہو گا اگر ہم ان مذکورہ بالا تینوں شواہد و قرائن کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لے لیں تاکہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ نہ رہے بلکہ دعویٰ کے ساتھ کچھ نہ کچھ دلیل بھی شامل ہو جائے ۔

فطری تقاضے :-

شریعت اسلامیہ محمدیہ کے عطا کردہ قوانین کلیہ کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ آپ بھی دیگر ائمہ اہلبیت کی طرح صاحب خانہ ہو کر سنت رسول کے حامل ہوں ۔

علامہ مرزا نوری اپنی گراں قدر تالیف النجم الثاقب میں فرماتے ہیں کہ ــــ
اگر یہ درست ہے کہ تناکح سنت سرور انبیا ہے اور یقیناً درست ہے۔ اور اگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ائمہ اہلبیت سرور انبیاء کے خلفائے حقہ ہونے کی حیثیت سے دوسری امت کی نسبت سنت ختمی مرتبت پر عمل کرنے کے زیادہ پابند ہیں اور یقیناً یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے تو ــ پھر ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سرکار حجت مجرد نہیں بلکہ معیل زندگی گزار رہے ہیں کیونکہ ایک ایسی ہستی جس کا فرض منصبی ہی احیائے سنت ہے وہ خود تارک سنت نہیں ہو سکتا۔

● سرکار علامہ نہاوندی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف۔ العبقری الحسان۔ میں فرماتے ہیں کہ ــــ سرکار حجت کی اتنی طویل زندگی تسلیم کر لینے کے بعد یہ بات کیسے مانی جا سکتی ہے کہ آپ اپنے جد بزرگوار کی شریعت مقدسہ پر کما حقہ عمل نہ کرتے ہوں گے جبکہ ہمیں یقین سے علم ہے کہ نبی اکرم نے راہبانہ زندگی گزارنے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے اور نکاح و تزویج کو اپنی ایسی سنت مؤکدہ فرمایا ہے کہ۔ نکاح سے رُخ موڑنے والے کو اپنی امت سے خارج بتایا ہے۔ ان مسلمات کے پیش نظر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ امام زمانہ حضرت ختمی مرتبت کی اتنی سنت مؤکدہ پر عمل سے گریزاں ہیں ـــ بنا بریں ان تصوراتی اور خیالی باتوں میں کوئی حقیقت نہیں رہتی کہ ــــ غائب تو صرف حضرت حجت ہیں۔ اگر ان کی اولاد ہوتی تو وہ کیسے غائب رہ سکتی تھی۔ کیونکہ جب ہمیں یقین ہے کہ حضرت حجت اسی کرۂ ارض پر رہتے ہوئے ایک ایسے خطہ مبارکہ میں زندگی گزار رہے ہیں جو نگاہِ خلائق سے مخفی و پوشیدہ ہے کیونکہ جو قادر مطلق امام زمانہ اور ان کے مقام رہائش کو لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھ سکتا ہے تو آپ کی اولاد کو بھی مخفی رکھنے میں اسے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

۲۔ روایات :۔ جہاں تک ایسی روایات کا تعلق ہے جن میں حضرت حجت کی اولاد

کا تذکرہ ہے تو ان کی اولاد کی تعداد بہت زیادہ ہے اور انہیں بنیاد بنا کر اس بات کا تعین کیا جا سکتا ہے کہ سرکار امام زمانہ صاحبِ اولاد ہیں۔

البتہ جو مسئلہ قابلِ غور ہے وہ ہے حضرت صاحب العصر کی ازواج کا ــــ اس سلسلہ میں ہمارے پاس صرف اور صرف ایک روایت ہے جو النجم الثاقب صفحہ ۲۵۵ پر ہے اور صرف اس قدر ہے:

"حضرت ولی العصر کی زوجہ مبارکہ عبدالعزیٰ ابن عبدالمطلب کی اولاد سے ہے"۔

● ۱ - سید ابن طاؤس نے۔ جمال الاسبوع - صفحہ ۵۱۲ پر تحریر فرمایا ہے کہ مجھے ایک مستند اور موثق روایت ملی ہے جس کے مطابق حضرت ولی العصر کی اولاد ساحل دریا۔ کے شہروں میں آباد ہے۔ وہاں صرف انہی کی حکومت ہے۔ نیکی، پاکبازی اور گفتار و کردار میں بے مثال ہیں۔

● ۲ - بحار الانوار جلد ۵۳، صفحہ ۲۱۳، صفحہ ۲۲ میں ابناری کی روایت ہے جس پر بعد میں مفصل گفتگو ہوگی۔

● ۳ - ایک روایت علی ابن فاضل کی ہے جس کا متن انشاء اللہ تیسرے حصے میں پیش کریں گے اور اس کے مدارک پر چوتھے حصے میں تفصیلی بحث کریں گے۔

● ۴ - غیبت شیخ طوسی صفحہ ۱۰۲ میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ــ آخری اولی الامر کی دو غیبتیں ہوں گی۔ دوسری غیبت اس قدر طویل ہوگی کہ کچھ لوگ تو یہ کہیں گے کہ ــ امام مہدی فوت ہو چکے ہیں۔ کچھ کہیں گے ــ شہید کر دیئے گئے ہیں ــ اور کچھ کہیں گے کہ جس طرح عالم غیبت میں آئے تھے اسی طرح عالم غیبت میں چلے گئے ہیں۔ معدودے چند شیعہ عقیدہ امامت پر ثابت قدم بچ جائیں گے۔ کسی شخص کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ حضرت ولی العصر ــــ کہاں رہتے ہیں۔ صرف چند خدمتگار جو ان کے ساتھ ہوں گے انہی کو معلوم ہوگا کہ وہ کہاں ہیں۔

● ۵ - النجم الثاقب ص۲۲۵ پر محمد ابن مشہدی نے حضرت صادق آل محمد سے روایت کی ہے کہ میں ــ آخری حجت خدا کو اپنے اہل وعیال سمیت کوفہ کی مسجد سہلہ میں دیکھ رہا ہوں -

● ۶ - الایقاظ من الہجعۃ ص۳۹۳ اور غیبت شیخ طوسی ص۹۷ میں ایک روایت ہے کہ نبی اکرم نے اپنی زندگی کی آخری شب میں حضرت علی کو کاغذ اور قلم لانے کا حکم دیا۔ حضرت علی نے تعمیل حکم کی ۔ آنحضور نے حضرت علی کو وصیتیں لکھوانا شروع کیں ۔ اپنے تمام اوصیاء کے نام یہ پیغام دیا کہ میری یہ وصیت دست بدست حضرت مہدی تک پہنچائی جائے اور حضرت مہدی دم آخر یہ وصیت اپنے فرزند کے حوالے کردیں -

● ۷ - شیخ حر عاملی نے ایقاظ الہجعۃ ص۳۹۲ تا ص۴۰۵ میں بالخصوص ایک علیحدہ باب میں امام زمانہ کی اولاد کا تذکرہ کیا ہے -

● ۸ - علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۵۳ ص۱۴۵ تا ص۱۴۹ میں حضرت ولی العصر کی اولاد اور ان میں یکے بعد دیگرے ہونے والے خلفاء کے تعارف کے لئے ایک علیحدہ باب مختص فرمایا ہے -

مذکورہ بالا آٹھ روایات کے مقابلہ میں غیبت طوسی ص۱۳۴ پر ایک ایسی روایت ملتی ہے کہ اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو مذکورہ آٹھ روایات از خود کالعدم اور غیر مؤثر ہوجاتی ہیں ۔ وہ روایت یہ ہے ــ ماسوا امام منتظر کے ہر امام صاحب اولاد ہوگا۔

النجم الثاقب کے فاضل مصنف سرکار علامہ مرزا نوری نے اس روایت کی یوں تاویل کی ہے ــ میرے خیال میں حضرت حجت کی اولاد نہ ہونے کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ آپ بالکل ہی بے اولاد ہوں گے ۔ بلکہ آپ کی اولاد نہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ ــ چونکہ آپ خاتم الاوصیاء ہیں اس لئے آپ کا کوئی ایسا فرزند نہیں ہوگا جو راہنمائے امت معصوم امام ہو ــ

خود سرکار طوسی نے مذکورہ روایت پیش کرنے کے بعد جو تبصرہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ــ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ولی العصر کا کوئی فرزند جانشین سرور انبیاء ہوگا تو وہ غلط گو ہے۔ کیونکہ نصوص صریحہ کے مطابق ائمہ کی تعداد بارہ ہے۔ اگر امام زمانہ کے کسی فرزند کو آپ کا وصی اور مسند امامت کا مستحق تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ائمہ کی تعداد بارہ نہیں تیرہ ہے ــــ

سرکار طوسی کے اس تبصرہ اور ان روایات کے پیش نظر جن میں حضرت حجت کی اولاد کا تذکرہ ہے یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ امام زمانہ صاحب اولاد کثیرہ ہیں ــ اور اولاد امام زمانہ عالم اور صالح ہونے کے باوجود مسند امامت کے دارا نہیں ہیں کیونکہ تعداد ائمہ بارہ ہے۔

ادعیہ :ــ فطری تقاضوں، روایات ائمہ اور اقوال علمائے حقہ کے بعد جب ہم ان دعاؤں کو دیکھتے ہیں جو ائمہ و علماء سے منقول ہیں تو بھی ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہتا کہ ہم بلا نزاع اس بات کو تسلیم کریں کہ امام زمانہ صاحب اولاد ہیں۔ مثال کے طور پر چند ایک دعاؤں کے فقرات ملاحظہ فرمائیے :ــ

۱ ـ غیبت طوسی ص۱۷۱، مصباح کفعمی ص۵۴۸، جمال الاسبوع ص۵۰۴، اور بحار الانوار جلد ۵۲ ص۲۲ کے مطابق نماز کی آخری دعا جو ناحیہ مقدسہ سے موصول ہوئی ہے اس کے آخری جملے یوں ہیں ــــ اے اللہ! اپنے ولی اور اولاد ولی میں سے جو نائبین ہیں ان پہ نزول رحمت اور سلام فرما۔ ان کی زندگی دراز فرما۔ انہیں دین دنیا اور آخرت میں ان کی آخری خواہش سے ہمکنار فرما۔ تو ہی قادر مطلق ہے۔

۲ـ بحار الانوار جلد ۱۰۲ ص۱۱۳ اور مصباح الزائر ص۲۳۷ کے مطابق ہر زائر کو حکم ہے کہ جب سامرہ میں مقام غیبت کو الوداع کہو تو یہ دعا پڑھو۔ اس دعا کے

آخری الفاظ ملاحظہ ہوں :۔

اے اللہ! اپنے ولی۔ اپنے ولی کے نائبین اور اپنے ولی کی راہنما اولاد پہ درود و سلام بھیج۔

۳۔ بحار الانوار جلد ۱۰۲ ص۲۲۸ کے مطابق سرکار حجت کی زیارت مخصوصہ ہے اس کے بعض جملے اس طرح ہیں ۔۔۔ حضرت حجت کے نائبین زمانہ اور آپ کی صالح اولاد پہ میرا سلام ہو۔

۴۔ بحار الانوار جلد ۹۵ ص۳۳۲۔ مصباح کفعمی ص۵۵۰، جمال الاسبوع ص۵۱۰، ص۵۱۶۔ امام رضا علیہ السلام نے زمانۂ غیبت میں جو دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے اس کے چند جملے ملاحظہ فرمائیے :۔

اے اللہ! حضرت حجت کو اس کی اپنی ذات۔ اس کے اہل۔ اس کی اولاد۔ اس کی ذریت۔ اس کی امت اور تمام رعیت کو وہ سب کچھ عنایت فرما جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مطمئن ہو۔ ہر قسم کی حکومت خواہ قریب ہو یا بعید اور بلند ہو یا پست اس طرح حضرت حجت کے تابع فرمان بنا کہ اس کا حکم ہر حکم پہ غالب رہے اور اس کا حق ہر باطل پہ کو مغلوب کردے۔

۵۔ مصباح الزائر ص۲۳۶ اور کلمۃ التقویٰ ص۳۸۲ کے مطابق مقام غیبت سے الوداعی زیارت کے بھی الفاظ بالکل ۲ جیسے ہیں۔ صرف اولاد کا لفظ نہیں ہے اور وہ چنداں حارج نہیں کیونکہ استدلال کے لئے اہل اور ذریت کے الفاظ ہی کافی ہیں۔

۶۔ جمال الاسبوع ص۳۸ اور نجم الثاقب ص۲۲۴ میں دیگر ائمہ اہلبیت کی طرح حضرت حجت کی جو زیارت مخصوصہ برائے یوم جمعہ ہے اس کے بعض فقرات ملاحظہ فرمائیے ۔

میں اللہ سے التجا کرتا ہوں کہ محمد و آل محمد پہ رحمتیں نازل فرمائے۔

میں اللہ سے التجا کرتا ہوں کہ محمد و آل محمد پر رحمتیں نازل فرمائے ——
اے میرے آقا! میرے امام زمانہ! میری اللہ سے اپیل ہے کہ مجھے آپ کے انتظار کنندگان۔ آپ کے تابع احکام۔ آپ کے مددگاروں۔ آپ کے چاہنے والوں اور آپ کے قدموں میں شہید ہونے والوں کی فہرست میں جگہ دے۔ آج یوم جمعہ ہے آپ پر آپ کی صالح اہل بیت پر اللہ کی رحمت ہو۔

۷۔ عصر روز جمعہ کے اعمال مستحبہ میں سید ابن طاؤس نے ایک دعا نقل کی ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ یہ دعا ناحیۂ مقدسہ سے موصول ہوئی ہے۔ اور روز جمعہ اگر اور کوئی عمل نہیں کر سکتے تو کم از کم اس دعا کو کبھی ترک نہ کرو۔ اس دعا کے بعض فقرات ملاحظہ ہوں۔

کمال الدین ص۵۱۲ اور جمال الاسبوع ص۵۲۳ ۔ حتیٰ کہ ہم تیرے ولی کی زیارت کا شرف حاصل کریں۔ تیری رحمت ہو اس ولی پر اور اس کی آل پر۔

چونکہ صلوات تک علیہ و آلہ کا جملہ بھی جزو توقیع ہے اور ناحیۂ مقدسہ سے موصول ہوا ہے اس لئے اس جملہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب آل بھی ہیں۔

۸۔ بحار الانوار جلد ۸۹ ص۳۴۴ اور النجم الثاقب ص۲۲۶ میں صبح جمعہ کے وظائف میں سے ایک مفصل صلوات منقول ہے۔ جس کا ایک جملہ اس طرح ہے:۔
اے اللہ! حضرت حجت اور آپ کی ذریت کو وارثانِ روئے زمین سے قرار دے۔

۹۔ غیبت شیخ طوسی ص۱۷۱، مصباح کفعمی ص۵۴۷ کے مطابق ناحیۂ مقدسہ سے بذریعہ توقیع ایک صلوات پڑھنے کا حکم موصول ہوا ہے جس کا ایک جملہ ملاحظہ فرمائیے:۔

اے اللہ! حضرت حجت کو اپنی ذات، اپنی ذریت، اپنے شیعہ اور اپنی رعیت
کے ہر خاص و عام کے لئے ہر وہ چیز عنایت فرما جس سے امام زمانہ کی آنکھیں ٹھنڈی
ہوں اور دل مطمئن رہے۔

۱۰۔ نجم الثاقب صفحہ ۲۲۶ اور صفحہ ۳۳۴ پر سید ابن طاؤس نے ۲۳ ماہ بعد رمضان المبارک
کے اعمال میں ایک دعا نقل کی ہے جس کے فقرات سابقاً نمبر ۹ جیسی صلوات کے ہیں۔
ہم تکرار نہیں کرتے

۱۱۔ مصباح الزائر صفحہ ۲۲۸ اور کلمۃ الامام المہدی صفحہ ۳۷۹ کے مطابق حضرت ولی العصر
کے مقام غیبت کے لئے ایک زیارت روایت کی گئی ہے جس کے الفاظ ناحیہ مقدسہ سے
برآمد ہونے والی صلوات نمبر ۹ کی مانند ہیں۔

۱۲۔ مصباح کفعمی صفحہ ۵۵ کے مطابق امام رضا علیہ السلام نے زمانۂ غیبت میں شیعیان
آل محمد کو ایک دعا تعلیم فرمائی ہے اور پڑھنے کا حکم دیا ہے جس کے بعض فقرات یوں ہیں۔
اے اللہ! حضرت حجت اور آپ کے بعد[1] رہنماؤں پر رحمتیں نازل فرما کیونکہ وہ
تیرے کلمات کی کانیں ہیں ـــ مرحوم کفعمی نے حاشیہ مصباح پر لکھا ہے کہ۔ آپ کے
بعد ائمہ سے مراد آپ کی اولاد ہے۔ اور حضرت حجت سے منقول دعا سے اس کی تائید
بھی ہو جاتی ہے۔

---

[1] اگرچہ مترجم علام نے اپنے آخری شاہد میں لفظ بعدہٗ کو بنیاد بنا کر امام زمانہ کی اولاد ثابت کی
ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اولاد حضرت ولی العصر کا اثبات ہمارے مسلمہ معتقدات میں
کسی خاص اضافہ کا موجب نہیں بنے گا جبکہ آپ کے بعد ائمہ کا عقیدہ رکھنا نہ صرف امامیہ
مسلمہ معتقدات کے خلاف ہوگا بلکہ اسلامی مسلمات کے بھی خلاف ہوگا اور اس سلسلہ میں لفظ
بعدہٗ کی کوئی بھی تاویل و توجیہ کسی بھی شخص کو مطمئن نہ کر سکے گی خواہ وہ کسی بھی مسلک سے
تعلق رکھتا ہو اور نہ ہی ایسی لنگڑی تاویلیں ٹھوس مسلمات کا مقابلہ کر سکتی ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

ہمارے گذشتہ پیش کردہ فطری تقاضوں ۔ روایات اور ادعیہ سے یہ حقیقت مسلمہ بن جاتی ہے کہ حضرت ولی العصر صاحب اولاد ہیں ۔ آپ کی اولاد کا ظہور بھی آپ کے ساتھ ہی ہوگا ۔ اور آپ کی اولاد ہی آپ کی شہادت کے بعد آپ کی وارث ہوگی ۔ یہ بات مسلمہ ہونے کے بعد کہ آپ کی غیبت کبریٰ کو گیارہ صدیاں بیت چکی ہیں ۔ اور یہ بات ثابت ہونے کے بعد کہ آپ صاحب اولاد ہیں ۔ اب یہ بات محتاج ثبوت نہیں رہتی کہ آپ کی اولاد بکثرت ہے اور آپ کی اولاد کا شمار اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے ان گذشتہ مسلمات کے بعد ایک سوال از خود پیدا ہوتا ہے کہ ۔ جب حضرت

(گذشتہ صفحہ سے پیوستہ) جہاں تک میں سمجھتا ہوں حضرت ولی العصر کی اولاد کے اثبات میں دیگر دلائل ہی کافی ہیں اور اس بارہویں دلیل کو اگر پیش نہ کیا جائے تو زیادہ سود مند ہوگا ۔ اب سوال یہ ہوگا کہ ۔ پھر لفظ ۔ بعدہ ۔ سے کیا مراد ہوگی اور ائمہ سے مراد کون ہوں گے ۔ تو اس سوال کا انتہائی سادہ اور آسان جواب یہ ہے کہ ۔ ائمہ سے مراد امام زمانہ کے آبائے طاہرین ہیں اور بعدہ کا لفظ دعا میں ظروف زمانیہ سے ہونے کے باوجود ظروف زمانیہ کے معنی میں نہیں ہے بلکہ بعد کا لفظ اگرچہ غالباً قبل کے مقابل ہی استعمال ہوتا ہے لیکن گاہے گاہے اپنے زمانی معنی سے ہٹ کر معنی غیر استعمال ہوتا ہے ۔ قرآن کریم میں ارشاد قدرت ہے بای حدیث بعدہ یومنون ۔ اگر آیت میں بعد کا معنیٰ قبل کی ضد کیا جائے تو مفہوم آیت ہی بدل جائے گا اور اگر آیت کا معنیٰ یوں کیا جائے کہ ۔ اس کے علاوہ وہ کون سی بات ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے ۔ تو آیت کا مفہوم اپنے مقام پر رہے گا ۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت علی کا ارشاد ہے انا الصدیق الاکبر لا یقولہا بعدی الا کذاب میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد جو بھی کہے گا وہ کذاب ہوگا ۔ اگر بعد بمقابلہ قبل ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مجھ سے قبل جس نے بھی اپنے کو صدیق کہلوایا وہ کذاب نہیں ہوگا اور اگر بعد کا معنیٰ غیر کیا جائے تو معنی یوں ہوگا میں صدیق اکبر ہوں میرے علاوہ جو بھی کہے گا وہ کذاب ہوگا ۔ امید ہے قارئین مجھ سے اتفاق فرمائیں گے ۔ (اردو مترجم تیرجاروی)

ولی العصر موجود ہیں اور آپ کی اولاد بھی موجود ہے تو پھر

- وہ رہتے کہاں ہیں ؟
- ان کا مقام سکونت جغرافیہ میں کہاں ہے ؟
- کیا وہ بھی اپنے والد گرامی کی طرح ہماری نظروں سے مخفی ہیں ؟
- یا غیر معروف طور پر ہمارے ہی درمیان زندگی گزار رہے ہیں ؟

گذشتہ صفحات میں از روئے روایاتِ معتبرہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ولی العصر اپنی قیام گاہ میں تنہا نہیں ہیں بلکہ آپ کے ساتھ ایسے صالح اور ابرار خدمتگار موجود ہیں جن کی بدولت آپ کی زندگی انفرادیت اور تنہائی کی زندگی نہیں ہے جیسا کہ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے الفصول العشرہ ص۱۳ پر لکھا ہے کہ ۔ ائمہ اہلبیت سے وارد فرامین اور مسلمہ روایات کے مطابق حضرت حجت کی دو غیبتیں ہیں اور پہلی غیبت کی نسبت دوسری غیبت بہت زیادہ طویل ہوگی ۔ پہلی غیبت میں تو خواص شیعہ آپ کی قیام گاہ سے واقف ہوں گے مگر دوسری غیبت میں چند با اعتماد دوستوں اور مخلص خدمتگاروں کے سوا کسی کو بھی آپ کی جائے رہائش کا علم نہ ہوگا ۔

سابقہ پیش کردہ روایات میں ایک روایت غیبت شیخ طوسی ص۱۰۳ سے حضرت صادق آل محمد کا ایک ارشاد گرامی بھی ہم نے پیش کیا ہے کہ ۔ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں آپ کے چند خدمتگاروں کے سوا آپ کی اولاد سمیت کوئی بھی آپ کی قیام گاہ سے واقف نہ ہوگا ۔

ان مسلمہ اور متواتر روایات کے پیش نظر یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حجت صاحب اولاد تو ہیں مگر آپ کی اولاد میں سے ہر ایک کو آپ کی قیام گاہ کا علم نہیں ہے بلکہ آپ کی اولاد میں معدودے چند ایسے خوش نصیب ہیں جو آپ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے آپ کی قیام گاہ سے آشنا ہیں ۔

مسکنِ امام زمانہ :-

یہ ایک حقیقت ہے کہ غیبت کبریٰ کے لمحہ اول سے لے کر آج تک قائلین ولادت امام زمانہ اور وجود امام زمانہ ثابت کرنے والوں کے سامنے ہمیشہ سے یہ سوال بڑا اہم اور پیچیدہ رہا ہے کہ اگر امام زمانہ کی ولادت ہو چکی ہے اور وہ تا حال اس دنیا میں زندہ موجود ہیں تو جغرافیہ میں وہ کونسا علاقہ یا خطہ ہے جہاں حضرت ولی العصر رہائش پذیر ہیں؟

ائمہ اہلبیت اور علمائے کرام سے منقولہ روایات واقوال کے مطابق جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ — ایام حج میں تو آپ کا قیام یقیناً مکہ ہی میں ہوتا ہے — لیکن مسئلہ اور سوال صرف ایام حج سے متعلق نہیں ہے بلکہ پورے سال کے ایام سے تعلق رکھتا ہے۔

جہاں تک روایات معصومین کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں وہ کافی مضطرب نظر آتی ہیں۔ غیبت طوسی میں ایسے خوش نصیب افراد کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے جنہوں نے ایام حج میں امام زمانہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ ایام حج کے علاوہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ صرف اشارات وکنایات کی زبان میں ہے۔ بطور مثال چند ایک فرامین ہم پیش کر رہے ہیں تاکہ آپ بھی اندازہ کر لیں کہ قدرت نے امام زمانہ کو کس طرح مخفی رکھا ہے۔

۱۔ نگاہ انسان سے دور اراضی

احتجاج طبرسی ص۴۹۷ کے مطابق سنہ۴۱۰ھ میں ایک توقیع مبارک جو حضرت ولی العصر کے اپنے دست مبارک سے لکھی گئی ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ کے فضائل میں برآمد ہوئی ہے جو اس طرح ہے — اگرچہ ہمارا قیام ایک ایسے دور افتادہ قطعہ زمین

پر ہے جو دشمنوں کی نگاہ سے پنہاں ہے کیونکہ مصلحت خداوندی کا تقاضا یہی ہے کہ جب تک حکومت ہمارے اور ہمارے شیعوں کے ہاتھ نہیں آجاتی اس وقت تک ہم ایسے ہی دور افتادہ مقامات میں زندگی بسر کریں۔ مگر اس مکانی دوری کے باوجود ہم تمہارے تمام حالات سے باخبر رہتے ہیں اور تمہاری کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہیں ہوتی۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ لوگ کن مصائب کا شکار ہیں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ لوگوں میں صالح اور نیک پیشروؤں نے جن معاملات کو بعض مصالح کی بنیا پر چھوا تک نہ تھا۔ اب تم لوگوں میں سے بعض افراد انہی معاملات کو یہ خیال کرکے چھیڑ رہے ہیں کہ گذشتگان ان فوائد سے بے خبر تھے ــــ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھو کہ ہم نے تمہیں نہ تو چھوڑا ہے اور نہ ہی تمہاری یاد ہمارے دلوں سے مٹی ہے بلکہ اس کے برعکس اگر ہمارا دست تعاون قدم قدم پر تمہارے ساتھ شامل حال نہ ہوتا تو آج تک ہمارے مخالفین تمہیں اس طرح ہڑپ کر چکے ہوتے کہ تاریخ میں تمہارا نام و نشان تک بھی نہ ہوتا۔

۲۔ مدینہ طیبہ :۔

بعض روایات کے مطابق حضرت منتظر کی مستقل قیام گاہ مدینہ طیبہ میں بتائی گئی ہے۔ چنانچہ غیبت طوسی ص۱۳۹ میں ہے کہ جب کبھی لوگ امام عسکری سے یہ سوال کرتے تھے کہ جب آپ اس دار فانی سے رحلت فرما جائیں گے تو ہم اپنے امام زمانہ سے مسائل پوچھنے کے لئے کہاں جائیں ؟ جواب میں آپ فرمایا کرتے تھے مدینۂ طیبہ۔

بحار الانوار جلد ۵۲ ص۱۵۷ پر بھی ایک روایت حضرت صادق آل محمد سے مروی ہے کہ :

امام منتظر کی مستقل قیام گاہ مدینہ منورہ میں ہوگی۔

۳۔ دشتِ حجاز :۔

بعض قابلِ اعتماد حکایات کے مطابق آپ کا مستقل قیام دشتِ حجاز میں ہے جیسا کہ کمال الدین ص ۲۴۷ امام منتظر کے مخصوص ایلچی نے علی ابن مہزیار کو بلایا۔ اپنے ساتھ لے گیا اور طائف سے گزر کر دشت حجاز کے عوالی نامی ایک مقام پر لے گیا جہاں علی ابن مہزیار امام زمانہ کی زیارت سے فیض یاب ہوا ــــ اسی ملاقات میں امام عا نے علی ابن مہزیار کو بتایا کہ ــــ میرے امام والد نے دم آخر مجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ مخفی ترین اور دور ترین مقام میں سکونت اختیار کروں گا تاکہ اعداء کی آنکھ اور ہاتھ سے محفوظ رہوں ــــ اور وہی عہد ہے جس نے مجھے اس دور افتادہ لق و دق صحرا میں لا بٹھایا۔

۴۔ کوہ رضویٰ :۔

بحار الانوار جلد ۵۲ ص ۱۵۳ میں علامہ مجلسی نے جناب صادق آل محمد سے منقول ایک روایت درج کی ہے جس کے مطابق امام منتظر کا مستقل مسکن کوہ رضویٰ میں ہے۔ آپ فرماتے ہیں کائناتِ عالم کا ہر میوہ اور ہر سایہ دار درخت کوہ رضویٰ میں ہے۔ ــــ کیسی پر بہار جگہ ہے جو ایک ستم رسیدہ خائف کی پناہ گاہ ہے۔ اس منتظر اولی الامر کی غیبت صغریٰ اور غیبت کبریٰ ہر دو کا مسکن یہی کوہ رضویٰ ہی رہے گا۔

۵۔ کرعہ :۔

العبقری الحسان ج ۲ ص ۱۳۲ میں ہے کہ علامہ مجلسی نے تذکرۃ الائمہ میں غیبت سے متعلق جو روایات کتب اہل السنت سے نقل کی ہیں ان احادیث میں سرکار حجت کی مستقل قیام گاہ کا نام کرعہ نامی ایک بستی بتائی گئی ہے۔

۶۔ جابلقا اور جابلسا :۔

النجم الثاقب میں مرحوم مرزا نوری فرماتے ہیں کہ کتب تاریخ و حدیث میں

معنوی اعتبار سے حد تواتر تک پہنچنے والی اس کثرت سے روایات موجود ہیں جن میں صراحتاً یہ بتایا گیا ہے کہ منتہائے مشرق اور مغرب پر دو شہر آباد ہیں ایک کا نام جابلقا اور دوسرے کا نام جابلسا ہے انہی دو شہروں میں امام زمانہ سرکار کے حامی و ناصر قیام پذیر ہیں اور انہی میں امام منتظر کا ظہور ہو گا۔

یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ جابلقا اور جابلسا کے نام بتانے والی روایات اگرچہ اپنی کثرت کے اعتبار سے حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں لیکن علمائے محققین کی تحقیق نے آج تک یہ تعیین نہیں کی کہ جغرافیائی اعتبار سے ان دو شہروں کا محل وقوع کیا ہے۔ محقق سہروردی نے حکمۃ الاشراق میں ان دونوں شہروں کو اقلیم ہشتم میں بتایا ہے جبکہ محقق شہرزوری نے شرح حکمۃ الاشراق میں جابلسا کو تمام اسمائے الٰہیہ کے حقائق کا مظہر اور جلوہ بتایا ہے۔ ہماری تمام قدیم تصانیف میں صرف ان دونوں شہروں کے نام لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے اور جابلسا کو روئے ارض کے مغرب کا آخری نقطہ اور جابلقا کو روئے ارض کے مشرق کا نقطۂ آغاز بتایا گیا ہے۔

سفینۃ البحار میں ان دونوں شہروں کا نام امام حسن مجتبیٰ کے اس خطبہ میں بھی ملتا ہے جو آپ نے معاویہ کے سامنے معاویہ ہی کو خطاب کر کے فرمایا تھا جس میں چند جملے یہ ہیں :۔

— اگر جابلقا اور جابلسا کے درمیان چکر لگا کر تلاش کر کے دیکھو تو تمہیں اس خطۂ ارض پر میرے اور میرے بھائی حسین کے علاوہ ایک شخص نہ ملے گا جس کا نانا رسول اکرم ہو۔

۷۔ امام مہدی کا شہر :۔

العبقری الحسان ج ا ص۵۹ کے حوالہ سے پیش کیا جا رہا ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی جلد السماء والعالم میں ایک اہلسنت عالم کی کتاب۔ قسمت اقالیم

ارض و بلادان ــ سے نقل کیا ہے کہ ــ امام مہدی کا شہر انتہائی مضبوط اور خوبصورت شہر ہے جسے مہدی فاطمی نے آباد کیا ہے اور اس میں ایک قلعہ بھی بنایا ہے۔

۸۔ بیت الحمد :۔

غیبت نعمانی صفحہ ۱۲۹ میں حضرت صادق آل محمد سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے ــ منتظر اولی الامر کا مکان ہے جسے بیت الحمد کہا جائے گا۔ اس بیت الحمد میں ایک چراغ ہے جو آپ کے یوم ولادت سے جلایا جائے گا اور جب تک امام منتظر تلوار بدست ہو کر ظہور نہیں کرے گا اس وقت تک وہ چراغ بیت الحمد میں جلتا رہے گا۔

۹۔ جزائر مبارکہ :۔

انباری کی مشہور و معروف مفصل حکایت ہے جو اس نے عون الدین وزیر کے سامنے ان الفاظ میں سُنائی ہے ــ میں ۵۲۲ھ میں اپنی جنم بھومی سے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ بربر کے علاقہ میں گیا۔ وہاں سے ہمارا بحری سفر شروع ہوا۔ اتفاقاً ہم ایسے جزائر میں پہنچ گئے کہ ہماری کشتی کے ملاح بھی ان جزائر میں پہلی بار آئے تھے۔ جب ہم وہاں لنگر انداز ہوئے اور وہاں کے باسیوں سے ان جزیروں کے نام پوچھے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہ پانچ جزیرے ہیں۔

- ۱۔ مبارکہ
- ۲۔ زاہرہ
- ۳۔ صافیہ
- ۴۔ ظلوم
- ۵۔ عناطیس۔

ان تمام جزائر کے باسی شیعہ مسلمان ہیں اور ان جزائر کے حکمران بھی پانچ ہیں جو حضرت امام منتظر کی اولاد ہیں ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی ہیں :۔

- ۱۔ طاہر ابن امام مہدی ۔
- ۲۔ قاسم ابن امام مہدی ۔
- ۳۔ ابراہیم ابن امام مہدی ۔
- ۴۔ عبدالرحمٰن ابن امام مہدی ۔
- ۵۔ ہاشم ابن امام مہدی ۔

اس کے بعد اس شخص نے ان جزائر کا حسن وصفائی اور جزائر کے باسیوں کے حسن کردار وگفتار کا حال بتایا۔ اس نے اپنے متعلق بتایا کہ میں مذہباً عیسائی ہوں جب اس کی حکایت ختم ہوئی تو ناصبی مزاج اور وہابی منش وزیر نے حاضرین محفل سے وعدہ لیا کہ یہ حکایت تم کسی کو نہیں سناؤ گے ۔

یہ حکایت متعدد کتب میں مذکور ہے ۔ تفصیل سے دیکھنے کی خاطر آپ درج ذیل کتب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں :۔

۱ ۔ الصراط المستقیم ۔ از زین الدین علی ابن یونس عاملی ۔
۲ ۔ السلطان المفرج عن اہل الایمان ۔ از علی ابن عبدالحمید نیلی ۔
۳ ۔ حدیقۃ الشیعہ ۔ از مقدس اردبیلی ۔
۴ ۔ الانوار النعمانیہ ۔ از سید نعمۃ اللہ الجزائری ۔
۵ ۔ جنۃ الماوی ۔ از حسن نوری طبرسی ۔
۶ ۔ النجم الثاقب ۔ از مرحوم مرزا نوری ۔
۷ ۔ العبقری الحسان ۔ از علی اکبر نہاوندی ۔

صاحب وسائل نے اثبات الہداۃ ج ۳ ص ۵۷۹ پر اس حکایت کا خلاصہ ۔

فرمایا ہے۔

۱۰۔ جزیرۂ خضراء :۔

یوں تو جزیرۂ خضراء کی مفصل داستان زیر نظر کتاب کے تیسرے حصے میں پیش کی جائے گی۔ اس جگہ بطور اشارہ عرض کئے دیتے ہیں۔ زین الدین علی ابن فاضل مازندرانی ۶۹۰ھ میں بحر اوقیانوس میں تین دن تک مسلسل سفر کرتا ہے سمندر میں مسلسل تین دن کے سفر کے بعد جزائر روافض میں پہنچتا ہے۔ وہاں اسے معلوم ہوتا ہے کہ جزیرۂ خضراء کے نام سے ایک جزیرہ جس میں حضرت ولی العصر کی اولاد مقیم ہے۔ چالیس دن جزائر روافض میں قیام کرتا ہے۔ چالیس دن بعد وہاں بحری جہاز جزیرۂ خضراء سے سامانِ خورد نوش لے کر ان جزائر روافض میں پہنچتا ہیں۔ یہ ساحل سمندر پہ جاتا ہے۔ جہاز کا کپتان زین الدین کا اور اس کے باپ کا نام لے کر پکارتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ آپ کی مکمل فائل میرے پاس ہے اور مجھے اجازت دی گئی کہ اگر تو جزیرۂ خضراء میں آنا چاہے تو میں تجھے ساتھ لے جا سکتا ہوں۔ زین الدین جانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جہاز لنگر اٹھاتے ہیں۔ مسلسل سولہ دن سمندر میں چلنے کے بعد۔ آب سفید پہ پہنچے ہیں۔ کپتان زین الدین کو بتاتا ہے کہ یہ آب سفید جزیرۂ خضراء کے گرد ایک مضبوط حصار ہے جو جہاز بھی اس آب سفید کی بحری، ہوائی حدود سے اندر داخل ہونے کی کوشش کرے گا وہ غرق سمندر ہو جائے گا۔

جزیرۂ خضراء میں پہنچ جاتا ہے۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو بہترین شکل وصورت اور عمدہ ترین لباس میں دیکھتا ہے۔ شہر انتہائی آباد ہے۔ سدا بہار درخت اور انواع و اقسام کے میوے موجود ہیں۔ بازار پُر رونق ہیں۔ بلند بلند مکانات سنگ مرمر سے تعمیر شدہ ہیں۔

سید شمس الدین ایک انتہائی عمر رسیدہ شخص کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ یہ امام زمانہ سے پانچویں پشت ہے۔ اس جزیرہ کے باسیوں کی تعلیم و تربیت اور جزیرہ کا انتظام و انصرام اسی کے سپرد ہے۔ اس جزیرہ میں امام زمانہ کا نائب خاص ہے۔ تمام احکام امام عالی مقام سے براہِ راست حاصل کرتا ہے لیکن آج تک حضرت کی زیارت سے مشرف نہیں ہوا۔ ہر جمعہ کی صبح ایک مخصوص جگہ حضرت کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک خط ملتا ہے جس میں آئندہ جمعہ تک پیش آنے والے واقعات اور مسائل کا مفصل حال موجود ہوتا ہے۔ علی ابن فاضل اس جزیرہ میں اٹھارہ دن تک قیام کرتا ہے اور جناب شمس الدین کی صحبت سے فیض یاب رہتا ہے۔ اٹھارہ دن بعد اسے حکم ملتا ہے کہ واپس وطن لوٹ جائے۔ علی ابن فاضل نے حضرت شمس الدین سے جو علمی استفادہ کیا ہے اسے ایک علیحدہ کتاب میں الفوائد الشمسیہ کے نام سے تحریر کرتا ہے اور اپنے سفر کی مکمل تفصیل سے اپنے ہمعصر چند بزرگ علماء کو مطلع کرتا ہے۔

ساتویں صدی ہجری کا معروف فنکار فضل ابن یحییٰ طیبی ۱۱ شوال ۶۹۹ ہجری کو جزیرۂ خضرا کی مفصل داستان خود علی ابن فاضل کی زبانی جلسہ میں سنتا ہے اور الجزیرۃ الخضراء کے نام سے اسے شائع کرتا ہے۔ علمائے شیعہ اس کتاب کو خصوصی توجہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ

- ۱۔ شہید اول اپنے دستِ مبارک سے اس کتاب کو تحریر کرتے ہیں جو امیر المومنین کے خزانہ میں ملی ہے۔
- ۲۔ محقق کرکی اسی کتاب کا فارسی میں ترجمہ کرتے ہیں۔
- ۳۔ علامہ مجلسی اس کتاب کو شامل بحار کرتے ہیں۔
- ۴۔ مقدس اردبیلی اس کتاب کو حدیقۃ الشیعہ میں درج کرتے ہیں۔

- ۵ - شیخ حر عاملی اس کتابچہ کو اپنی اثبات الہداۃ کا جز بناتے ہیں۔
- ۶ - وحید بہبہانی اس کے مضمون کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں -
- ۷ - بحرالعلوم اپنے رجال میں اس سے سند لیتے ہیں -
- ۸ - قاضی نوراللہ شوستری اس واقعہ کی حفاظت کی ہر مومن کو وصیت کرتے ہیں -
- ۹ - مرزا افندی ریاض العلماء میں درج کرتے ہیں۔
- ۱۰ - مرزا نوری جنۃ الماویٰ اور النجم الثاقب میں شامل کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں دسیوں شیعہ علماء نے اس حکایت کو اپنی اپنی کتب میں درج کیا ہے یا اسے بطور مستند ذکر کیا ہے -

نتیجۂ فکر :-

سابقہ صفحات میں جو کچھ ہم نے بطور مقدمہ و تمہید پیش کیا ہے اگر اسے بطور خلاصہ و اختصار پیش کریں تو ذیل کے چند نکات بنیں گے۔

۱- فطری قواعد کلیہ کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت حجت نے بھی اپنے آبائے طاہرین کی طرح سنت سرور انبیاء پر عمل کرتے ہوئے سلسلۂ ازدواج قائم کیا ہے اور آپ صاحب اولاد ہیں۔

۲- کافی روایات میں امام زمانہ کی اولاد کا غیر مبہم تذکرہ ملتا ہے۔

۳- جو دعائیں ہمارے پاس ائمہ معصومین سے پہنچتی ہیں ان کی وافر مقدار میں حضرت ولی العصر کی اولاد اور اہل بیت پر درود و سلام بھیجے گئے ہیں۔

۴- تلاش و جستجو کے نتیجہ میں حضرت قائم اور آپ کی اولاد و امجاد کا محل قیام جو ہمیں ملا ہے اس سلسلہ میں انباری اور علی ابن فاضل کی داستان شاہد عادل اور بیان ناطق ہیں۔

ہاں چونکہ داستان انباری کا راوی ایک مجہول شخص ہے اس لئے ہم نے اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا اور نہ ہی اس داستان کو اپنے دلائل میں کوئی مقام دیا ہے۔ لیکن علی ابن فاضل کا واقعہ ہر اعتبار سے قابل وثوق ہے اس لئے ہم اسے اپنے استدلال میں پیش کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تک علی ابن فاضل کی ذات کا تعلق ہے تو وہ ایک انتہائی زاہد۔ پرہیزگار اور زہد و تقویٰ میں یگانۂ روزگار ہے۔ اور جہاں تک راوی حکایت فضل ابن یحییٰ طیبی کا تعلق ہے تو اس کی علمی شہرت اور

دیانت کسی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

۵ - علی ابن فاضل کی داستان کے مطابق یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ امام منتظر کی اولاد خضراء نامی جزیرہ جو بحر اوقیانوس میں ہے میں مستقلاً مقیم ہے اور خود حضرت ولی العصر ایام حج میں مکہ تشریف لاتے ہیں حج سے فراغت کے بعد حجاز۔ عراق اور طوس میں اپنے آبائے طاہرین کی زیارات سے فارغ ہو کر واپس اسی جزیرۂ خضراء میں تشریف لے جاتے ہیں اور آپ کا مستقل قیام بھی اسی جزیرہ میں ہے۔

ایک اہم سوال :-

داستان علی ابن فاضل کی مسلمہ بنیاد کے پیش نظر فطرتاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ —— اگر بحر اوقیانوس میں کوئی ایسا جزیرہ ہے تو آج کے اس دور میں آج تک بحری یا ہوائی جہاز اس جزیرہ کا سراغ کیوں نہیں لگا سکے ؟
خصوصاً ہوائی جہاز کی ایجاد کے بعد جو ہوائی جہاز کرۂ ارض کے گرداگرد چند گھنٹوں کا چکر پورا کر لیتے ہیں ان کی نگاہوں میں یہ جزیرہ کیوں نہ آسکا ؟
آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس زمانہ فضا میں روئے زمین پر کوئی ایسا خطہ ارض بھی ہو جو فضائی کشتیوں اور ہوائی جہازوں میں نصب طاقتور ترین کیمروں کی سکرین پہ نہ آسکے ؟

اب جواب :-

ایک مسلمان کے لئے انتہائی سادہ اور آسان سا جواب تو یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے کہ اپنی حجت کو مع اس کی اولاد۔ زوجہ اور خدمتگاروں کے دشمنوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور اسے کوئی مانع نہیں ہے۔ اس کی قدرت کاملہ کے مقابل میں چھوٹا بڑا۔ خورد و کلاں۔ نرم اور سخت میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔
امیرالمومنین حضرت علی فرماتے ہیں :
اس کی نگاہ قدرت میں جلیل و لطیف۔ ثقیل و خفیف اور قوی و ضعیف سب برابر ہیں۔ مرزا نوری نے بہت سے ایسے معجزات کو جمع کیا ہے جن کی رو سے آنحضرت

دشمنوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہے۔ قرآن کریم میں ارشاد قدرت ہے؛
جب تو تلاوت قرآن کرتا ہے تو جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تلاوت قرآن کے وقت تیرے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو جاتا ہے۔
کتب سیرت و تاریخ میں ملاحظہ فرمائیے کتنی مرتبہ ابوسفیان۔ نضر ابن حارث۔ ابو جہل اور زوجہ ابو جہل اُم جمیل آنحضرت کو اذیت پہنچانے کی غرض سے آئے جب آپ کے قریب آتے تھے انہیں آپ نظر ہی نہ آتے تھے۔
ان مسلمہ واقعات و حقائق کے بعد اللہ کے لئے یہ کونسی بڑی بات ہے کہ صحراؤں یا سمندر میں ایسے عظیم شہر آباد ہوں جہاں ولی العصر اپنے اہل بیت اور خدمتگاروں کے ساتھ رہائش پذیر ہوں اور وہ شہر نگاہ خلائق سے محجوب ہوں اور جب کوئی شخص اتفاقی طور پر وہ صحرا یا سمندر عبور کرکے بہ نیت تجسس وہاں پہنچے تو اُسے کچھ بھی نظر نہ آئے۔
العبقری الحسان جلد ۱ صفحہ ۵۹ پر سرکار نہاوندی مرحوم — نبی اکرم کے نظر دشمناں سے پوشیدہ ہونے والے معجزات کا تذکرہ کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔ کہ جس طرح حضرت ولی العصر کا اپنا مقدس وجود یوم ولادت سے لے کر آج تک پوشیدہ ہے اور آپ کی عمر شریف غیر عادی طویل ہے اور یہ دونوں حقائق اللہ کی آیات عجیبہ سے ہیں اسی طرح آپ کے خدمتگاروں۔ آپ کے مقام رہائش اور تمام وہ چیزیں جو آپ سے متعلق ہیں، کا مخفی ہونا بھی پروردگار کی آیات عجیبہ سے ہے۔ اور عقلاً ممکن ہے۔ کسی کو شرعاً اور عقلاً یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسی بات سن کر اس کی تکذیب و تردید کرے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کے ضعف ایمان کی دلیل ہے۔
ایام غیبت میں امام زمانہ خود جن دعاؤں کی تلاوت فرماتے ہیں ان میں سے ایک دعا کا ایک جملہ ملاحظہ فرمائیے۔ مصباح کفعمی ص۲۱۹ اور مہج الدعوات ص۳۰۲ :

اے اللہ! مجھے میرے اعداء کی نظروں سے پوشیدہ رکھ اور میرے اولیاء کو میرے قریب رکھ۔

عقل مستعار کے حامل کچھ ایسے کتب نویس اور قلمکار بھی ہیں جو اپنے کچھ بہت کچھ سمجھنے کے ساتھ اپنی عقل و تحریر کے عاشق ہیں۔ تاریخ غیبت کبریٰ صفحہ ۹ پر مذکورہ بالا سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ — آج سے کچھ صدیاں پہلے سے کرہ ارض کے چپہ چپہ کو چھان ڈالا جا چکا ہے۔ خطۂ ارضی کا ایک ایک گز اور روئے ارض کی ایک ایک بالشت کو ناپا جا چکا ہے وہ کونسا گوشہ زمین ہے جہاں انسان کے قدم نہیں پہنچے لیکن آج تک کوئی ایسی جگہ دستیاب نہیں ہو سکی جو مذکورہ داستان میں بتائی گئی ہے۔ نہ کسی ایسے جزیرہ کا وجود ملا ہے اور نہ ہی کہیں ایسی کسی آبادی کے آثار ملے ہیں جس کا تذکرہ علی ابن فاضل نے اپنی کہانی میں کیا ہے —

اگر ایسا کوئی جزیرہ اور اس جزیرہ میں ایسے عالیشان مکانات کا روئے ارض پر کہیں کوئی وجود ہوتا تو آج تک یقیناً نگاہِ تحقیق و تجسس میں آ جاتا۔ اور مراکز اسلامیہ میں سے ایک اہم ترین مرکز شمار ہوتا۔ لہٰذا بالیقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ایسی کسی جگہ کا کوئی وجود نہیں ہے یہ

ہم نے آخر میں چھپے نمبر پر زیرِ نظر کتاب میں اس خوش فہمی کا جواب دیا ہے اور ایسے مصنفین کے روحانی تربیت کنندگان اہل مغرب کے اعترافات نقل کئے ہیں کہ یہ نظریہ قطعی غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ جو لوگ ان تحقیقات میں معروف ہیں اور جن کے دستر خوان تحقیقات کا پس خوردہ کھانے والے ایسی باتیں لکھتے ہیں وہ بقلم خود اور بزبانِ خود اقرار کرتے ہیں کہ اتنی تحقیق و جستجو کے باوجود تاحال خطہ ارضی کا جو حصہ قابلِ تحقیق ہے اس کی مقدار تحقیق شدہ خطہ سے کہیں زیادہ ہے — ان اعترافات کی روشنی میں کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ یقین کے ساتھ ایک فتویٰ دے دے کہ یہ واقعہ

غلط ہے۔ ایسے افراد زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ ۔ ابھی تک اس قسم کے کسی جزیرہ کا سراغ نہیں لگایا جا سکا ۔ اور کسی جزیرہ کا سُراغ نہ ملنا اس جگہ کے نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ کسی چیز کا نہ مل سکنا اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوا کرتا۔ اہل فکر و نظر کے حامل

متقدمین محققین نے شاید ایسے جلد باز فتویٰ بازوں کی زبان و قلم کو روکنے کی خاطر پہلے ہی بطور پیش بندی لکھ دیا ہے ۔ ملاحظہ فرمائیے النجم الثاقب ص۲۹۷ تا ص۳۰۲ سد سکندر ۔ غار اصحاب کہف ۔ جابلسا ۔ جابلقا اور مدینۃ النحاس وغیرہ جیسی چیزیں اور آبادی روئے زمین پر یقیناً موجود ہیں لیکن تا حال ان کا انکشاف نہیں ہو سکا ۔

مگر با ایں ہمہ ہمیں ایسے ناپختہ ذہنوں کو نہ تو قائل کرنے کی چنداں ضرورت ہے اور نہ انھیں مذکورہ مثالیں پیش کرنے کی حاجت ہے ۔ کیونکہ اگر ان جیسے افراد میں رتی بھر بھی عقل و فکر ہوتی تو علی ابن فاضل کی بیان کردہ داستان کی تردید کرنے کی بجائے یہ لوگ بحر اوقیانوس میں محققین عالم کے سامنے تشنۂ تحقیق مثلث برمودا میں فکر کرتے ۔ آج تک نہ کوئی ہوائی جہاز مثلث برمودا کی حدود میں داخل ہو سکا ہے اور نہ ہی کوئی بحری جہاز مثلث برمودا کی ممنوعہ حدود سے تجاوز کر سکا ہے ۔ یہ بھی مسلّمہ ہے کہ علی ابن فاضل کی بتائی گئی علامات کے مطابق یہی مثلث برمودا ہے جس کے گرد آب سفید کا محفوظ ترین حصار ہے ۔ آج تک کوئی بڑے سے بڑا کوہ پیکر بحری جہاز تک مثلث برمودا کے آب سفید کے حصار کو نہیں توڑ سکا جو ہوائی جہاز بھی مثلث برمودا کی فضا میں گیا حادثہ سے دوچار ہو گیا ۔ سینکڑوں تحقیقاتی جہاز ہوائی جہاز اور بحری کشتیاں مثلث برمودا نگل چکی ہے ۔ یہ لوگ مثلث برمودا کے سلسلہ میں جوابات بھی پڑھیں گے ، آج سے صدیاں پہلے علی ابن فاضل کی داستان میں کپتان کے یہ الفاظ جو اس نے علی ابن فاضل سے کہے تھے کہ :-

"ہمارے اعداء کی کشتیاں جب بھی اس آب سفید میں آتی ہیں کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہوں حضرت ولی العصر کی برکت سے غرقاب ہو جاتی ہیں۔"

مشعل راہ بن جائیں گے۔ اسی طرح مثلث برمودا کی فضا میں جانے والے سینکڑوں ہوا بازوں کی اطلاعات سے بھی علی ابن فاضل کی داستان کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ایسے لوگ سستی شہرت کے خواہشمند ہوتے ہیں اور اپنا علمی قد بڑھانے کی خاطر ایسی بڑیں ہانک دیتے ہیں کہ ہمیں جب ویسے کوئی نہیں پوچھتا تو اس طرح تو ہم توجہ کا مرکز بن جائیں گے اور یوں ہماری کتاب اپنے دور کی انقلابی کتاب بن جائے گی۔

مثلث برمودا :-

عصرِ نو کی جدید اور تازہ ترین تحقیقات کے مطابق بحراوقیانوس میں مغربی جانب بہت دور آخری سرے پر ایک انتہائی پراسرار۔ حیرت انگیز اور تعجب خیز مقام جس کا تعارف مثلث برمودا کے نام سے کرایا جاتا ہے واقع ہے۔ جہاں نت نئے واقعات جنم لیتے ہیں اور عجیب حادثات رونما ہوتے ہیں۔ اگر اس جزیرہ کو حادثات کا گڑھ کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مثلث برمودا میں رونما ہونے والے حیرت انگیز حادثات نے بے شمار محققین کی فکر تحقیق و تجسس کی نگاہوں کو اپنی طرف مبذول کر رکھا ہے لیکن آج تک دائرۂ تحقیقات کو جس قدر وسیع سے وسیع تر کیا جاتا رہا ہے نتائج کا دامن نہ صرف کوتاہ ہو رہا ہے بلکہ مثلث برمودا کی گتھی سلجھنے کی بجائے الجھتی چلی جا رہی ہے۔

چارلس برلٹیز۔ جس نے اپنی تحقیقات کا غالباً محوری نقطہ ہی مثلث برمودا کو بنائے رکھا ہے اور مثلث برمودا کے نام سے ایک تحقیقی تصنیف بھی کی ہے کے صفحہ ۹ پر اپنی تحقیقات کے بے ثمر نتائج کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے :-

" مثلث برمودا کے ناگہانی حادثات آج تک بالکل اسی طرح ناقابلِ فہم اور حدِ شعور و ادراک سے ماوریٰ ہیں جس طرح پندرھویں صدی میں کیمسٹوں کے لئے ریڈیم پر قابو پانا انسانی فکر و فہم سے بالاتر تھا "

اسی مثلث برمودا نامی کتاب کے صفحہ ۱۵ پر لکھتا ہے :

" اگرچہ آج تک انسان نے اپنی علمی تحقیقات سے کرۂ ارض کے بے شمار حجابات

اُٹھا دیئے ہیں۔ فضا کو مسخر کرلیا ہے اور اپنی تحقیقات کا جال زیرِ زمین تک بچھا رکھا ہے لیکن یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اتنی وسیع تر تحقیق و جستجو کے باوجود کرۂ ارض کا ۵/۳ حصہ دائرۂ تحقیق سے بالکل باہر ہے۔

مثلث برمودا کا جغرافیائی محلِ وقوع :۔

مذکورہ بالا مثلث برمودا نامی محققانہ تصنیف کے مطابق مثلث برمودا کا حدودِ اربعہ کچھ اس طرح ہے۔ مثلث برمودا بحرِ اوقیانوس کے مغرب۔ فلوریڈا کے مشرق۔ جزائر اٹلانٹک کے شمال اور جزائر برمودا کے جنوب میں واقع قطعہ ارضی کا نام مثلث برمودا ہے۔ اس مثلث کے ایک طرف جزائر برمودا۔ دوسری طرف میامی اور تیسری طرف سن شائین ہے۔ مثلث برمودا اس خطہ کا نام ہے جہاں جزائر برمودا کا دہانہ ہے۔ اور یہ نام بھی۔ اس سلسلہ کے محققین میں سب سے پہلے مصنف جس نے ۔ نادیدہ افق ۔ نامی کتاب لکھنے والے وینسنٹ گاڈلیس ہی نے تجویز کیا ہے اور اسی نے۔ نادیدہ اُفق۔ تصنیف کرکے محققین کو اس راہ پر لگایا ہے۔ اور آج تک یہ خطہ ارضی اسی نام سے معروف ہے۔

جزائر برمودا :۔

بحرِ اوقیانوس کے مغربی سرے پر کم و بیش تین سو ساٹھ چھوٹے بڑے جزیرے ہیں اور انہی کو جزائر برمودا کہا جاتا ہے۔ ان جزائر کا متحدہ دارالحکومت ہملٹن یعنی بحرِ اوقیانوس کی جنت ہے۔ ان جزائر کا موسم خوشگوار۔ فضا فرحت بیز۔ مناظر دلفریب اور آب و ہوا انتہائی سرور آمیز ہے ۔ ان تمام جزائر میں سے پانچ جزیرے خاصے بڑے ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں : سینٹ جارج ۔ سینٹ ڈیوڈ ۔ گافر ۔ سومرسٹ اور لانگ آئی لینڈ ۔ ان تین سو ساٹھ جزائر میں سے صرف بیس جزیرے آباد ہیں جہاں کم و بیش

ساٹھ ہزار نفوس بستے ہیں ۔ اگرچہ یہ جزائر گرم ہیں لیکن ان کی گرمی میں بھی قدرتی طور پر ایک قسم کی دلکش فرحت کا احساس ہوتا ہے ۔ جن دنوں نیویارک پر خزاں چھانا شروع ہوتی ہے بعینہ انہی دنوں جزائر برمودا میں بہار آئی ہوتی ہے ۔ زمین پر ہر سُو پھول ہی پھول اور ہریالی نظر آتی ہے ۔ جزائر برمودا ہی وہ قطعہ اراضی ہے جہاں سے پورے موسم سرما میں امریکہ کو پھول برآمد کئے جاتے ہیں ۔

ان جزائر برمودا کو سب سے پہلے ایک ہسپانوی سیاح شان ڈو برمودا نے ۱۵۱۹ء میں دریافت کیا ۔ اس کے بعد بھی یہ جزائر غیر مقبوضہ اور غیر مملوکہ ہی رہے ۔ لیکن سات برس کم ایک صدی گزرنے کے بعد جب انہی جزائر میں ۱۶۰۹ء میں جارج سومرس کی کشتی غرقاب ہوئی تو برطانیہ نے ان جزائر پر اپنے قبضے کا اعلان کر دیا چنانچہ اس وقت سے آج تک یہ جزائر برطانیہ ہی کے زیر تسلط چلے آرہے ہیں ۔

ازروئے جغرافیہ جزائر برمودا ۳۲ درجے عرض البلد اور ۶۴ درجے طول بلد پر واقع ہو کر مثلث برمودا کو تشکیل دیتے ہیں ۔ اس اعتبار سے مثلث برمودا کا ایک ضلع بھی جزائر برمودا ہوں گے ۔ مثلث برمودا کا دوسرا ضلع میامی اور سن ہشائین سے متعلق ہے ۔

میامی :۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی اہم ترین بندرگاہوں میں سے شمار ہوتی ہے جو امریکہ کی ریاست فلوریڈا کے مشرقی ساحل پر واقع ہے اور ریاست فلوریڈا ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ستائیس ریاستوں میں ایک معروف ریاست ہے جس کی آبادی کم و بیش چالیس لاکھ افراد کے لگ بھگ ہے ۔

سن ہشائین ۔ امریکہ ہی کی ریاست پورٹو ریکو کا پایۂ تخت ہے ۔ پورٹو ریکو تیس لاکھ کی آبادی پر مشتمل ایک جزیرہ ہے جو دریائے کارائب کے جزائر میں سب سے

بڑا جزیرہ شمار ہوتا ہے اور ڈومینکن کے مشرق میں واقع ہے۔

مثلث برموداکے اضلاع :-

۱۔ ایک ضلع جزائر برمودا سے میامی تک گلف آسٹریم کے گرم پانیوں کے ساتھ ساتھ
۲۔ دوسرا ضلع میامی سے پورٹریکو تک خط استوا کے بالکل قریب۔
۳۔ تیسرا ضلع دریائے سارگاسو پر پورٹریکو سے جزائر برمودا تک۔

دریائے سارگاسو :-

مثلث برمودا کا ایک بہت بڑا حصہ دریائے سارگاسو پر واقع ہے اور دریائے سارگاسو بحر اوقیانوس کے شمال مغرب میں کافی بڑے رقبہ پر محیط ہے جو سارگاسوم نامی اہم علاقہ کو جُدا کرتا ہے۔ بحر اوقیانس کا یہی وہ علاقہ ہے جس میں ہمالیہ جیسے پہاڑ زیر آب ہیں جن کی چوٹیاں کسی کسی جگہ سے سطح آب سے بلند ہو کر جھانکتی ہیں۔ اور انہی پہاڑوں کی بدولت جزائر آذرز بحر اوقیانس سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ دریائے سارگاسو اپنے مقام پر اتنا عظیم دریا ہے کہ کسی دیکھنے والے کو کناروں کے علاوہ پتہ بھی نہیں چل سکتا کہ یہ دریا بہہ رہا ہے البتہ کنارے پر کھڑا ہوا شخص دیکھ سکتا ہے کہ دریا بہہ رہا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ہزاروں برس پہلے کے سیاحوں اور محققین نے دریائے سارگاسو کا نام دریائے آرام رکھا تھا۔ پانچسو برس قبل مسیح اہل کرتھش کے ایک ایڈمرل نے دریائے سارگاسو پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا :۔

" یہ واحد وہ دریا ہے جس میں کشتیوں کی ہدایت کے لئے کسی بھی موسم میں ہوا موجود نہیں ہوتی۔ وہ مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات آج تک ایک سربستہ راز اور معمہ بنے ہوئے ہیں اور جن کی آج تک کوئی تاویل پیش نہیں کی جا سکی اکثر اسی

دریائے سارگاسو ہی کے علاقہ میں رونما ہوتے ہیں۔

اس علاقہ میں پیش آنے والے حادثات کی ایک انتہائی طویل داستان ہے۔ یوں تو ان حادثات کی تاریخ بہت قدیم ہو گی لیکن اس علاقے میں جب سے تاریخ نے ہوش سنبھال کر ان حادثات کو اپنے دامن میں جمع کرنا شروع کیا تو اس کا تاریخی حادثات یا حادثاتی تاریخ کا پہلا پہلا حادثہ ۱۴۹۲ء میں کرسٹف کلمب کی کشتی کو پیش آیا۔

پہلا حادثہ :- ہوا یوں کہ کرسٹف کلمب اپنی فطری مہم جویانہ طبیعت کے پیش نظر اواخر ستمبر ۱۴۹۲ء میں دنیائے جدید سے عازم سفر ہوا۔ کلمب کی کشتی کا قطب نما فیل ہو گیا جس کے نتیجہ میں وہ اپنی سمت سفر برقرار نہ رکھ سکا اور بھٹک کر دریائے سارگاسو کے مغربی علاقہ میں گھر گیا۔ کلمب کے حادثہ سے لے کر آج تک الیکٹرک و مقناطیسی قطب نماؤں میں فنی خرابی اس علاقہ میں آجانے کے بعد ایک معمول کے طور پر ریکارڈ کی گئی ہے۔ بڑے سے بڑا کوئی بھی مقناطیسی آلہ اس علاقہ میں آنے کے بعد بیکار محض ہو کر رہ جاتا ہے۔ پانچ صدیوں کا طویل عرصہ گزر گیا مگر آج تک اس راز کا انکشاف نہیں ہو سکا کہ صرف اسی علاقہ میں مقناطیسی کیونکر بیکار ہو جاتے ہیں ؟ حد ہے کہ آج کی جدید دنیا، جدید آلات، جدید تحقیقات اور نت نئے انکشافات بھی اس راز کو نہ پا سکے۔ اس وقت دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو اس حقیقت سے باخبر نہ ہو۔ بلکہ ذرا ایک قدم اور آگے چل کر دیکھئے مثلث برمودا آج تک بیسیوں جدید کوہ پیکر جہازوں کو نگل گئی ہے اور ان کا نقش پا تک نہیں مل سکا۔ ان حادثات کی شدت میں ایک وقت ایسا اضافہ بھی ہو چکا ہے کہ مثلث برمودا کے گرداب سفید کے حصار میں روزانہ کئی کئی سمندر پیما جہازوں کے غرق ہونے کی اطلاعات تک موصول ہونے لگی تھیں۔

آغاز تحقیق میں جہازوں کے غرقاب ہونے کی داستانیں اتنی عجیب اور حیرت انگیز ہوتی تھیں کہ ہر سننے والا بلا تامل ۔ یہ غلط ہے ۔ بالکل غلط ہے ۔ ناقابل یقین ہے کہہ دیا کرتا تھا لیکن جب مثلث برمودا کے گرد آب سفید کے کھچے ہوئے حصار نے آبدوزوں کو ہضم کرنا شروع کیا تو جہاں ان ضدی محققین کو ایک طرف اپنا تحقیقاتی بوریا بستر سمیٹنا پڑا وہاں دوسری طرف غرقابی کے مسلسل اور متواتر واقعات کو تسلیم کر کے سر خم کرنا پڑا۔

چنانچہ امریکہ نے مجنونانہ اقدامات روک کر سنجیدگی سے تحقیقات کا پروگرام بنایا۔ کیونکہ اس کی جدید ترین ایجادات مثلث برمودا کے آب سفید میں پہنچتے ہی اپنی زندگی کو خیرباد کہہ چکی تھیں ۔ امریکہ کے ماہر اور بردبار سائنسدانوں نے ایک مشترکہ پلان کے تحت مثلث برمودا کی بجائے مثلث برمودا کے آہنی حصار آب سفید پر توجہ مرکوز کی اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے جس کام کی ابتدا کی گئی وہ آب سفید کی فضائی تحقیق تھی۔ چنانچہ آب سفید کا فضائی جائزہ لینے کی خاطر ۵ دسمبر ۱۹۴۵ء کو اس وقت کے جدید ترین پانچ عدد T.B.M. طیارے اپنے پانچ پائلٹوں اور نو فضائی محققین کو لے کر فورٹ لاڈرڈیل کے ہوائی اڈے سے اڑے ۔ جونہی آب سفید کی حدود میں داخل ہوئے لاپتہ ہوگئے، اور آج تک ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا ۔ (آج ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء کی رات کے دس بج رہے ہیں جب میں جزیرۂ خضراء کا ترجمہ کر رہا ہوں اس لحاظ سے پورے بیالیس برس اور اکیس دن ہو رہے ہیں ۔ اثیر جاڑوی) ۔ پھر ان پانچ طیاروں کی تلاش میں جدید ترین ایجاد شدہ ۔ مارٹن مارینر ۔ نامی ہوائی جہاز کو بھیجا گیا لیکن بدقسمتی کے ساتھ وہ بھی نہ تو خود واپس آیا اور نہ پہلے پانچ جہازوں کے انجام کی خیر خبر دے سکا۔

مثلث برمودا کے ان حادثات میں اتنی تیزی سے وسعت آئی کہ جو جہاز بھی آب سفید کی حدود میں داخل ہوا وہ لاپتہ ہو گیا اور جو اسے تلاش کرنے گئے وہ بھی لاپتہ

ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ نے شکست تسلیم کر کے اپنی ناکامی کا اعلان کر دیا اور عالمی برادری میں بسنے والے ہر ملک اور محقق کو دعوت تحقیق دی۔ دسیوں سیمینار ہوئے کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ سینکڑوں دانشوروں کو ان کی خواہش کے مطابق ان کے مطلوبہ اور ممکنہ وسائل سے مالا مال کیا گیا۔ مگر نتیجہ وہی رہا۔ جہاں سے چلا تھا وہیں کا وہیں ہے۔ آئیے ذرا ایک نگاہ میں ان محققین کے بیان کردہ نتائج بھی دیکھ لیں۔

نتائج تحقیق محققین :-

بیسویں صدی کے وسط تک جب مثلث برمودا کا آب سفید مرکز تحقیق بنا رہا اور ہر طرف دنیا کے کان مثلث برمودا کے اس آب سفید کے واضح نتائج سننے کے منتظر تھے۔ بیسیوں محققین نے وہاں کا سفر کیا۔ تحقیقات کیں اور انہی تحقیقات کو ضبط تحریر میں لائے۔ ان محققین میں سے چند ایک کے نام اور ان کی تصنیفات کے نام دیئے جاتے ہیں :-

مصنف کا نام	کتاب کا نام[1]
۱۔ ونسینٹ گاڈلیس	نادیدہ اُفق

[1] بعد معذرت گزارش ہے کہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ محقق اور تحقیقاتی کتابیں ہر دو انگریزی سے متعلق ہیں۔ چونکہ کتابوں کے نام فارسی زبان میں تھے اور یہ انگریزی ناموں ہی کا ترجمہ ہیں۔ اس لئے بندہ نے صرف قارئین کی سہولت کے لئے فارسی ناموں کے اُردو میں ترجمے دیدئے ہیں تاکہ اگر کوئی انگریزی خوان ان اصل کتابوں تک پہنچنا چاہے وہ فارسی نام کی نسبت اُردو نام کے ذریعہ بآسانی اور جلدی پہنچ سکے گا کیونکہ ایرانی اور عرب حضرات جب کسی انگریزی نام پر نوازش فرماتے ہیں تو اس کا حلیہ تو حلیہ رہا اس کی فطرت اور عناصر اربعہ تک کا ستیاناس مار دیتے ہیں۔ اثیر جاڑوی۔

۲۔ جان گاڈین	دنیائے پُر پیچ
۳۔ ڈیل ٹیٹلر	مبہم پر پرواز
۴۔ جان ولاس سپنسر	گمشدہ برزخ
۵۔ مالسن ویلینٹین	مثلث برمودا کے غیر عادی حادثات
۶۔ ہیگ آکنلیس براؤن	زمین کے ناگہانی اور دلچسپ تغیرات
۷۔ پیٹر بنچلے	گہرائیوں میں
۸۔ ایون سینڈرسن	نادیدہ باسی
۹۔ رابرٹ برگس	جہازوں کی غرقابی اور ان کی تلاش
۱۰۔ ہیرلڈ ویلکنز	حیرت انگیز مگر مبہم لمحات

اہم ترین کتاب :-

اگرچہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان سب میں سے اہم ترین مفصل ترین اور دلچسپ ترین کتاب امریکی محقق چارلس برلیٹز کی ۔ مثلث برمودا ۔ یا ۔ برمودا ٹرائی اینگل ۔ ہے ۔ مذکورہ تمام تفصیلات ہم نے اسی سے لی ہیں ۔ یہ کتاب ۱۹۷۳ء میں پہلی بار چھپی ۔ مختلف زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے ۔ درج ذیل تراجم صرف فارسی زبان میں کئے گئے ہیں ۔

- برمودا ٹرائی اینگل (مثلث برمودا) کا سب سے پہلا ترجمہ ۱۳۵۵ھ شمسی ہجری میں محترم حسین ارژنگی نے رسالۂ دانشمند میں بصورت مقالات شائع کیا ۔
- برمودا ٹرائی اینگل کا دوسری مرتبہ فارسی میں ترجمہ ۱۳۶۱ھ شمسی ہجری میں رسالہ ادائے ہامون میں بشکل مقالات پیش کیا گیا ۔
- برمودا ٹرائی اینگل کا تیسرا ترجمہ فارسی میں محترم محمد جواد پاک دل نے شائع

کی۔ یہ حقیقت ہے کہ برموداٹرائی اینگل مصنف کے پانچ سالہ تحقیقاتی مشاہدات یا مشاہداتی تحقیقات کا ایسا نایاب مجموعہ ہے جو مصنف نے برموداٹرائی اینگل میں رہ کر بچشم خود ملاحظہ کئے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ فارسی زبان میں آج تک اس سے بہتر کوئی دوسری کتاب نہیں آسکی۔

ہاں یاد آیا اسی برموداٹرائی اینگل کی سلسلہ وار اشاعت ہفت روزہ اطلاعات میں بھی ہوئی ہے ان میں سے بھی مجھے صرف شمارہ ۱۹۰۸ تا ۱۹۲۲ ہی دستیاب ہو سکے ہیں۔

برموداٹرائی اینگل پر مقالات :۔

مثلث برمودا کے سلسلہ میں سینکڑوں مشرقی اور مغربی دانشمندوں نے انتہائی پر مغز مقالات بھی لکھے ہیں جن میں چند ایک کے نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ ایم۔ کے۔ جوزف
۲۔ الیگزنڈر کارٹنرنوف
۳۔ ایڈگر گیس
۴۔ پلاٹو
۵۔ جیمز ٹورن
۶۔ لارنس ڈیوڈ کوش
۷۔ لسلی لیچر
۸۔ فرینک ایڈورڈز
۹۔ ولیحٹ بی سمتھ

ان کے علاوہ سینکڑوں مذاکرات، پریس کانفرنسز اور انٹرویوز ہیں جو ہوا بازوں سے کئے گئے ہیں وہ بھی مارکیٹ میں موجود ہیں۔ درجنوں علمی اور تحقیقاتی کمیٹیاں تشکیل

دی گئی ہیں تاکہ برمودا ٹرائی اینگل کی حقیقت طشت ازبام ہو سکے مگر تا حال ڈھاک کے تین پات سے زیادہ کوئی بھی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ان تحقیقاتی کمیٹیوں میں سے چند ایک کے نام ملاحظہ فرمائیے :۔

۱۔ برمودا ٹرائی اینگل میں فضائی حادثات کی نیشنل کمیٹی۔

۲۔ برمودا ٹرائی اینگل میں ناقابل انکشاف حادثات کیلئے محققین کی کمیٹی۔

۳۔ آئی سی۔ ایس۔ کے پیچیدہ حادثات کے لئے مرکز تحقیق و مطالعہ۔

۴۔ بالمود کی تحقیقاتی کمیٹی۔

۵۔ میگنٹ کی تحقیقاتی کمیٹی۔

نتائج فکر اور نظریات :۔

جن سینکڑوں محققین نے آج تک اپنی پرواز فکر کی۔ اور اپنی فکر اپنے قلم سے لکھ کر ہمیں بطور ترکہ دیا ہے اگر ان تمام افکار کو یکجا کر کے سمیٹ لیا جائے تو آج تک کی تحقیقات کا ماحصل اور جدید ترین مفکرین و محققین کا نتیجہ فکر حسب ذیل چند تصوراتی اور تحقیقاتی افکار کے سوا کچھ نہیں اور مثلث برمودا پر اربوں ڈالر خرچ ہو جانے کے باوجود آج بھی مثلث برمودا اپنے نقطۂ آغاز پر موجود ہے اور تادم تحریر اس کی حقیقت کا سربستہ راز جس طرح صدیوں پہلے راز تھا آج بھی راز ہے۔ نتائج افکار محققین ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ دریائی گرداب اور ہوائی گڑھے :۔

مثلث برمودا میں جدید ترین آلات سے لیس ہو کر گام تحقیقات بڑھانے والے بعض محققین کا خیال ہے کہ مثلث برمودا کے علاقے میں رونما ہونے والے حادثات دریائی گردابوں اور ہوائی گڑھوں کا نتیجہ ہیں ـــ اگر ان کی ان تحقیقات کو تسلیم کر لیا جائے

تو ذیل کے چند سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں ان کے جوابات کون دے گا؟

ا۔ حادثات کا سبب تو دریائی گرداب اور گڑھے ہو گئے لیکن ان گمشدہ ہوائی جہازوں کے ڈھانچوں اور غرق شدہ بحری جہازوں کا ملبہ کیوں عدم پتہ ہے اور آج تک اس کا سراغ کیوں نہیں مل سکا؟

ب۔ ان جہازوں کے انجن گیس یا بجلی سے نہیں بلکہ تیل سے چلتے تھے۔ دریائی گردابوں اور ہوائی گڑھوں کی نذر ہو کر غرق ہونے والے جہازوں میں موجود تیل آج تک سطح آب پر کیوں نہیں آیا؟

ج۔ جہاں جہاں جہاز غرق ہوئے ہیں وہاں وہاں سے آج تک کسی نے غرق شدہ جہازوں سے رسنے والے تیل کی کثافت کو سطح آب پر کیوں محسوس نہیں نہیں کیا۔ کیونکہ ایسے حالات میں ناخن کے نشان سے بھی وجود کا پتہ چلایا جا سکتا ہے اور معمولی سے معمولی علامت بھی بڑے سے بڑا سراغ لگانے کو کافی ہوتی ہے۔ لیکن مثلث برمودا کے سفید پانی میں غرق ہونے والے جہازوں سے آج تک تیل کی ایک بوند بھی سطح آب پر نہیں تیر سکی کیا سبب ہے؟

۲۔ فنی خامیاں :۔

بعض ماہر محققین نے مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات کا ذمہ دار فنی خامیوں اور نقائص کو قرار دیا ہے لیکن انہی کے بعض دوسرے ساتھیوں نے ہمیں ان کی خدمت میں کچھ عرض کرنے سے محفوظ رکھتے ہوئے از خود ان کے اس خام نظریہ کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ۔

مثلث برمودا کے آب سفید میں ایٹمی آبدوزوں کے حادثات اتنے واضح اور غیر مبہم ہیں کہ ہم انہیں کسی بھی فنی خرابی یا نقص سے ہرگز منسوب نہیں کر سکتے۔

کیونکہ تحقیقاتی مشن پر جانے والی آبدوز ہر قسم کے فنی نقائص سے چیکنگ کے بعد ہی بھیجی جاتی ہے۔

۳۔ ہوائی اور بحری جہاز رانوں کی عدم صلاحیت اور مغالطے :۔

مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات کے متعلق ماہرین کے ایک گروپ کا یہ تیسرا نظریہ ہے کہ ہوائی جہازوں کے پائلٹس اور بحری جہازوں کے کپتان اتنی صلاحیتوں کے مالک نہیں ہوتے جتنی ذمہ داری انہیں سونپی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی منزل مقصود کا صحیح تعین نہیں کر سکتے اور مغالطہ سے دوچار ہو کر حادثہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔

لیکن آپ اس انداز فکر کا اگر ذرا سی گہری نظر سے جائزہ لیں تو یہ نظریہ طفلانہ فکر سے زیادہ کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ کیونکہ جن پائلٹس کو ہوائی جہاز دیکر ایک تحقیقاتی اور تفتیشی مشن پر بھیجا جاتا ہے وہ اپنی مرضی سے جانے والے نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے شوق تجسس کو پورا کرنے کی خاطر کروڑوں کی مشینری ان کے حوالے کی جا سکتی ہے۔ پھر بات ایک دو کی نہیں بیسیوں بدنصیب افراد کی ہے۔ اس تسلسل اور تواتر سے حادثات کی رونمائی اور جو بھی گیا واپس نہ آیا اس نظریہ کو بڑی آسانی سے ٹھکرا سکتا ہے۔

۴۔ ناقابلِ کنٹرول ٹریفک :۔

محققین کے ایک گروپ کا یہ نظریہ ہے اور یہ مثلث برمودا میں رونما ہونے حادثات کے سلسلے کا چوتھا نظریہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ چونکہ اس علاقہ میں بحری اور ہوائی ٹریفک اتنی زیادہ ہے کہ اسے کنٹرول کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔

اس لئے کثرت ٹریفک کی وجہ سے حادثات کا رونما ہونا کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ ایک فطری امر ہے۔

خدا بھلا کرے ان محققین کا جنہوں نے اس نظریہ کو سر اٹھانے سے پہلے ہی یہ کہہ کر کچل دیا کہ یہ نظریہ بھی پہلے نظریات کی طرح انتہائی بودا اور سطحی ہے کیونکہ دور حاضر میں خشکی یا سمندر کا وہ کونسا علاقہ ہے جہاں ٹریفک کم ہو؟ وہ کونسا ہوائی راستہ ہے جس پر ٹریفک کی بھرمار نہ ہو۔ لیکن دنیا کے دیگر جس خطہ میں بھی کوئی حادثہ رونما ہوتا ہے تو اس کے علل و اسباب ماہرین کی نظر میں ایک ماہ سے بھی کم عرصہ میں طشت ازبام ہو جاتے ہیں جبکہ مثلث برمودا میں ۱۹۴۰ء میں پہلے حادثہ سے لے کر آج تک کسی ایک حادثہ کے اسباب کا سراغ تک نہ مل سکا۔ اس علاقہ میں پیش آنے والا ہر حادثہ جس طرح اپنے آغاز میں پراسرار تھا آج بھی ایک سربستہ راز ہے۔

ان مسلمہ حقائق کے پیش نظر ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات کی نوعیت دیگر رونما ہونے والے حادثات سے قطعی مختلف ہے۔ دیگر علاقوں میں حادثات کے بعد جہازوں کے شکستہ ڈھانچے اور ٹوٹی ہوئی کشتیوں کا سامان جلد یا بدیر مل ہی جاتا ہے جبکہ مثلث برمودا میں غرق ہونے والے کسی ہوائی یا بحری جہاز کا ڈھانچہ تو بجائے خود جہاز میں استعمال ہونے والے تیل کی ایک بوند بھی سطح آب پر نہیں دیکھی جا سکی۔ لہٰذا ہمیں دیگر حادثات اور مثلث برمودا کے حادثات میں واضح فرق تسلیم کر لینے کے بعد اس نظریہ کو بڑی بیباکی سے مسترد کرنا ہوگا کہ ناقابل کنٹرول ٹریفک حادثات کا سبب ہے۔

۵۔ ناقابل پیش گوئی موسم اور ہر آن رخ بدلتی ہوا:۔

یہ پانچواں نظریہ ہے جو مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات کی تحقیقاتی

کمیٹی کے ماہرین نے پیش کیا ہے۔ ان کے خیال میں چونکہ دریائے کارانٹ میں موسم ہر لمحہ بدلتا رہتا ہے اور ہوائیں اپنا رخ آناً بعد آن تبدیل کرتی رہتی ہیں اس لئے نہ تو موسم کی صحیح پیش گوئی کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ہوا کے رخ کی تعیین کی جا سکتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک وقت جب موسم انتہائی اور خوشگوار نظر آ رہا ہوتا ہے میں دوسرے وقت میں موسم کا مزاج فوراً بدل جاتا ہے اور باد و باران کے ایسے ناقابل تصور طوفان اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں جو انتہائی اچانک ہوتے ہیں اور یہی اچانک طوفان ہی اس علاقہ میں ٹریفک کے لئے حادثات کا سبب بن جاتے ہیں۔

لیکن جب حادثات کی ان تاریخوں پر غور کیا جاتا ہے جن میں یہ رونما ہوئے تو بہت کم حادثات جو نہ ہونے کے برابر ہیں کا سبب خرابی موسم کو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اکثر حادثات کی تاریخیں کسی طوفان اور موسمی خرابی سے خالی ہیں۔ اس لئے یہ سبب بھی وزنی معلوم نہیں ہوتا۔

۶۔ ذرائع مواصلات کا بے بنیاد پراپیگنڈا:۔

بعض محققین نے تو سرے سے تمام ڈوبنے والے جہازوں اور ٹوٹنے والی کشتیوں کی حقیقت سے انکار کر دیا ہے اور ان تمام اخباری اطلاعات کو محض ایک پراپیگنڈہ بتایا ہے جن میں اس قسم کے حادثات کی خبریں دی گئی ہیں۔ یعنی ان کی تحقیق کے مطابق کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ گویا ان کا مقصد باب تحقیق ہی پر تالا ڈالنا ہے۔ حالانکہ ہوائی جہاز ہو یا بحری جہاز۔ یا کشتی ہو جب ڈوبتے ہیں تو خالی نہیں ڈوبتے بلکہ ان میں کچھ لوگ بھی سوار ہوتے ہیں۔ کاش ایسی تحقیقات کا دروازہ بند کرنے کی ناکام کوشش کرنے والے ان بیواؤں کے گھر جاتے جن کے سہاگ تحقیق کے اتھاہ پانی میں ڈوب گئے۔ ان یتیموں سے پوچھتے جن کے باپ تلاش و جستجو میں غرقاب ہو گئے۔ اگر

ڈوبنے والی کشتیوں، ہوائی اور بحری جہازوں کی تعداد سینکڑوں میں ہو تو ان میں سوار افراد کی تعداد ہزاروں میں تو ضرور ہو گی ۔۔۔ کاش کہ تحقیق کے حسین اور خوبرو چہرہ کو مسخ کرنے والے یہ نام نہاد محققین اس حقیقت سے آشنا ہوتے کہ ایسا لکھنے سے توان بیواؤں اور یتیموں کی ڈھارس بندھے گی اور نہ روشن فکر اور بیدار مغز محققین اس بے بنیاد نظریہ کو قبول کریں گے بلکہ اس کے برعکس ان کی اپنی دیانت اور علمی قد کا جنازہ اٹھ جائے گا ۔

۷۔ گلف اسٹریم کی کارستانی :۔

مثلث برمودا میں تحقیق کرنے والے ماہرین کے ایک گروپ کا یہ ساتواں نظریہ ہے ان کے مطابق چونکہ اس علاقہ میں گلف آسٹریم بکثرت ہے اور اس کا ہموار استوائی پانی سے رابطہ منقطع ہو جاتا ہے اس لئے پانی میں ہر وقت غیر معمولی مد و جزر رہتا ہے جس کی وجہ سے یہ حادثات پیش آتے ہیں ۔

لیکن جب ہم حادثات کا محل وقوع دیکھتے ہیں تو ہمیں تمام حادثات گلف اسٹریم کے علاقہ سے دوران پانیوں میں نظر آتے ہیں جن کے بے پناہ سکون اور سکینانہ شرافت کی وجہ سے ماہرین نے اس کا نام ہی دریائے آرام (سارگاسو) رکھ دیا ہے ۔ اس حقیقت کے پیش نظر یہ نظریہ بھی ناقابلِ تسلیم بن جاتا ہے ۔

۸ ۔ آبِ سفید :۔

مثلث برمودا میں تحقیق کرنے والے ایک گروپ نے ان تمام حادثات کا ذمہ دار مثلث برمودا کے گرداگرد حصار بنانے والے آب سفید کو قرار دیا ہے ۔ اور اپنی تحقیقات کے نتیجہ میں لکھا ہے کہ چونکہ آب سفید دنیائے عالم کے پانی سے قطعی مختلف ہے ۔ اس

لئے دیگر تحقیقات کے علاوہ محققین کو سب سے پہلے آب سفید پر توجہ دینا چاہئے اور آب سفید کو موضوع تحقیق بنانا چاہیئے۔ کیونکہ ہمیں حادثات اور آب سفید میں گہرا تعلق نظر آتا ہے۔

۹۔ سبز نور یا گرین لائٹ :۔

مثلث برمودا میں تحقیق کرنے والے ایک ماہر گروپ نے محققین کی توجہ اس آخری اشارہ کی طرف دلائی ہے جو گم ہونے والے پائلٹس نے رابطہ ختم ہونے سے پہلے آخری مرتبہ دیا تھا کہ ۔ ہوائی جہاز کے اندر سبز روشنی اتنی زیادہ نفوذ کر گئی ہے کہ ہمیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ہمارے خیال کے مطابق ان حادثات کا اصل سبب یہی گرین لائٹس ہیں۔ اور محققین کو اپنی تمام تحقیق کا مرکز انہی سبز شعاعوں کو بنانا چاہیئے ۔

۱۰۔ دریاؤں کی گہرائی :۔

مثلث برمودا کے ماہر محققین میں سے ایون سینڈرسن بھی ایک ہے اس کا کہنا ہے ہمیں ان حادثات کا سبب دریاؤں کی گہرائی میں تلاش کرنا چاہیئے ۔

۱۱۔ نورانی اشیاء :۔

مثلث برمودا کے محققین میں سے جان سپنز ایک مفکر اور دانشمند مدیر ہے۔ اس نے بھی دیگر دانشمندوں کی طرح مثلث برمودا میں رونما ہونے والے حادثات اور ان اڑن طشتریوں جو مثلث برمودا کے اطراف و نواح میں دیکھی جاتی ہیں کے درمیان گہرا تعلق بتایا ہے۔ نیز جان اسپنز ان مفکرین کی اس رائے سے بھی متفق ہے کہ ان

اڑن طشتریوں میں دوسرے سیاروں کے باشندے ہماری ٹیکنالوجی کے حصول کی کوشش میں مصروف ہیں۔

۱۲۔ حدود زمانی سے دور :۔

ڈاکٹر مینسن ویلنٹین کا نظریہ یہ ہے کہ مثلث برمودا میں تحقیقاتی مشن پر جانے والے ملاح، پائیلٹ یا کپتان جو جانے کے بعد واپس نہیں پلٹے اور گم ہو گئے ہیں۔ وہ لوگ ایک ایسے خطہ میں جا پہنچے ہیں جو وقت اور زمانہ کی حدود و قیود سے ماوریٰ ہے اور وہ لوگ آج تک وہیں زندہ ہیں۔

۱۳۔ خطۂ مستثنیٰ :۔

جن محققین نے مثلث برمودا میں تحقیق کی ہے یا تا حال مصروف تحقیق ہیں ان میں سے ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ مثلث برمودا کا علاقہ قطعی طور پر دوسرے تمام روئے زمین سے مختلف ہے اور اسے نہ تو دیگر روئے زمین پر قیاس کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی دیگر روئے زمین کی تحقیق و تفتیش کرنے والے آلات سے اس کی حقیقت کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔

۱۴۔ مثلث برمودا کا محل وقوع :۔

مثلث برمودا میں تحقیق کنندگان میں سے بعض محققین کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ کرۂ ارض کے دو بنیادی نقاط ہیں۔ ایک نقطہ قطب شمالی اور دوسرا قطب جنوبی کہلاتا ہے۔ چونکہ مثلث برمودا قطب شمالی کے نقطہ حقیقی پر واقع ہے اور قطب کی مقناطیسی سوئی کا حقیقی مرکز یہی مثلث ہے اس لئے قطب شمالی کی مقناطیسی قوت ان حادثات کا اصلی حقیقی سبب ہیں۔

۱۵۔ بحر اٹلانٹک میں گمشدہ تمدّن :۔

مثلث برمودا کے محققین میں سے بعض کا خیال ہے کہ بحر اوقیانوس کی گہرائی میں خدا معلوم آج تک کتنے تمدن غرق ہوچکے ہیں۔ انھی غرق شدہ تمدنوں کے افراد ہیں جو بحر اطلس کی وسعتوں میں بھٹک کر یہاں پہنچے ہیں۔ اور اب وہی لوگ اپنی اس منفرد دنیا میں بس رہے ہیں۔ اور دیگر دوسری دنیا سے رابطہ منقطع رکھنے کے لئے ایسے حادثات کرتے ہیں تاکہ دوسری دنیا کے لوگ ان کی طرف نہ آسکیں۔

۱۶۔ اہرام :۔

بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ جس طرح اہرام مصر سطح زمین پر اپنے جادوئی اثرات کی وجہ سے اپنے اندر جانے والوں کے لئے حادثات کا سبب بن جاتے ہیں۔ اسی طرح مثلث برمودا کے پانیوں کی گہرائی میں اہرام مصر کی طرز کے اہرام پوشیدہ ہیں جو زیر آب ایسے حیرت انگیز حادثات کو جنم دیتے ہیں۔

۱۷۔ نامعلوم دھاتیں :۔

بعض محققین نے یہ عندیہ پیش کیا ہے کہ سطح زمین پہ پہاڑوں کے شکم میں پائی جانے والی دریافت شدہ دھاتوں کی طرح ایسی دھاتیں مثلث برمودا کے پانیوں کی گہرائی میں موجود ہیں جو تاحال ہمارے لئے قطعی طور پہ اجنبی ہیں لیکن ان کی حقیقت معلوم نہ ہونے کے باوجود یہ بات یقین سے کی جاسکتی ہے کہ ہماری دریافت کردہ بالائی دھاتوں کی نسبت مثلث برمودا کے پانیوں کی گہرائی میں موجود دھاتیں ہی ان حادثات کا سبب بنتی ہیں۔

۱۸۔ نادیدہ مقناطیس :۔

مثلث برمودا پر تحقیق کرنے والے مفکرین میں سے ولیبرٹ سمتھ کا نظریہ یہ ہے کہ مثلث برمودا کے پانیوں کی عمیق گہرائی میں اتنی عظیم اور جابر مقناطیسی قوت موجود ہے جو ہر جہاز کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے جس کے نتیجہ میں کشتی کا ملاح ہو، ہوائی جہاز کا پائیلٹ ہو یا بحری جہاز کا کپتان بے بس ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ غرقابی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔

۱۹۔ ماورائے طبیعت :۔

ایم۔ کے جوزف بھی مثلث برمودا پر تحقیقات کرنے والوں میں سے ایک مفکر ہے۔ اس نے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ مثلث برمودا میں کوئی ایسا عامل موجود ہے جو طبیعت سے ماوریٰ ہے جبکہ ہماری جتنی بھی تھیوریاں ہیں وہ سب کی سب طبیعت سے متعلق ہیں اس لئے ہم کسی بھی طبعی تھیوری سے مثلث برمودا کا معمہ حل نہیں کر سکیں گے۔

۲۰۔ چاند پر رونما ہونے والے تغیرات :۔

مثلث برمودا پہ تحقیق کرنے والے عالمی مدبرین میں سے ایک روسی محقق کا نظریہ یہ ہے کہ مثلث برمودا میں پیش آنے والے تمام حادثات کا اصلی سبب کرۂ ماہتاب پہ ہونے والے تغیرات ہیں۔

ہمارے ان تمام بیانات کا ماخذ چارلس برلٹیز کی محققانہ تصنیف۔ مثلث برمودا۔ ہے۔ ہم نے آپ کے سامنے جو کچھ بھی پیش کیا ہے اسی کی تلخیص ہے۔

اگر آپ کو تفصیل دیکھنا ہو تو آپ اصل مدرک ۔ مثلث برمودا ۔ میں دیکھ سکتے ہیں۔ چارلس برلیٹز نے یوں تو بے شمار محققین کے نظریات پیش کئے ہیں لیکن ان تمام نظریات سے ہمیں مندرجہ بالا بیس نظریات ہی قابلِ ذکر نظر آئے اس لئے صرف انہی کے پیش کرنے پر اکتفا کی ہے ۔

متفقہ نظریہ :۔

بیسیوں محققین کے نظریات ہم نے کچھ پیش کئے ہیں اور کچھ عمداً ترک کر دیئے ہیں ۔ ان تمام نظریات میں اگر آپ ایک قدرِ مشترک تلاش کرنا چاہیں تو وہ یہ ہے ۔ مثلث برمودا تا حال ایک نا قابلِ فہم ۔ ادراک و شعور سے ماوریٰ ۔ فکر و تدبر سے بالا اور دانش و بینش سے بلند ایک نا حل شدہ معمہ ہے ۔

امریکی ماہرین :۔

مثلث برمودا پر تحقیق کرنے والے تمام ماہرین میں سے صرف امریکی مفکرین نے انتہائی کشادہ دلی اور وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ پر اس بات کا اعتراف کیا ہے ۔۔ ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے کہ مثلث برمودا میں ایک ایسی پراسرار مخفی اور پوشیدہ قوت موجود ہے جس نے تا حال ہمیں اپنے نقش پا تک سے بھی دور رکھا ہوا ہے ۔ خواہ ہم اس پوشیدہ قوت کو کرۂ ارض کی لامحدود مقناطیسی قوت کا نام دیں یا کوئی اور ۔۔ بہر نوع وہ ایک ایسی نادیدہ حقیقت ہے جو اپنے سامنے آنے والی ہر چیز کو اس طرح نگل لیتی ہے کہ پھر اس کے نشان تک کا سراغ لگانا ہماری بشری عقل و فکر عاجز کر دیتی ہے ۔

چارلس برلیٹز لکھتا ہے کہ ۔ جب کبھی ہمیں ان معماتی حادثات کا جواب ملے گا

اسی دریائے آرام المعروف دریائے سارگاسو ہی سے ملے گا۔ اور دورِ جدید میں کرۂ ارض کے پُر اسرار مقامات میں سے وہ مقام ہے جو انسانی فکر و عقل کے لئے ایک کھلی دعوت ہے۔

اس کے بعد چارلس نے اپنے مافی الضمیر کا مزید صراحت کے ساتھ یوں اعلان کیا ہے کہ۔ مثلث برمودا میں رونما ہونے والے حادثات موجودہ سائنس اور سائنسی ایجادات کے لئے ایک کھلا چیلنج ہیں۔ اور واضح اعلان ہے کہ۔ مثلث برمودا کے علاقہ میں ایک سربستہ راز اور غیر طبعی عامل موجود ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو اس علاقہ میں مزید ہوائی اور بحری قوت صرف کر کے اپنی جدید ترین ایجادات کا حشر بھی دیکھ لو۔ جس طرح پہلے کبھی کوئی ہوائی یا بحری جہاز آب سفید میں آنے کے بعد واپس پلٹ کر تمہیں کچھ نہ بتا سکا اسی طرح آج بھی جو آئے گا اس کا حشر قبل ازیں آنے والے سے مختلف نہ ہو گا۔

ایک اور امریکی محقق لکھتا ہے کہ عرصہ دراز کی طویل تحقیقات اور تجربات کے بعد ہم نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ۔ مثلث برمودا میں کوئی ایسی حیرت انگیز اور پُر اسرار شے ضرور موجود ہے جو ہمیں اپنے قریب جانے سے روکے ہوئے ہے اور ہم اپنے جدید ترین وسیع وسائل کے باوجود اسے دریافت نہیں کر پائے۔ بنا بریں مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات کے لئے ہمارے پاس کوئی ایسی معقول اور سائنٹیفک تاویل و توجیہ نہیں ہے جسے ہم ان حادثات کی بنیاد قرار دے سکیں۔ ایسے لگتا ہے کہ ہوائی اور بحری جہاز جاتے جاتے اچانک کسی ایسی الیکٹرانک شے کا شکار ہوتے ہیں کہ ہم دیکھتے رہ جاتے ہیں اور ہوائی یا بحری جہاز غائب ہو جاتا ہے۔

سفید پانی:۔

چارلس برلیٹز نے آب سفید کے متعلق جو مشاہدات پیش کئے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

- کرسینٹ کلب پہلا وہ شخص ہے جس نے اس نادر دریافت شدہ علاقہ کے

آب سفید کی چمک کو دریافت کیا۔ ۱۱۔اکتوبر ۱۴۹۲ء کا دن غروب ہو چکا تھا بلکہ غروب آفتاب کو دو گھنٹے گزر چکے تھے کہ اس کی کشتی دریائے سارگاسو کے مغربی کنارے پر آب سفید کی حدود میں داخل ہوئی۔ جونہی کرسینٹ نے اس پانی کی سفیدی دیکھی تو اس نے محسوس کیا کہ یہ پانی غیر معمولی طور پر سفید ہے اور اس کی سفیدی فضا میں بہت زیادہ فاصلہ سے بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

● اپالو ۱۲ کے ہوا بازوں نے اپنی آخری منزل پر فضائے بیکراں کی لامحدود بلندی سے مثلث برمودا کے آب سفید کو دیکھا اور بے ساختہ پکار کر کہنے لگے کہ — اگر سطح زمین سے نور کی کوئی آخری کرن نظر آتی ہے تو وہ صرف اور صرف مثلث برمودا کا آب سفید ہی ہے۔

قابل توجہ مثلث برمودا کے سلسلہ میں یہ نکتہ بھی انتہائی قابل غور ہے کہ جس کسی کو بھی مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثہ کے تذکرہ کا موقعہ ملا ہے اس نے مثلث برمودا کے آب سفید کو کبھی فراموش نہیں کیا اور جس محقق نے مثلث برمودا کی تحقیق کی ہے اس نے بھی مثلث برمودا کے غیر معمولی آب سفید کا نکتہ اپنی بحث میں ضرور اُٹھایا ہے — سوال یہ ہے کہ یہ آب سفید کہاں سے آرہا ہے؟ اس کا منبع کہاں ہے؟ آج تک اتنا بھی تو معلوم نہیں ہو سکا۔ جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ صرف یہ ہے کہ — آب سفید طولاً کم و بیش ایک میل تک چلتا ہے پھر رفتہ رفتہ معدوم ہو جاتا ہے۔

چارلس برلٹیز لکھتا ہے کہ اس حقیقت کو کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے بہر صورت یہ مسلمہ ہے کہ مثلث برمودا میں آب سفید جو پُراسرار بھی ہے اور حیرت انگیز بھی ہے اور جیسے کرسینٹ کلب اور اپالو ۱۲ کے ہوا باز دیکھ کر ہمیں بتا چکے ہیں؛ بھی حادثات میں لامحالہ دخیل ہے۔

● مثلث برمودا میں تحقیقاتی ٹیم کی اُنیسویں پرواز کا آخری پیغام جو ریکارڈ کیا گیا وہ صرف اس قدر تھا کہ ــــ ہم مکمل طور پر گم گشتہ راہ ہیں۔ ہم آب سفید کی فضا میں بھٹک کر رہ گئے ہیں ــــ اس کے بعد کچھ پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں کھو گئے اور ان کے ساتھ کیا بیتی ــــ

ان مسلمہ مشاہدات وحقائق کی روشنی میں ہم علی ابن فاضل سیاح جزیرۂ خضراء کے اگر وہ الفاظ یاد کریں جو اسے کشتی امام زمانہ کے ناخدا نے کہے تھے تو ممکن ہے اور کوئی اس سربستہ راز تک پہنچے یا نہ پہنچے شیعیان آل محمد اور انتظار کنندگانِ امام زمانہ اس معمہ کو حل کرنے میں یقیناً کامیاب ہو جائیں گے۔ وہ الفاظ یہ ہیں :۔

یہ آب سفید جزیرہ خضرا کی ناقابل تسخیر فصیل ہے۔ ہمارے مخالفین کے جہاز خواہ کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں جب آب سفید کی فصیل کو توڑنے کی سعی لاحاصل کریں گے تو غرق ہو جائیں گے اور یہ سب کچھ ہمارے آقا امام زمانہ کی برکت ہے۔

یہ نور کہاں سے چمکتا ہے ؟

مثلث برمودا میں تحقیق کنندگان نے دسیوں مرتبہ مثلث برمودا کی فضا میں اپنی آنکھوں سے غیر معمولی نور کی چمک کا مشاہدہ کیا ہے اس نور کے متعلق ایڈگر کاش نے اپنے نتیجہ فکر کا اظہار یوں کیا ہے ــــ یہ نور ایسے بڑے ہیوی جنریٹروں سے نکلتا ہے جو اس پوزیشن میں ہیں کہ ہر قسم کی فضائی اور بحری سروس سے اپنا تحفظ کریں۔ ریڈیو اور ٹی وی جیسے آلات کو بیکار کر کے سینکڑوں میل کی مسافت سے غیر مبہم فضا و یر لے سکیں۔

چارلس برلٹیز نے مثلث برمودا میں ایڈگر کے متعلق لکھا ہے کہ ایڈگر کا مذکورہ نظریہ ان تحقیقات کی پیداوار ہے جو اس نے خود اور دیگران محققین کے مشاہداتی بیان دیکھے

ہیں جنہوں نے مثلث برمودا کی تحقیق و تجسس میں برسوں اسی علاقہ میں رہنے کی ریاضت کر کے اپنے مشاہدات کو مربوط اور منظم کر کے پیش کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آج کے علمی دور میں ایڈگر کا نظریہ مثلث برمودا کی تحقیقات کو آگے بڑھانے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ایڈگر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مثلث برمودا کے باسی 'جب لیزر شعاعیں ایجاد نہیں ہوئی تھیں' آج سے صدیوں پہلے قدرت کی عطا کردہ ان نورانی منابع سے مستفید ہو رہے تھے

سبز روشنی - یا - گرین لائیٹ :-

جب کبھی مثلث برمودا پر بحث و گفتگو ہوتی ہے تو تمام محققین جہاں دوسرے حیرت انگیز امور پر بحث کرتے ہیں وہاں مثلث برمودا کی سطح زمین سے فضائے بسیط تک نظر آنے والا سبز نور بھی ان کی بحث کا موضوع بنتا ہے۔ ممکن ہے یہی سبز نور جزیرۂ خضرا کی وجہ تسمیہ میں بھی دخیل ہو۔ سبز نور کے متعلق چند آراء ملاحظہ فرمائیے :-

چاک ویکلی کے مطابق جو امریکی فضائیہ کے متعلم ہوابازوں میں سے ہے کہتا ہے میں نے جب مثلث برمودا کی فضا میں سبز نور کا مشاہدہ کیا تو اس کی تعریف ان الفاظ میں کی :-

غروب آفتاب سے تھوڑی دیر بعد میں نے جزائر باہاما کے دارالحکومت ناساؤ سے پرواز کی۔ موسم بالکل صاف تھا اور ستارے سینۂ آسمان پر اپنی پوری آب و تاب سے جگہ جگہ چمک رہے تھے۔ تقریباً ساڑھے نو بجے میں انڈروس کے انتہائی شمالی حصہ سے گزرا انڈروس کی سیدھ سے تیس اور پچاس درجے کے زاویہ کے درمیان میری پرواز تھی۔ یعنی یہ میری پرواز کا خط مستقیم بنتا تھا۔ میرا جہاز کم و بیش آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر تھا۔ کہ اچانک کسی غیر معمولی اور غیر مادی شئے سے سابقہ پڑ گیا۔ ہوا یوں کہ میرے ہوائی جہاز کے پر یکدم سبز ہو گئے اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ جیسے تمام کے تمام پر ریڈیم سے بنائے گئے

ہوں۔ میں نے حیرت سے اپنے دائیں بائیں دیکھا کچھ سمجھ نہ آیا۔ چنانچہ پہلے جو میں نے فیصلہ کیا تھا وہ یہ تھا کہ ۔ پائلٹ کے کمرہ کی روشنی کا عکس ہے جو رنگ شدہ پلاسٹک پر پڑکر کیبن کے اندر آرہا ہے اور محض فریب نظر ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ہوائی جہاز کے پر انتہائی صاف و شفاف ہیں اور اس شفافیت کی وجہ سے ان کا رنگ ہلکا سبز نظر آتا تھا جبکہ پہلے کبھی ایسے نہ ہوا تھا اور پر سفید ہی نظر آتے تھے۔ میں اسی فکر میں تھا کہ چند منٹ کے اندر ہوائی جہاز کے پر اتنے گہرے سبز ہو گئے کہ مجھے کسی میٹر کی کوئی سوئی تک نظر نہ آتی تھی۔ ہوائی جہاز کے تمام الیکٹرانک آلات میرے قابو سے باہر ہو گئے۔ اب میرے ذہن میں دو ہی باتیں تھیں ایک تو یہ کہ میرا جہاز زمین کے مدار سے نکل کر کسی اور سیارے کے مدار میں پہنچ گیا ہے اور دوسری یہ کہ یہ صرف اشتباہ ہے اور کچھ نہیں۔ کہ یکایک تمام ہوائی جہاز منور ہو گیا۔ اتنا تو مجھے یقین ہے کہ یہ روشنی انعکاسی نہ تھی بلکہ ہوائی جہاز کی پیدا کردہ تھی۔ میں نے شیشہ سے جھانک کر ہوائی جہاز کی بیرونی سطح کو دیکھا تو جہاں تک مجھے پر نظر آسکتے تھے وہ بھی اندرونی منظر کی طرح غیر عادی طور پر اس قدر روشن اور منور تھے کہ میری آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ یہ سلسلہ تقریباً پانچ منٹ تک رہا۔ پھر آہستہ آہستہ روشنی مدھم ہونے لگی۔ حتیٰ کہ بالکل ختم ہو گئی۔ جونہی روشنی ختم ہوئی ہوائی جہاز کے تمام آلات نارمل ہو گئے۔ جب منزل مقصود پر آکر میں نے اپنے آج کے مشاہدہ سے دوسروں کو آگاہ کیا۔ تو وہ کہنے لگے کہ ہمارے لئے یہ نئی اطلاع نہیں ہے ہم بھی بارہا ایسے مشاہداتی حادثہ سے گزر چکے ہیں۔

مؤلف ۔ مؤلف کتاب نے جب ان حادثات کے قصے سنے اور ان تمام متعلقہ حادثات میں بار بار اس سبز نور کا تذکرہ دیکھا تو دفعتاً اس کے ذہن میں یہ خیال تیر کی طرح پیوست ہو گیا کہ جزیرۂ خضراء کو جزیرۂ خضراء کیوں کہتے ہیں ؟ کیا صرف اس لئے اسے جزیرۂ خضراء کہا جاتا ہے کہ یہ خطہ ارض سرسبز و شاداب ہے اور ہر سو ہریالی ہی ہریالی رہتی

ہے ؟ کیا اس لئے اسے جزیرۂ خضر کہا جاتا ہے کہ اس کے باسی اطمینان بخش اور پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں ؟ لیکن یہ اسباب ہرگز نہیں ہوسکتے کیونکہ ہر جزیرہ شاداب ہے ہر جزیرہ پر سبزہ کے فرش بچھے ہیں اور ہر جزیرہ کے باسی انتہائی اطمینان وسکون کی زندگی گزار رہے ہیں — لہٰذا جزیرۂ خضرا کی وجہ تسمیہ کوئی اور ہونا چاہئے — اور وہ وجہ تسمیہ یہ ہوسکتی ہے کہ جزیرۂ خضرا کی سرزمین سے پھوٹنے والی شعاعوں کا رنگ سبز ہے اور جزیرۂ خضرا سے سبز رنگ نور جنم لے کر فضا میں بکھرتا رہتا ہے اس لئے اسے جزیرۂ خضرا کہا جاتا ہے۔

قابلِ توجہ نکتہ یہ بھی ہے کہ صرف جاک وریکلی واحد وہ شخص نہیں ہے بلکہ دسیوں اور ہوا باز بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ وہ پائیلٹ ہیں جنہیں مثلث برمودا کی تحقیقاتی ٹیم میں بھرتی کرکے بحرِ اوقیانوس کی فضا میں مثلث برمودا کے فوٹو لینے کے لئے بھیجا گیا جب یہ لوگ مثلث برمودا کی فضا میں پہنچے تو حادثہ سے دوچار ہوگئے۔ اور ریڈیو کے ذریعے ان کا آخری پیغام جو سنا گیا وہ یہ تھا :-

- اب ہوائی جہاز ہمارے کنٹرول میں نہیں ہے۔
- ہمارے جہاز کے تمام آلات ڈیڈ ہیں۔
- اب ہم آبِ سفید کی فضا میں پرواز کر رہے ہیں۔
- ہمیں اب سفید کے درمیان ایک جزیرہ نظر آرہا ہے لیکن اس جزیرہ سے ایسی شدید سبز روشنی پھوٹ رہی ہے کہ ہم کوئی فلم نہیں بنا سکتے۔

ان جملوں کے بعد ان کا رابطہ کٹ گیا۔ پھر نہیں معلوم کہ ان کے ساتھ کیا بیتی اور وہ کہاں چلے گئے ؟ یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ پیغام کسی ایک جہاز کا نہیں بلکہ تحقیقاتی مہم پر جانے والے ہر پائیلٹ کا آخری پیغام یہی تھا جس کے بعد رابطہ ہی ختم ہوگیا۔

ان حقائق کی روشنی میں بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۔
جزیرۂ خضرا، بحر اوقیانوس کے اسی علاقہ میں ہے جہاں مثلث برمودا ہے اور تمام حادثات کا سبب صرف اور صرف غیبی اور الٰہی طاقت کا نتیجہ ہیں ۔ جس طرح آج تک کسی کو مثلث برمودا میں پیش آنے والے حالات کا سبب معلوم نہیں ہو سکا اسی طرح جب تک مشیتِ ایزدی کا تقاضا ہوگا آئندہ بھی ان حادثات کا سبب کسی کو معلوم نہ ہو سکے گا ۔

ضروری وضاحت :-

۱۔ مقدمۂ کتاب میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے یا جو کچھ مؤلف گرامی قدر نے کتاب میں پیش کیا ہے اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم اس بات کے قطعی مدعی ہیں کہ ـــــ مثلث برمودا کا دوسرا نام جزیرۂ خضراء ہے ـ یا ـ جزیرۂ خضرا کا دوسرا نام مثلث برمودا ہے ـ بلکہ ہم نے جزیرۂ خضراء کے متعلق بتائی گئی علامات اور مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات میں ہم آہنگی کے پیش نظر ایک احتمال کے بطور پیش کیا ہے اور مفکر محققین کو تحقیق کے لئے ایک خط فراہم کیا ہے تاکہ اپنی تحقیق کو ہمارے بتائے ہوئے خط کی روشنی میں مزید آگے بڑھائیں اور کوئی مناسب فیصلہ کریں تاکہ اس نظریہ کی نفی یا اثبات جو بھی واضح ہو جائے ۔

۲۔ مذکورہ احتمال پیش کرنے میں ہمارے دو مقاصد ہیں ۔ پہلا مقصد راہ تحقیق کا تعین ہے اور دوسرا مقصد اپنے قارئین کو ہمہ وقت اپنے امام زمانہ کی یاد میں مصروف رکھنا ہے ۔

۳۔ مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات کا تعلق مثلث کے عین وسطی علاقہ سے ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں تک کوئی بحری یا فضائی جہاز بصد کوشش بھی نہیں پہنچ سکا ۔ ویسے مثلث برمودا کے اطراف و نواح میں ایسے جزائر موجود ہیں جہاں آبادی بھی ہے اور فضائی و بحری جہازوں کی آمد و رفت بھی ہے ۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان جہازوں میں سے واپس صرف وہی جہاز آسکے ہیں جنہوں نے مثلث

برمودا کے وسطی علاقہ کے گرد آب سفید کے کھینچے ہوئے حصار کو عبور کرنے کی کوشش کی ہی نہیں ۔

۴ ۔ زیر نظر کتاب جزیرۂ خضراء کے مقدمہ کا ترجمہ ہم نے مؤلف علام کی اجازت سے آزاد ترجمہ کے طور پر کیا ہے اور چوتھے حصہ کا ترجمہ مترجم کی یادداشتوں کے پیش نظر تشریح سے کیا ہے ۔

۵ ۔ ہم نے جزیرۂ خضراء کی طبع اول کا ترجمہ فارسی میں کیا ہے لیکن مؤلف علام نے اپنی کمال مہربانی اور نوازش سے طبع دوم کے اضافہ جات بھی ہمیں مرحمت فرمادیئے جنہیں ہم نے اپنے ترجمہ فارسی میں شامل کر دیا ہے ۔

۶ ۔ ہماری قارئین سے بصد نیاز استدعا ہے کہ اگر وہ اس کتاب پر تعمیری تنقیدات فرمانا چاہیں تو بھی ہمیں ان تنقیدات سے نوازیں اور اگر ان کے پاس اس سلسلہ میں مزید معلومات ہوں تو بھی ہمیں روانہ فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں انھیں بھی شامل کتاب کیا جاسکے ۔

یہ تمام مساعی ہم اس پختہ یقین سے کر رہے ہیں کہ اب وہ دن دور نہیں جب امام زمانہ جو اس کرۂ ارض کا آخری اور بلا شرکت غیرے واحد تاجدار ہے تشریف لانے والا ہے اور وہ دن قریب ہیں جب امام زمانہ کرۂ ارض کے حکمران کی حیثیت سے ان جغرافیائی تمام نہاد سرحدوں کو کالعدم کرکے پورے کرۂ ارض کو ایک نظم کی لڑی میں پرو کر ایسی حکومت قائم کرے گا جس میں عدل ہی عدل اور انصاف ہی انصاف ہوگا اور ہم اپنے کعبہ امید کی دست بوسی کا شرف حاصل کرکے ان تمام ظلمات سے نجات پا جائیں گے ۔

حوزۂ علمیہ قم ۱۵ شعبان ۱۴۰۳ھ

علی اکبر مہدی پور

مؤلّف
کا
پیش لفظ

یہ حقیقت ہے کہ عصر حاضر کی انسانی فکر نے بڑی تیزی سے منازل ارتقائے طے کی ہیں۔ بہت کم عرصہ میں فضائے بسیط کے بحر بیکراں میں تیر کر کرۂ ماہ پر جا خیمہ زن ہوا ہوا ہے۔ فکر انسانی نے فضائی کشتیوں کی حیرت انگیز ایجاد کے بعد مصنوعی چاند کو بھی جنم دے لیا ہے اور کمپیوٹر کی شکل میں دماغ بھی ایجاد کر لیا ہے — مگر با ایں ہمہ — اگر انسان یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ — اب ہر مشکل حل ہو چکی ہے۔ عالم ہستی کے تمام اسرار کا چہرہ بے نقاب کر دیا گیا ہے۔ اور اب کوئی راز راز نہیں رہا — تو یہ فکر انسانی کی نا قابل عفو غلطی اور نا قابل تلافی جرم ہوگا — کہاں قدرت کے سربستہ راز اور کہاں انسان کی فکر نا بالغ!

اگر خالق کونین کی تخلیقات کو سامنے رکھا جائے پھر انسانی ایجادات کو دیکھا جائے تو یوں معلوم ہوگا کہ — خالق اکبر کی بے مثل صنعت ایک بحر بیکراں ہے اور انسانی ادراکات اس بحر بے کراں سے ایک قطرہ ہیں — انسان اپنی ان فوری۔ صنعتی۔ معاشی۔ تمدنی اور اقتصادی ترقی کی بلند چوٹی پر پہنچ جانے کے باوجود عالم شہود کی معمولی سے معمولی مشکل کے سامنے بھی بے دست و پا ہو کر رہ جاتا ہے — جس انسان نے بلندی کو اتنا مسخر کر لیا ہے کہ فضا میں اڈے قائم کر رہا ہے اسی انسان کا زمین کی پستی منہ چڑا رہی ہے اور زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ اے او نادان! ابھی تک تجھے میرے شکم سے جنم لینے والے زلزلوں، میرے پانی کے طوفانوں اور میرے پہاڑوں کی آتش فشانی نے اس قدر عاجز کر رکھا ہے کہ میری ایک کروٹ سے بلبلا اٹھتا ہے اور تو اٹھ تا ہے آسمانوں میں —
ہر دور میں ہر انسان نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ چند ملی میٹر کی بارش اور چند سنٹی میٹر کی برفباری انسانی سر غرور کو اس طرح جھکا دیتی ہے کہ انسان کے ایجاد کردہ

الیکٹرانک آلات اور ہوائی کشتیاں تک بے بس ہو جاتی ہیں ۔ انسان کی ان مجبوریوں کو خالق انسان نے سورۂ حج ص۳ میں انتہائی سادگی کے ساتھ ان الفاظ میں بیان فرمادیا ہے ۔

اللہ کے علاوہ تم جنہیں بھی پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے ۔ خواہ وہ سب مل کر ہی کوشش کریں ۔ اگر ان کے کسی عضو پر مکھی بھی بیٹھ جائے تو وہ اتنے عاجز ہیں کہ اسے اڑا بھی نہیں سکتے ۔ طالب و مطلوب دونوں کتنے کمزور ہیں ۔ کسی ایرانی شاعر نے کتنی اچھی ترجمانی کی ہے ؎

عاجزاں کہ عاجزاں را بندہ اند
چون فتد کارے ز ہم شرمندہ اند

جو لوگ اپنے جیسے عاجز انسانوں کے غلام بنے ہوئے (بے عقل ہیں کیونکہ) جب کوئی مصیبت آجاتی ہے تو دونوں شرم کے مارے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگتے ہیں ۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ آج کا مغرور مغرب ۔ نشۂ ایجادات سے چور یورپ اور شراب دولت سے مخمور امریکہ آج تک اللہ کی پست ترین اور کمزور تر مخلوق مکھی اور مچھر کے سامنے مجبور ہے ۔ ذرا وسعت ظرفی سے فکر کیجئے کہ اپنے آپ کو سپر پاورز کہلاتے والی طاقتیں شب و روز تخریب کاری میں مصروف قوتیں اور اپنے مخالفین کو چیونٹی کی طرح پائے استحقار سے مسل ڈالنے والی قوتیں کتنی بے بس ہیں اور کتنی لاچار ہیں کہ اپنی اس چیز کو دوبارہ حاصل نہیں کر سکتیں جسے ایک معمولی سی مکھی اور ناتواں سا مچھر تباہ کردے ۔ وہاں تو ان کے ایٹمی بم ۔ الیکٹرانک آلات اور جدید ترین ایجادات تک ناکارہ ہو جاتی ہیں ۔ ان حقائق سے ایک معمولی سی عقل و دانش رکھنے والے انسان کے لئے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں رہتا کہ ۔ جو انسان اپنی ترقیاتی سرگرمیوں میں اتنا بلند پرواز ہو چکا ہے کہ اس کرۂ ارض سے اڑ کر افلاک کی پہنائیوں میں اپنے ٹھکانے تلاش کر کے اپنی کامیابی

کے جھنڈے گاڑتا پھرتا ہے وہ اکبر اللہ کی ایک ضعیف سے ضعیف تر مخلوق کے مقابلہ میں کتنا بے کس۔ بے بس اور حقیر تر ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ نبوی مسند کا چھٹا تاجدار امامت تخت حکومت کے کجکلاہ عباسی حکمران منصور دوانقی کے ہاں تشریف فرما تھے اور منصور اپنی اکڑفوں میں اپنی حکومت کا رعب و دبدبہ بٹھانے کی خاطر پرجوش تقریر میں معروف تھا۔ اور آپ پر عدم تعاون کی ناراضگی کا اظہار کر رہا تھا کہ ایک مچھر آگیا اور لگا منصور کی ناک کا طواف کرنے۔ منصور کبھی ہاتھ ہلا کر اسے پیچھے دھکیل رہا تھا اور کبھی اپنی ناک کا سرا ایک طرف کر کے بچ رہا تھا مگر مچھر تھا کہ اس کی جان بخشی نہیں کر رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منصور کا جوش تقریر کافور ہو گیا، الفاظ کا تسلسل ٹوٹ گیا اور سانس اکھڑ گئی۔ آخر زچ ہو کے کہنے لگا۔ پتہ نہیں اللہ نے اس بے فائدہ اور بیہودہ مخلوق کو کیوں پیدا کیا ہے۔ تاجدارِ ولایت نے مسکرا کر فرمایا۔ تاکہ اسی حقیر سی مخلوق کے ذریعہ ایک مغرور، جابر اور ظالم حکمران کو اس کی بے بسی اور بیکسی کی طرف توجہ دلائے۔

قرآن حکیم کی پیش کردہ آیت اور صادق آل محمد کی توضیح کے پیش نظر بے بس انسان قطعاً یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ کائناتِ عالم کے تمام راز اس کے پاس ہیں اور اب وہ پوری کائنات کا حکمران ہے۔ کائناتِ عالم کی موجودات میں انسان کی نسبت ایک ذرۂ بے مقدار سے زیادہ نہیں ہے۔ موجودات عالم کے تمام سربستہ اسرار پر اطلاع تو بہت دور کی بات ہے ابھی تک تو انسان کی معلومات اپنے کرۂ ارض کے معاملہ میں بھی صفر کے برابر ہیں۔ بے شک آج کا مغرور انسان بڑی بڑی دوربینیں ایجاد کر کے رصدگاہوں میں بیٹھ کر اجرام فلکیہ کا مشاہدہ کر کے اپنے ابنائے نوع کو اپنی وسیع تر معلومات سے مرعوب کر لے لیکن موجودات کے تمام اسرار کا انکشاف معمہ ہی رہے گا۔

ہمارا مسکن یہ کرۂ ارض اگر نظام شمسی میں موجود دیگر سیاروں کے گراف میں دیکھا

جائے تو معلوم ہوگا کہ اس گراف میں کرہ ارض واحد وہ کمترین موجود ہے جسے دیگر سیاروں کے باسی بہت بڑی اور طاقتور دوربینوں کے سوا دیکھ تک نہیں سکتے ۔ پھر جس کہکشاں کے گرد ہمارا نظام شمسی محو طواف ہے اگر اس کہکشاں کو دوسری کہکشاؤں کے گراف میں دیکھا جائے تو جہاں دوسری کہکشاؤں کا قد ایک ایک فٹ نظر آئے گا وہاں ہمارے نظام شمسی کی کہکشاں کا قد زیادہ سے زیادہ ایک سینٹی میٹر ہی نظر آئے گا ۔ موجودہ تحقیقات کے مطابق دیگر معلوم شدہ لاکھوں کہکشاؤں کے مقابلے میں اگر ہزاروں نہیں تو سیکڑوں درجے ضرور کم تر ہے ۔ اگر دیگر کہکشاؤں کے باشندے ہماری کہکشاں کو دیکھنا چاہیں تو انہیں یا ورقل بہت بڑی کوہ پیکر دوربین ایجاد کرنا پڑیں گی ۔

جس انسان کو تا حال اپنے کرہ ارض کے پوشیدہ رازوں کا سراغ نہیں مل سکا بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ جو انسان ابھی تک اپنے وجود سے بے خبر ہے کیونکہ عالمی چیمپئین ڈاکٹر الیکسس کارل نے اپنے وجود سے حقیقی ناآشنائی کا اعتراف کرتے ہوئے ہی ۔ ناشناختہ انسان موجود ۔ نامی کتاب لکھی ہے ۔ بھلا وہی انسان کب یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے سب کچھ پا لیا ہے ۔

اگر انسانی معلومات کا موازنہ دوسرے نظام شمسی میں موجود سیاروں کی معلومات سے کیا جائے تو اس حقیقت کا انکشاف ہوگا کہ انسان نے آج تک جو کچھ حاصل کیا ہے اس کی مقدار کتنی ہے اور جو کچھ تا حال انسان معلوم نہیں کر سکا وہ کتنا ہے ۔۔۔۔ آئیے چند منٹ کے لئے دیکھ لیں ۔

انسان نے ستاروں کے باہمی فاصلہ کو ناپنے کی خاطر جو پیمانہ بنایا ہے وہ ہے نوری سال ۔ نور کی اوسط رفتار ۔ تین لاکھ کیلو میٹر فی سیکنڈ ہے ۔ یعنی ایک منٹ میں نور ایک کروڑ اسی لاکھ کیلو میٹر ۔ ایک گھنٹہ میں ایک ارب آٹھ کروڑ کیلو میٹر ۔

ایک دن میں پچیس ارب بانوے کروڑ کیلومیٹر۔ ایک ماہ میں سات کھرب ستتر ارب ساٹھ کیلومیٹر۔ اور ایک سال میں ترانوے کھرب اکتیس ارب بیس کروڑ کیلومیٹر کا سفر طے کرتا ہے۔ یہ علم ہیئت کے موجودہ اور قدیم ماہرین کا متفقہ مقرر کردہ پیمانہ ہے۔ اب اگر ہمیں یہ بتایا جائے کہ فلاں ستارہ کرہ ارض سے ایک نوری سال کے فاصلہ پر واقع ہے تو ہمیں یہی سمجھنا ہوگا کہ وہ ستارہ ہمارے کرۂ ارض سے ترانوے کھرب اکتیس ارب اور بیس کروڑ کیلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اب ایک منٹ میں دیکھتے ہیں کہ علم ہیئت کے انہی جدید و قدیم علماء نے کرہ ارض سے دیگر سیاروں کے جو فاصلے بتائے ہیں وہ کتنے ہیں۔

- کرہ ارض سے قریب ترین سیارہ چاند ہے جس کی روشنی کو زمین تک پہنچنے کے لئے ۱½ منٹ کا وقت صرف ہوتا ہے۔ گویا چاند زمین سے تین لاکھ چوراسی ہزار کیلومیٹر دور ہے۔
- زہرہ سیارہ کے کرہ ارض سے فاصلہ میں اختلاف ہے۔ نجوم بے ٹیلسکوپ کے مطابق زہرہ کا کرہ ارض سے زیادہ سے زیادہ فاصلہ دو سو باون ملین کیلومیٹر اور کم از کم فاصلہ چالیس ملین کیلومیٹر بتایا گیا ہے۔
- از جہاں ہائے دور صفحہ ۲ کے مطابق کرہ ارض پہ سورج کی روشنی کو پہنچنے کے لئے آٹھ منٹ کا وقت صرف کرنا پڑے گا۔ گویا زمین سے سورج ایک سو انچاس عشاریہ پانچ ملین کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔
- برہمن یگوچا - جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ کے مطابق سورج کے بعد زمین سے قریب ترین سیارہ - پراکسیما ہے جو زمین سے چار نوری سال کے فاصلہ پر ہے۔
- اس کے بعد زمین سے قریبی سیارہ شعریٰ ہے جو زمین سے نو نوری سال کے فاصلہ پر واقع ہے۔

- شعریٰ کے بعد زمین کا قریبی سیارہ جدی ہے جو کرۂ ارض سے پچاس نوری سال کے فاصلہ پر ہے۔
- جدی کے بعد عیوق جو کرۂ ارض سے نوے نوری سال کے فاصلہ پر ہے۔
- عیوق کے بعد ثریا ہے جو ایک سو چالیس نوری سال کے فاصلہ پر ہے۔

یہ تو وہ سیارے ہیں جنہیں زمین کا ہمسایہ اور زمین سے قریب تر شمار کیا جاتا ہے اگر ہم اپنی اس کہکشاں کے اندر کھڑے ہو کر باہر کی دنیا میں جھانکنا چاہیں اور اپنی کسی پڑوسی کہکشاں کے گھر جانا چاہیں تو ہماری قریب ترین کہکشاں کا نام ہے ۔ سحابی ۔ یا ۔ المرأۃ المسلمہ ہے علمائے ہیئت کے مطابق ۔ سحابی کے نور کو ہم تک پہنچنے کے لئے دس لاکھ نوری سال کا وقت درکار ہے۔

اب خدا معلوم اس جیسی کتنی کہکشائیں ہیں جو اس عالم میں موجود ہیں۔ ابھی تک ان کی تعداد کا تعین نہیں کیا گیا۔ ہر کہکشاں کے پاس اربوں کی تعداد میں ستارے ہیں۔ ہماری اس چھوٹی سے چھوٹی کہکشاں کے گرد گھومنے والے ستاروں کا تخمینہ تیس ارب لگایا گیا ہے۔

ہماری عقل و خرد کی دسترس سے باہر جو کہکشائیں موجود ہیں ان میں اربوں ستاروں کے موجود ہونے کا اندازہ لگایا گیا ہے اور یہ بھی سُنا گیا ہے کہ ابھی تک اربوں کی تعداد میں ایسے ستارے موجود ہیں جن کی روشنی کو ان ستاروں سے چلے ہوئے لاکھوں نوری سال گزر چکے ہیں لیکن تاحال ان کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ سکی۔

عصر نو کی نت نئی ایجادات اور صنعتی ترقی کے باوجود انسان تاحال ایسا کوئی ٹیلسکوپ ایجاد نہیں کر سکا جس کے ذریعہ اپنی رصدگاہ میں بیٹھ کر شمال کے اولین نقطہ سے جنوب کے آخری نقطہ تک ۔ مشرق کے آغاز سے مغرب کے اختتام تک

اور تحت الثریٰ کے شروع سے کرسی کے ختم ہونے تک پورے عالم کے ایک ایک ذرّے کا مشاہدہ و معائنہ کر سکے۔ جبکہ از روئے قرآن یہ بھی مسلم ہے کہ یہ عالم اپنی صنعت کے روز اول سے لے کر مزید وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ غور فرمائیے سورۂ ذاریات نمبر ۴۷ میں ارشاد رب العزت ہے۔ آسمان کو ہم نے اپنی قدرت سے بنایا ہے اور ہم اس میں وسعت کرتے چلے جا رہے ہیں۔

کائنات عالم میں وسعت کا راز ہزاروں برس انسان سے پوشیدہ رہا بیسویں صدی کے اوائل میں۔ آیلومٹر۔ نے کائنات عالم کے پھیلاؤ کا انکشاف کیا۔ یوں قرآنی آیت کے معنی کی تصدیق سائنس سے ہوئی اور قرآن کا علمی و فکری اعجازی پہلو قائلین و منکرین ہر دو کے سامنے آیا۔

ماہر ہیئت دان حیرت سے انگشت بدندان ہیں کہ کائنات عالم حیرت انگیز طور پر انتہائی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے۔ مرزہائے نجوم۔ کے مطابق شجاع نامی ہماری کہکشاں ساٹھ ہزار کلومیٹر فی سیکنڈ کے حساب سے ہم سے دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اگر اس سیکنڈ کے حساب کو گھنٹوں میں تبدیل کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ۔ ہماری کہکشاں شجاع دو سو ملین کیلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ہم سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ اگر ہم مذکورہ حساب سے کائنات عالم کے تیزی سے پھیلاؤ کا حساب گذشتہ سالوں میں لگانا چاہیں تو ہمارے ضرب و جمع اور اعداد گننے والے تمام اعداد اور اعداد کے حامل کلکولیٹر بیکار اور عاجز ہو جائیں۔

انسان جو اپنے اس مسکن ارضی کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر اپنے بے پناہ وسائل کی وسعت کے باوجود ابھی تک اپنی زمین میں اسرار و رموز کے خفیہ خزانوں سے بھی کما حقہٗ آشنا نہیں ہو سکا جب کائنات عالم کے اسرار و رموز کا تصور کرے گا تو اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا کہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے

اپنا سر نیاز مٹی پر رکھ بعد عجز خالق کونین کے سامنے خالق کائنات کی کتاب سے درج ذیل آیت پڑھتے ہوئے سجدہ ریز ہو جائے۔

بقرہ ۱۶۴:- ارض و سما کی تخلیق۔ شب و روز کے اختلاف۔ رواں دواں دریاؤں کی موجزن روانی کے سینہ پر چلنے والی کشتیوں۔ خالق کون و مکاں کے حکم سے آسمان سے برس کر زمین کی گود میں آنے والے پانیوں اور پانی کی آمد کے بعد زمین کی مردہ کوکھ سے جنم لینے والے زندہ سبزہ زاروں، مختلف ہواؤں کے مختلف موسموں میں چلنے۔ آسمان و زمین کے مابین ہواؤں اور دوش ہوا پر حکم خدا سے لہراتے ہوئے بادلوں میں ارباب عقل و خرد کے لئے آیات و علامات ہیں ۔

مگر یہ خیال رہے کہ ہم نے جو لکھ دیا ہے کہ کائنات عالم کے مقابلہ میں انسانی معلومات اپنی وسعت کے باوجود لاشئے اور صفر کے برابر ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم آج تک کی ایجادات۔ تحقیقات اور انکشافات کو بے قدری کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے موجودہ انکشافات اپنی حد تک انتہائی بیش بہا اور قابل قدر ہیں اور ہم ان تمام انکشافی تحقیقات کی قدر کرتے ہوئے صرف یہی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ۔ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اگرچہ بہت کچھ ہے لیکن با ایں ہمہ جو قابل حصول انکشاف ہے اس کی نسبت سے صفر ہے۔ لہٰذا ہمیں مغرور و متکبر ہو کر اسی کشف شدہ کو سب کچھ سمجھ کر بیٹھ نہیں رہنا چاہیے بلکہ دامن تحقیق و انکشاف کو مزید سے مزید تر پھیلاتے رہنا چاہئے ۔ کبھی بھی یہ تصور تک نہ کرنا چاہیے کہ اب کوئی شئے نامعلوم نہیں رہی۔ جو کچھ تھا وہ ہم نے معلوم کر لیا ہے۔ تاکہ اس عقیدہ کو بنیاد بنا کر مستقبل میں جو بھی نئی چیز دعوت فکر دے اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا جائے کہ ۔ اب کوئی قابل انکشاف شئے موجود نہیں ہے لہٰذا نئی دریافت ہونے والی شئے کا وجود ہی نہیں ہے۔ یہ نظریہ بے علموں اور کم علموں کا ہے ۔

اب بھی ہے۔ اور شاید ہمیشہ رہے گا کہ جس چیز کو نہیں جانتے اس کے متعلق فتویٰ صادر کردیتے ہیں کہ ۔۔ یہ ہے ہی نہیں ۔

جہاں تک اہل فکر ونظر کا تعلق ہے ۔ جوں جوں ان کا دائرۂ معلومات بڑھتا جاتا ہے توں توں ان کی حیرت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور وہ اس استعجابؔ حیرت میں قدم آگے بڑھاتے جاتے ہیں اور اس کائنات کے سربستہ رازوں کو دیکھ دیکھ کر خالق کائنات کی عظمت کا اقرار واعتراف کرتے چلے جاتے ہیں ۔۔ ان ہی عالمی دانشمند مفکرین میں سے ولیم جیمس کہتا ہے ۔ کاش مجھے کوئی ایسی ہستی ملتی جو میرے سوال کا اطمینان بخش جواب دیتی پچاس برس سے زیادہ کا عرصہ ہو رہا ہے کہ میرے ذہن میں کائنات عالم کی وسعت اور پھیلاؤ کے سلسلے میں سوالات کا ایک بے پناہ لاوا ابل رہا ہے اور میرے سوالات تاحال تشنۂ جواب ہیں ۔

حیرت اور تعجب ہے کہ کائنات عالم کے سربستہ رازوں میں سے اگر کوئی ایک راز سامنے آکر منکشف ہوتا ہے تو وہ ایک نہیں بلکہ سیکڑوں اسرار کو جنم دیتا ہے اور نامعلوم امور کو طشت ازبام کرنے والے مفکرین ان سینکڑوں اسرار کی دنیا میں سرپٹکتے رہ جاتے ہیں ۔

اگر ہمارے پاس پوچھنے کو کچھ نہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو کچھ ہے وہ سب معلوم ہوچکا ہے اور پوچھنے والی کوئی بات ہی نہیں بلکہ اس کا سبب ہمارے معلومات کا نہ ہونا ہے ورنہ آپ اگر بڑے بڑے مفکرین کے ساتھ بیٹھیں یا ان کی تحریریں پڑھیں تو وہ بیچارے یا تگ دہل کہتے ہیں ۔ ہماری فکر میں سوالات کے بے پناہ سمندر موجزن ہیں کاش کوئی جواب دینے والا ہوتا ۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

انہی ارضی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ جس نے اس بیسویں صدی میں

مفکرین عالم کی تمام تر توجہ اپنی طرف مبذول کر رکھی ہے اور کرۂ ارض کے اسرار میں سے مفکرین کے لئے ایک عرصہ سے بہت بڑا چیلنج بنا ہوا ہے۔ آج تک نہ صرف یہ کہ وہ حل نہیں ہو سکا بلکہ تا حال اس کے انکشاف کی طرف ایک قدم تک نہیں بڑھایا جا سکا۔ وہ ہے واقعہ مثلث برمودا۔

آج تک کوئی مفکر مثلث برمودا کے متعلق تسلی بخش جواب نہیں دے سکا بلکہ مثلث برمودا کے سلسلہ میں جو نظریہ دیا گیا ہے اس نے موضوع کو سلجھانے کی بجائے مزید اُلجھا دیا ہے۔

دنیا کے کثیر الاشاعت اور معروف ترین اخبارات کے صفحہ اول پر جب سے مثلث برمودا میں رونما ہونے والے حادثات کی اطلاعات جلی سرخیوں سے شائع ہونے لگیں۔ اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلنے لگی ہیں اس وقت سے آج تک ہر ملک کے مفکرین پر مشتمل کئی سیمینار اور کئی تحقیقاتی کمیٹیاں جنم لے چکی ہیں مگر تا حال مثلث برمودا گہری تاریکی میں پڑی ہے۔ ہر مفکر اپنا اپنا زاویۂ نگاہ بیان کرنے کے بعد بے ساختہ اعتراف کرتا ہے کہ اگرچہ میں نے اپنی تحقیقات کے مطابق اپنا نقطۂ نظر تو بیان کر دیا ہے لیکن اس سے میں خود مطمئن نہیں ہوں۔

ہم نے اپنے طور پر مثلث برمودا کے اس لاینحل معمہ کو حل کرنے کا جو بیڑہ اُٹھایا ہے اس کے مطابق ہم پہلے تو وہ تمام اخبارات۔ روزنامے۔ ماہنامے اور ہفت روزے خواہ وہ کسی بھی زبان میں ہیں اور ہمیں دستیاب ہو چکے ہیں انہیں مرتب کر کے مثلث برمودا کی داستان میں بیان کریں گے۔ بعد ازاں ان جدید انکشافات اور تحقیقات کی روشنی میں مثلث برمودا کے سلسلہ میں جو کچھ ہمیں معلوم ہوا ہے اور جہاں تک ہماری فکر نارسا نے رسائی کی ہے عرض کریں گے۔

مگر سب سے پہلے ایک ضروری گذارش یہ کریں گے کہ جہاں تک ہماری دسترس

ہوئی ہے ہمارے پاس ان رسائل و اخبارات کی اکثریت عربی زبان میں ہے جو عالمی اخبارات و رسائل کا ہی ترجمہ ہے۔ ان عالمی محققین کی آرار کا ہم نے جہانتک تجزیہ کیا ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اکثر تکرار سے اور ایک ہی بات کو بار بار دہرایا گیا ہے۔

مثلث برمودا کی وہ داستانیں جو ہمارے ذہن میں ہیں ہم زیر نظر کتاب میں پیش نہیں کریں گے کیونکہ ان سے اصل مقصود میں کوئی چنداں فائدہ نہیں ہوگا۔ ہم صرف اور صرف عصر حاضر کے روزناموں میں مثلث برمودا کے سلسلے میں پیش کئے گئے انکشافات پیش کریں گے۔ البتہ علامہ مجلسی کی بحارالانوار میں بیان کردہ داستان جزیرۂ خضرا، پیش کریں گے جو ہمارے خیال میں امام زمانہ کی قیامگاہ ہے۔ پھر یہ دیکھیں گے کہ مثلث برمودا اور جزیرۂ خضرا میں کہاں کہاں کتنی مماثلت اور مشابہت ہے۔ آخر میں یہ عرض کریں گے کہ کہیں جزیرۂ خضرا کا جدید نام مثلث برمودا تو نہیں یا۔ مثلث برمودا کا امام زمانہ نے ہی جزیرۂ خضرا تو نام نہیں رکھا۔ آج سے سات سو برس قبل ایک دانشمند کو جزیرۂ خضرا میں بحکم امام زمانہ بھیجا گیا تھا جس نے جزیرۂ خضرا کی جو علامات، جو خصوصیات اور جو حالات ہمیں بتائے ہیں ان کو مثلث برمودا کی موجودہ تحقیقات اور انکشافات پر منطبق کریں گے۔ کیونکہ

جیسا کہ ہم تفصیل سے بتائیں گے کہ۔ مثلث برمودا بھی بحر اوقیانوس میں ہے اور جزیرۂ خضرا بھی بحر اوقیانوس میں ہے۔ مثلث برمودا کے محققین بھی مثلث کے گرداگرد آب سفید کی چاردیواری بتاتے ہیں اور جزیرۂ خضرا میں جانے والے نے بھی آج سے سات صدیاں قبل جزیرۂ خضرا کے گرداگرد آب سفید ہی کی چاردیواری بتائی ہے۔ مثلث برمودا پر تحقیقات کرنے والوں نے بھی یہی بتایا ہے کہ جو ہوائی اور بحری جہاز بھی آب سفید کی حدود میں بغرض عبور جاتا ہے غرق ہو جاتا ہے اور جزیرۂ خضرا کے سات صدیاں

قبل سیاح کا بیان بھی یہی ہے کہ مجھے جہاز کے کپتان نے بتایا ہے کہ جزیرۂ خضراء کی فضائی یا آبی حدود عبور کرنے والی ہر شے غرق ہو جاتی ہے اور غرق ہوتی رہے گی۔

یہ خیال رہے کہ ہمارا حتمی، قطعی اور یقینی یہ نظریہ ہرگز نہیں ہے کہ جو مثلث برمودا ہے وہی جزیرۂ خضراء ہے۔ قیام گاہ امام زمانہ ہے کیونکہ جزیرۂ خضراء کی واقعیت کو خالق کونین کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ بلکہ ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ:۔
مثلث برمودا اور جزیرۂ خضرا کی داستانوں میں بہت حد تک مماثلت اور مناسبت موجود ہے۔

اور ہم اس تصدیق کے لئے اس دن کی امید میں رہیں گے جس دن کرہ ارض کے باشندوں کو ایک اور نیک بنانے والا اور آخری خلیفۂ خدا حجت ابن عسکری ظہور کر کے اپنے دست حق پرست سے کائنات عالم کی تمام مشکلات کو حل کر دے گا۔

نجف اشرف ناجی نجار

مثلث برمودا

: مثلث برموداکا جغرافیائی محلِ وقوع

: مفکرین کی حیرت

: برمودا میں کیا ہورہا ہے

: مفکرین اور مثلث برمودا

: نظریات

یہ مشاہداتی مسلمہ ہے کہ بحر آرام کے بعد دنیا کا عظیم ترین سمندر بحر اوقیانوس ہے جس کا رقبہ کم و بیش بیاسی ملین کیلومیٹر مربع ہے۔ بحر اطلس ہی نے درمیان میں پڑ کر براعظم امریکہ کو۔ براعظم یورپ اور براعظم افریقہ سے جدا کر رکھا ہے۔ بحر اوقیانوس سے جو نہر پانامہ نکالی گئی ہے اسی کی بدولت بحر آرام اور بحر اوقیانوس دونوں باہم مل گئے ہیں۔ دریائے میڈیٹرانہ درۂ جبل الطارق سے گزر کر بحر اوقیانوس میں جا گرتا ہے جس کی وجہ سے بحر اوقیانوس دریائے میڈیٹرانہ سے بھی ملا ہوا ہے۔ دریائے کارائب خلیج ہڈسن۔ خلیج ہافین اور خلیج کلزیک وغیرہ جو بحر اوقیانوس کی تمہید سمجھی جاتی ہیں براعظم امریکہ کے زیر نگین ہیں۔ دریائے میڈیٹرانہ۔ دریائے بالٹک۔ انگلستان کے مشرق میں بہنے والا دریائے شمال۔ خلیج گینی اور ہسپانیہ کے شمال میں یورپ کی سب بڑی خلیج گاسکونی براعظم یورپ اور افریقہ کا حصہ ہیں۔

سینیگال کے دارالحکومت ڈاکر کی بندرگاہ سے جزائر برازیل کے درمیانی ساحل تک درمیانی سفر براعظم امریکہ اور افریقہ کے مابین جہازرانی کا نزدیک اور مختصر ترین راستہ ہے۔ یورپ۔ افریقہ اور امریکہ کے جزائر سے نکلنے والی چھوٹی موٹی ہزاروں نہریں اوقیانوس میں جا گرتی ہیں۔

معروف ترین اور بہت بڑے دریا بحر اوقیانوس میں گرتے ہیں۔ ان میں سے مشہور تر گلف اسٹریم نامی دریا ہے اسی کی بدولت یہاں ہر جگہ مطلع ابر آلود رہتا ہے اور بحر اوقیانوس کا آسمان ایک جزیرہ سے دوسرے جزیرہ تک ہمیشہ دھندلایا رہتا ہے۔

دنیائے قدیم یعنی برِاعظم یورپ اور دنیائے جدید یعنی برِاعظم امریکہ کے مابین ماضی بعید سے اسی بحرِاوقیانوس کے ذریعہ ہی جہاز رانی رہی ہے۔

یوں تو بے شمار سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے ماضی بعید میں بھی اور اس عصرِ نو میں بھی بحرِاوقیانوس کے متعلق ہمیں بہت کچھ تفصیلات سے آگاہ کیا ہے لیکن ہم ذیل کی چند سطور میں ساتویں صدی کے ایک دانشمند مفکر احمد ابن عبدالوہاب کا بیان نقل کرتے ہیں۔

نہایۃ الارب فی فنون الادب جلد ا صفحہ ۲۲۸ بحرِاوقیانوس کو بحرِ ظلمات بھی کہتے ہیں کیونکہ بحرِاوقیانوس کا آسمان بارہ مہینے کہر اور دُھند میں چھپا رہتا ہے۔ آج تک کسی نے بحرِاوقیانوس کے آسمان کا رنگ تک نہیں دیکھا۔ دیگر اسباب کے ساتھ یہ سبب بھی اس بات میں شامل ہے کہ بحرِاوقیانوس کے متعلق بیشتر معلومات کو آج تک بحرِ اوقیانوس سے اُٹھنے والی کوہ پیکر موجیں۔ بحرِاوقیانوس کے غیر معتدل موسم اور ہر لحہ بہروپ بدلتی ہواؤں کی بدولت تاریکی جہالت ہی میں رہی ہیں اور آج تک بحرِاوقیانوس میں واقع جزائر میں سے صرف چند آباد جزائر کے علاوہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا یہ بھی اس لئے معلوم ہو گئے ہیں کہ خشکی کے زیادہ قریب ہیں۔

نہایۃ الارب فی فنون الادب جلد ا صفحہ ۲۲۸ کے مطابق بحرِاوقیانوس کے انتہائی مغرب میں صرف چھ جزائر کا سراغ لگایا جا سکا ہے۔ جنہیں۔ زندۂ جاوید۔ اور خوش نصیب جزائر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان چھ جزائر کے بالکل بالمقابل بحرِاوقیانوس کے انتہائی مشرقی حصہ میں بھی چھ جزائر دریافت کئے گئے ہیں۔ ان چھ جزائر کو جزائر سیلی کے نام سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان چھ جزائر کے باسی اولادِ رسول کے چند وہ خاندان ہیں جو اموی مظالم سے بچ بچا کر یہاں آباد ہو گئے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آج تک جو بھی ان جزائر سیلی میں ایک مرتبہ گیا ہے پھر پلٹ کر واپس نہیں آیا۔

کیونکہ ان جزائر کی ہوا انتہائی صحت افزا اور پانی بے حد خوشگوار ہے۔ اس لئے جو بھی کسی ذریعہ سے ان چھ جزائر میں ایک مرتبہ چلا جاتا ہے پھر ہزار مشکلات کے باوجود ان جزائر کی آب و ہوا کی بدولت ان سے واپس آنا گوارا نہیں کرتا۔ بحراوقیانوس کے ان آباد جزائر میں سے ایک جزیرہ برلیطانیہ ہے جس کے باسیوں کے بال سنہرے اور آنکھیں آبی ہوتی ہیں ــــ فرانس کے بالکل قریب کچھ ایسے جزائر ہیں جن میں کچھ انگریز خاندان رہائش پذیر ہیں۔ ان کے باشندے نہ تو کسی مذہب کے قائل ہیں اور نہ کسی ملک کے زیر نگین ہیں۔

بحراوقیانوس میں ایک اور جزیرہ ہے جس کا رقبہ کم و بیش سات سو پچاس مربع میل ہے اس جزیرہ میں چار بہت اہم اور بہت بڑے شہر آباد ہیں اور شہر کا اپنا الگ حکمران ہے۔

بحراوقیانوس کے ان آباد جزائر میں سے ایک جزیرہ برناغہ بھی ہے جس کا محیط چار ہزار میل ہے۔ اس جزیرہ میں تین شہر آباد ہیں۔ اس جزیرہ میں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں۔ سرسبز و شاداب جزیرہ ہے۔ اور برف باری بھی ہوتی ہے۔ بحراوقیانوس کے ان جزائر میں سے ایک جزیرہ انگلستان ہے جس کی آبادی بکثرت ہے۔ شہر آباد ہیں۔ بلند بلند پہاڑ ہیں اور وسیع وسیع صحرا ہیں۔ عموماً موسم سرد رہتا ہے۔ بر اعظم یورپ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔

مثلث برمودا کا جغرافیائی محل وقوع :-

بحراوقیانوس کا جغرافیائی محل وقوع سمجھ لینے کے بعد آئیے اب اپنے مطلوبہ مقصود کا محل وقوع دیکھیں۔

● بحراوقیانوس کے انتہائی مغربی سرے پر ایک حیرت انگیز اور پراسرار علاقہ ہے جو ایک عرصہ سے اخبارات اور عالمی محققین کی فکری اور نظری توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ بحراوقیانوس میں ہوائی۔ بحری جہازوں اور کشتیوں کو جس انداز میں یہاں حادثات پیش آچکے ہیں اور پیش آرہے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ عین ممکن ہے جنہوں نے وہ حادثات اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے اور صرف اخبارات میں پڑھے یا سُنے ہیں ان تمام واقعات کو ایک افسانہ اور من گھڑت قصہ ہی سمجھیں۔ کیونکہ ان حادثات جیسے حادثات کی مثال دنیا کے اور کسی خطہ میں نہیں ملتی ـــ یہ علاقہ موجودہ دور کی تحقیقاتی زبان میں مثلث برمودا کے نام سے متعارف ہے۔

● الانباء ـ انزماسکو ـ ۲۲ ـ اکتوبر ۱۹۷۸ء کی اشاعت کے مطابق :-

" مثلث برمودا بحراوقیانوس کے انتہائی مغربی سرے پر دریائے کارائب کے دہانے اور گلف اسٹریم کے راستہ پر واقع ہے ـــ ہم اس علاقہ کو ایک مثلث فرض کر سکتے ہیں کہ مثلث کا راس جزائر برمودا ہوں اور قاعدہ مثلث پورٹریکو کے جزائر اور جزیرہ فلوریڈا ہو ـــ اگرچہ یہ علاقہ بحراوقیانوس کے پُرسکون ترین نقطہ پر واقع ہے لیکن زمانہ قدیم سے سمندری سفر کرنے والوں کی زبان میں خطرناک اور وحشت انگیز علاقہ کے

نام سے معروف ہے۔"

اگر اس علاقہ کے ناموں کو بحری سفر کرنے والوں کی زبان سے سنیں تو نہ صرف حیرت اور تعجب میں اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ فکر انسان مزید اسرار و رموز کے جال میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔

روزنامہ جمہوریت از بغداد چھ دسمبر ۱۹۷۵ء کی زبان سے چند ایک نام آپ بھی دیکھ لیں۔

- مثلث شیطان
- گمشدہ کشتیوں کا سمندر
- مثلث موت
- دریائے وحشت
- ہولناک علاقہ
- کشتیوں کی آرام گاہ
- بحر اوقیانوس کا قبرستان۔

ان ناموں سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اس علاقہ میں گھر جانے والے ملاح اور کپتان کتنے دہشت زدہ ہو جاتے تھے۔ گذشتہ طویل صدیوں میں انہوں نے اس علاقہ میں جانا تو بجائے خود اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کی۔ اور صرف اس لئے کہ اگر خدانخواستہ ہم بھی پیشروؤں کی طرح آب سفید میں گئے تو پھر ہمارا بھی نام و نشان تک نہ ملے گا۔

مذکورہ ناموں سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ آج تک سائنسدان محققین اس مثلث برمودا میں رونما ہونے والے حادثات کی کوئی بھی علمی توجیہ نہیں کر سکے۔ بلکہ اس کے برعکس ان مفکرین نے اپنی عاجزی کا یہ کہہ کر اعتراف و اعلان کر دیا ہے کہ۔ بحر اوقیانوس کے اس حصہ میں جو کچھ ہو چکا ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے تاریکی کی ایک دبیز تہ کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ اور ان واقعات کی کوئی علمی توجیہ کسی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ محققین کی تحقیقاتی ٹیموں کی بدولت اس علاقہ کا نام مثلث

برمودا زباں زد عام ہو گیا ہے جس کی وجہ سے تمام وحشتناک نام پس پردہ چلے گئے ہیں۔
اگر ان ناموں کا آپ تجزیہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ۔ خطرناک مثلث ــــ موت کا جزیرہ ــ وحشت ناک دریا ــ بحراوقیانوس کی آرامگاہ اور کشتیوں کی بے سکون آرامگاہ ــــ جیسے نام صرف ملاحوں اور کپتانوں کے اس علاقہ سے خوف و ہراس کی علامت ہیں۔

اور ــ مثلث شیطان ــ بحر ظلمات اور پراسرار علاقہ جیسے نام اس خطہ کے سربستہ راز ہونے کی دلیل ہیں جس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مفکرین اور تحقیق کنندگان اپنی برسوں کی مغز خوری کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ اس علاقہ میں رونما ہونے والے حادثات کی کوئی علمی اور منطقی توجیہ نہیں کی جا سکتی ــــ آج بھی یورپ میں دسیوں ایسے مفکرین موجود ہیں جو کسی پس وپیش کے بغیر برملا اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ــ ہو نہ ہو اس علاقہ میں ایک ایسی مخفی طاقت پوشیدہ ہے جو ہوائی اور بحری جہازوں کی غرقابی کا سبب بنی ہوئی ہے ــ

● ہفت روزہ ــ اسبوع عربی ۱۸ دسمبر ۱۹۷۸ء کے مطابق پیرس میں سلسلۂ مثلث برمودا چار کتابیں ایسی منظر عام پر آئی ہیں جنہوں نے مثلث برمودا کو ــــ بدنصیب ــ پراسرار ــ افسانوی اور از سر تا پا مبہم علاقہ بتایا ہے ــ ویسے اس علاقہ کو اخبارات اور محققین کی زبان میں مثلث برمودا کے نام سے پکارا جاتا ہے ــ لیکن یہ مسلمہ ہے کہ اس علاقہ کا نام آج تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکا ــ مثلث برمودا تو اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ علاقہ مثلث برمودا کا پڑوسی ہے اور اس مثلث کا راس جزائر برمودا ہی ہیں ــ اس مناسبت سے اس پراسرار اور مخفی مثلث کو مثلث برمودا کہا جاتا ہے ــ

اب جبکہ اس علاقہ کی تحقیق نہیں ہو سکی اور تا حال یہ علاقہ حیرت انگیز آیات الٰہیہ سے ہے ــ اگر اس علاقہ کا نام مثلث الٰہی رکھ دیا جائے تو ہمارے خیال میں مناسب

رہے گا۔ اس نام میں اگر ایک طرف معنوی کشش اور روحانی جذبہ ہے تو دوسری طرف ملاحوں اور کپتانوں کی زبان پر جو وحشت ناک اور دہشت انگیز نام آتے ہیں ان سے بھی ایک اچھے طریقہ سے نجات ہے۔

اس نام کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہوگا کہ۔ اس نام سے ہمارے ذہن میں خالق کون و مکان اور اس رب العالمین سے رابطہ ہو جائے گا جس کا حکم تمام ذرات عالم پہ جاری و ساری ہے جس سے ہماری قوت تحقیق ایک مرتبہ پھر جوان ہو کر ہمارے عقائد کو بالیدگی دے گی اور ظلمات و شیطانی معتقدات سے آزاد ہو جائیں گے۔ تاکہ جب ہم کسی ایسی صدی سے مربوط ہو جائیں جس میں اس مثلث الہٰی کا انکشاف ہو جائے تو ہمیں مثلث شیطان وغیرہ جیسے بدہیئت ناموں کی تاویل نہ کرنا پڑے

ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ اس مثلث کو مثلث الہٰی کا نام دینے سے نہ تو مفکرین اور محققین کی تحقیقات میں کوئی رخنہ اندازی ہوگی اور نہ ہی سائنسدانوں کے لئے اس بات سے کوئی چیز مانع ہوگی کہ وہ اس علاقہ کے سربستہ راز کو اپنے ناخن تدبیر و تحقیق سے طشت ازبام کریں۔ کیونکہ قرآن کریم نے ایسی تحقیقات کی نہ صرف اجازت دے رکھی ہے بلکہ قرآن نے ایسے سربستہ اسرار کو طشت ازبام کرنے پر آمادہ کیا ہے اور سطحی نگاہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ یوسف ۱۰۵ ۔ آسمان و زمین میں اللہ کی کتنی نشانیاں بکھری پڑی ہیں لیکن یہ لوگ ان کے پاس سے گزر جاتے ہیں اور توجہ نہیں کرتے

مفکرین کی حیرت :-

روزنامہ الف بار۔ ۳۱ مئی ۱۹۸۱ء کے مطابق یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مثلث برمودا کے اس علاقہ میں صرف غرقاب ہونے والے ہوائی اور بحری جہازوں کی غرقابی نے ان محقق مفکرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ایسے حادثات جو

تعداد میں غرقاب ہونے والی کشتیوں کے حادثات سے کہیں زیادہ ہیں اور ان حادثات کا بچشم خود مشاہدہ کرنے والوں کی تعداد ہزار سے زیادہ ہے جن میں ملاح بھی ہیں، کپتان بھی ہیں۔ ہوائی اور بحری مسافر بھی ہیں۔

● اسی روزنامہ کی اسی اشاعت کے مطابق مثلث برموداکے اس پڑوسی علاقہ میں رونما ہونے والے عبرت انگیز حادثات میں سے ایک حادثہ یہ بھی ہے کہ۔ جب ہوائی یا بحری جہاز اس علاقہ سے قریب ہونا شروع ہوتے ہیں تو اچانک ان کی گھڑیاں خاموش ہونے لگتی ہیں۔ سوئیاں اپنی رفتار چھوڑنے لگتی ہیں۔ جب پائیلٹ اور کپتان اپنے جہاز کے لاسلکی نظام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو دنیا سے رابطہ کے تمام میٹرز بیکار نظر آتے ہیں۔

● روزنامہ الفکر الجدید ۱۹۷۷ء بحوالہ بار الیلی از بلغارستان لکھتا ہے کہ ـــــ لینڈبرگ بذات خود اس حادثہ سے دوچار ہوچکا ہے۔ ۱۹۲۸ء میں وہ فلوریڈا جا رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر ہوائی جہاز کے قطب نما اور بلندی پیما پر پڑی تو دونوں خاموش نظر آئے۔ جب یہ حادثہ رونما ہوا تو اسے پتہ چلا کہ میں تو مثلث برموداکے علاقہ میں پھنس گیا ہوں۔

● مناسب ہوگا اگر اس جگہ ہم۔ روزنامہ جمہوریت بغداد ۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کی زبانی ایک واقعہ سنا دیں۔ روزنامہ جمہوریت نے معروف زمانہ امریکی سائنسدان سینڈرسن سے نقل کی ہے۔ اور سینڈرسن نے یہ واقعہ مثلث برموداکے علاقہ میں۔ وقت ساکن ہے۔ کے ذیل میں لکھا ہے کہ۔ جو ہوائی جہاز اپنے وقت مقررہ سے تاخیر کے ساتھ اپنی منزل مقصود تک پہنچتے ہیں ان کے لئے کچھ نہ کچھ کیا جائے۔ سینڈرسن نے جو واقعہ سنایا ہے یوں ہے:

چند سال پیشتر نیشنل ائیرلائنز کا ایک ہوائی جہاز ایک صد تائیس (۱۲۷) مسافروں کو لے کر میامی یعنی فلوریڈا کے ہوائی اڈے کے راڈار پر شمالی مشرقی سمت سے ظاہر ہوا اور

ریڈیو کے ذریعہ پیغام دیا کہ میں فلاں وقت پر اتر رہا ہوں لیکن اچانک ہوائی جہاز راڈار سے گم ہو گیا۔ دس منٹ بعد پھر ہوائی جہاز ہوائی اڈہ کے آسمان پر نظر آنے لگا اور معمول کے مطابق اتر گیا۔ لیکن ہوائی جہاز کے تمام مسافر اور عملے کے افراد ہوائی اڈہ پہ موجود افراد کی طرح ایک نامعلوم وحشت کا شکار تھے۔ خصوصاً یہ وحشت اس وقت اور بڑھ گئی جب انہوں نے اپنی اپنی گھڑیوں پر وقت دیکھا تو انہیں معلوم ہوا کہ ہماری گھڑیاں ہوائی اڈہ کی گھڑی سے دس منٹ پیچھے ہیں۔ جبکہ صرف بیس منٹ قبل پائیلٹ اور جہاز کے دوسرے عملے نے اپنی گھڑیوں کا وقت فلوریڈا کے ہوائی اڈہ کی گھڑی سے ملایا تھا۔

راڈار پر موجود ڈیوٹی والے شخص نے پائیلٹ سے کہا۔ کمال ہے آپ کا جہاز دس منٹ تک راڈار سے غائب رہا۔

روزنامہ جمہوریت نے ۔مثلث برمودا سے نئی اطلاع ۔ کے زیرِ عنوان لکھا ہے کہ ہوائی جہاز کا عملہ اور تمام مسافر حیرت کے ساتھ ایک دوسرے سے پوچھتے پھرتے تھے کہ یہ دس منٹ ہم کہاں تھے۔ اور ہر ایک اپنی گھڑی کو بار بار دیکھتا تھا کہ۔ تعجب ہے۔ بیس منٹ کے عرصہ میں ہماری گھڑیاں دس منٹ لیٹ کیسے ہو گئیں۔ جبکہ ہم تمام نے ہوائی جہاز پر سپیکر کے ذریعہ اعلان کرنے والے کے اعلان کے ساتھ ہی اپنی اپنی گھڑیوں کو فلوریڈا کے ہوائی اڈہ کی گھڑی سے ہم وقت کر لیا تھا۔ ہر ایک دوسرے سے پوچھتا تھا کہ ہماری زندگی کے یہ دس منٹ کہاں چلے گئے ہیں؟

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ دس منٹ کے لئے رفتارِ زمانہ ہی ختم گئی ہو؟

حقیقت بھی یہی ہے کہ مقامِ تعجب ہے کہ ایک سو ستائیس مسافر اور جہاز کا عملہ یہ جان تک نہیں کہ ان دس منٹ میں وہ کہاں تھے؟

اس تازہ واقعہ نے مثلث برمودا کے پڑوس میں واقعہ علاقہ کی پیچیدگی میں

ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔

مثلث برمودا پر تحقیق کرنے والے تمام مفکرین جیسے جیسے اپنی تحقیقات میں قدم بڑھاتے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کی حیرت اور پریشانی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پہلے تو وہ صرف جہازوں کی غرقابی کا معمہ حل ہی نہ کر پائے تھے کہ اب ایک نئے راز نے سر نکالا۔ تاحال وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس علاقہ میں :۔

- وقت کی رفتار رک جاتی ہے۔
- مسافروں کی گھڑیاں ساکن ہو جاتی ہیں۔
- قطب نما اور تمام لاسلکی نظام بیکار محض ہو جاتا ہے۔
- جہازوں کے تمام اطلاعاتی آلات و وسائل درہم برہم ہو جاتے ہیں۔

یہ مفکرین اپنے آپ سے یہ سوال کرتے ہیں :۔

- آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیز رفتار ہوائی جہاز اور کوہ پیکر بحری جہاز جب اس علاقہ میں پہنچتے ہیں تو ہمیشہ کے لئے ان کا رابطہ پوری دنیا سے ایک آن میں کٹ جاتا ہے اور ان کی کوئی اطلاع اور علامت تک ہاتھ نہیں آتی ؟
- یہ کیسے ممکن ہے کہ بعض ملاح غائب ہو جاتے ہیں اور کشتی بلا ناخدا واپس پلٹ آتی ہے اور اس پر کسی قسم کے بیرونی یا اندرونی حادثہ کی کوئی علامت تک نہیں ہوتی ؟
- یہ کیسے ممکن ہے کہ گاہ بگاہ ملاحوں کو مردہ صورت میں واپس کر دیا جاتا ہے اور ان کے مردہ چہرے ہنگام مرگ کسی انتہائی خوف و ہراس کے داستان سرا ہوتے ہیں ؟
- یہ کیسے ممکن ہے کہ ۔۔ کچھ ہوائی اور بحری جہاز اس مثلث الٰہی کی فضا سے پرواز کرنے کے باوجود بخیر و عافیت واپس آ جاتے ہیں۔ اور انہیں کسی قسم کی گزند

نہیں پہنچتی ہے۔ جبکہ بعض ہوائی اور بحری جہاز یوں غائب ہو جاتے ہیں کہ آج تک ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ اور بعض ہوائی یا بحری جہازوں کو حادثہ میں گھرنے کے بعد معاف کر دیا جاتا ہے اور وحشتناک صورت میں سہمے سہمے واپس کر دئیے جاتے ہیں ؟

یہ سوالات تا حال لاجواب ہیں، نہ تو ان کی توجیہ کسی طبعی سبب سے کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی اور صورت سامنے آ رہی ہے کیونکہ اگر طبعی سبب بتایا جائے تو اسے ہر ایک کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرنا چاہئے تھا جبکہ بعض ہوائی اور بحری جہازوں کو غرقاب کر دیا جاتا ہے۔ بعض کو بلا کچھ کہے واپس کر دیا جاتا ہے اور بعض کو ڈرا کر واپس بھیجا جاتا ہے۔

قبل اس کے کہ ہم اس معمہ کو حل کرنے کے لئے کوئی جواب عرض کریں مناسب ہوگا اگر اس علاقہ میں ہونے والے چند ایک دلچسپ واقعات قارئین کی نذر کر دیں تاکہ ہمارے قارئین کی دلچسپی برقرار رہے۔

برموداہیں کیا بیت رہی ہے ؟

کم و بیش ایک سو پچاس برس سے مفکرین نے مثلث برمودا کے حادثات پر خصوصی توجہ دے رکھی ہے۔ اور اس عرصہ میں محققین نے جن حادثات کا مشاہدہ کیا ہے یہ حادثات جہاں دلچسپ ہیں وہاں پیچیدہ بھی ہیں اور تحقیق کنندگان کی حیرت و عبرت کا موجب بھی ہیں کیونکہ آج تک ان حادثات کا کوئی ایسا سرا تحقیق کرنے والوں کے ہاتھ نہیں لگ سکا جسے بنیاد بنا کر سائنسدان مثلث برمودا کا معمہ حل کر سکتے یا کم از کم اس کی طرف کوئی قدم ہی بڑھا سکتے۔ اجتماعی تحقیقات کے علاوہ انفرادی اور فنی انکشافات نے بھی اس حقیقت کی وضاحت کر دی ہے کہ۔ مثلث برمودا میں رونما ہونے والے حیرت انگیز حادثات کی تعداد سیکڑوں بلکہ ہزاروں سے زیادہ ہے۔ لیکن ان

تمام حادثات میں سے کوئی ایک حادثہ بھی ایسا نہیں ہے جس کی کوئی علمی یا منطقی توجیہ کی جا سکے۔

ان مسلمہ حقائق کے پیش نظر میں نے یہی مناسب سمجھا ہے کہ ان حادثات کی جو داستانیں علمی اور قومی روزناموں میں مشرقی اور مغربی ذرائع کے حوالہ سے شائع ہوتی رہی ہیں ان تمام کو جمع کر کے بطور نمونہ چند ایک واقعات قارئین کی خدمت میں پیش کر دوں۔

۱۔ میری سلیسٹ نامی کشتی کی داستان :۔

مثلث برمودا کو عبور کرنے والی یہ کشتی کئی ماہ پہلے گم ہو گئی تھی۔ رسالہ الف باء بغداد۔ ۱۴ مئی ۱۹۷۸ء۔ الموسوعۃ العربیہ طبع دوم ص ۱۹۷ اور روزنامہ جمہوریت بغداد ۱۵ دسمبر ۱۹۷۸ء کے مطابق۔ میری سلیسٹ اچانک دسمبر ۱۹۷۲ء میں کسی فنی خرابی کے بغیر بحر اوقیانوس کی سطح پر نمودار ہوئی۔ ہر لحاظ سے کشتی بے نقص اور بے عیب تھی۔ کشتی کے تمام آلات چالو حالت میں تھے۔ انجن ٹھیک کام کر رہا تھا۔ ایندھن کا ذخیرہ وافر مقدار میں موجود تھا۔ وائرنگ سسٹم۔ پائپ اور رسیاں وغیرہ مضبوط تھیں۔ پانی کی ٹنکی فل تھی جو چھ ماہ تک چل سکتی تھی۔ مسافروں کے لئے پینے کا پانی کافی موجود تھا۔ کسی حملہ۔ حادثہ یا فنی خرابی کا کوئی معمولی سے معمولی نشان تک نہ تھا۔ ہر لحاظ سے صحیح و سالم کشتی کسی نقص و عیب کے بغیر پانی کی سطح پر آزادانہ طور پر تیر رہی تھی۔

لیکن کئی ماہ پہلے کشتی پر کیا بیتی۔ مسافروں کو کونسا حادثہ پیش آیا۔ کچھ معلوم نہیں تھا۔ کپتان کے کیبن میں اندراجات کا رجسٹر کھلا تھا۔ اور مثلث برمودا کے قریبی جزیرہ ازور کو عبور کرنے تک کے تمام حالات تفصیل سے درج تھے۔ کپتان

کشتی کے سیف میں رقم۔ قیمتی جواہرات اور انتہائی بیش بہا کاغذات جوں کے توں رکھے تھے۔ جیسے ان تمام چیزوں کو کسی نے چھوا تک نہیں۔ ایک چھوٹا سا کُرتہ سلائی مشین میں سینے کو رکھا گیا تھا ابھی تک نامکمل حالت میں جیسے رکھا گیا تھا ویسے موجود تھا۔

مسافروں کا کھانا انتہائی محنت سے ان کے سامنے میزوں پر لگایا گیا تھا اور ان کی ضرورت کی تمام اشیاء اپنی جگہ پر رکھی تھیں۔ برتن اور پانی سے بھرے ہوئے جگ میزوں پر سجے تھے۔ کھانے کے سامان سے پُر پیٹیاں اور فرج تک موجود تھے۔ مسافروں کی تعداد کے مطابق چھ ماہ تک کے لئے کھانے کا ذخیرہ موجود تھا۔

ہر چیز اپنی جگہ پر درست اور صحیح تھی معمولی سا نشان بھی ایسا نہیں تھا جس سے مسافروں کی پریشانی یا مسافروں پر کسی حملہ وغیرہ کا اندازہ کیا جا سکتا۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا مسافر کہاں گئے ہیں اور ان کے ساتھ کیا بیتی ہے۔

بعض اخبارات نے اس داستان میں یہ اضافہ کیا ہے۔ جس طرح کشتی کے مسافر مع عملہ غائب ہیں اسی طرح کشتی کے آلات میں سے بھی دو چیزیں غائب ہیں۔

۱۔ کشتی سے متعلق کاغذات

۲۔ آلہ سدسی

یہ آلہ سدسی ایک ایسا آلہ ہوتا ہے جسے انعکاس نور کی تھیوری کے مطابق بنایا جاتا ہے اور زاویوں کا اندازہ کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ کشتیوں میں اس آلہ کے ذریعے سورج کی بلندی کا زاویہ معلوم کر کے یہ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس وقت کشتی کتنے طول بلد اور عرض بلد پر ہے۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کشتی کا جغرافیائی لحاظ سے محل وقوع کیا ہے۔

یہ آلہ ہاتھ میں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جا سکتا ہے۔

مفکرین نے ایک عرصہ تک اس بات پر مغز ماری کی ہے کہ کشتی کے مسافروں اور افراد عملہ کا کوئی سراغ مل جائے لیکن تمام کوششیں بیکار اور بے سود ثابت ہوئیں۔ تمام

تحقیقاتی مراکز، میری سلیسٹ کے مسافروں کا کھوج لگائے بغیر بند ہو گئے۔ برطانیہ کے ادارۂ تحقیقات اور سکاٹ لینڈ یارڈ کی پولیس کچھ بتائے بغیر میری سلیسٹ کے مسافروں کی خبر گیری کا کام ترک کر دیا اور یوں آج تک یہ پتہ نہ چل سکا کہ:۔
کئی ماہ گم رہنے کے بعد میری سیلسٹ جو مسافروں کو لے کر گئی تھی اپنے سامان اور آلات کے ساتھ خود کیسے صحیح وسالم واپس پلٹ آئی اور اس کے مسافر کہاں گئے؟

۲۔ برطانیہ کی جنگی کشتی اٹلانٹا:۔

الف باء طبع بغداد ۳۱ مئی ۱۹۷۸ء

۱۸۸۰ء میں برطانیہ کی ایک جنگی کشتی دو صد نوے سپاہیوں کو لے کر جزیرہ برمودا سے روانہ ہوئی اور کچھ دیر بعد گم ہو گئی۔ اسے گم ہوئے ایک صدی گزر چکی ہے لیکن تاحال معمولی سے معمولی اطلاع بھی نہیں مل سکی کہ کشتی کہاں گئی؟ اور کشتی کے مسافر کہاں گئے؟

۳۔ پرتگال کی سینٹا میری نامی کشتی:۔

الف باء بغداد۔ ۳۱ مئی ۱۹۷۸ء کے مطابق پرتگال کی سینٹا میری نامی کشتی اپنے تمام مسافروں اور افراد عملہ کے ساتھ گم ہو گئی۔ پھر کئی برس گزر جانے کے بعد بحر اوقیانوس کی سطح پر کسی فنی اور موسمی خرابی کے بغیر نمودار ہو گئی۔ سب مسافر اور افراد عملہ اپنی اپنی سیٹوں پر خشک شدہ لاشوں کی صورت میں موجود تھے۔ آج تک کوئی پتہ نہ چل سکا کہ اس کشتی کو وہ کونسا حادثہ پیش آیا کہ کشتی صحیح وسالم حالت میں گم ہونے کے برسوں بعد از خود باہر آگئی لیکن عملہ کے تمام افراد اور تمام مسافر موت کے منہ میں چلے گئے۔ نہ لاشیں گلی ہیں نہ سڑی ہیں بلکہ حنوط شدہ ممیوں کی طرح

اپنی اپنی سیٹوں پر اپنے تمام سامان کے ساتھ موجود ہیں۔

۴۔ امریکہ کے پانچ گمشدہ ہوائی جہاز:۔

اخبار الکفاح العربی ۱۹ فروری ۱۹۷۹ء اور روزنامہ جمہوریت وغیرہ کے مطابق مثلث برمودا کے وحشت انگیز حادثات میں سے ایک عظیم حادثہ امریکہ کے پانچ ہوائی جہازوں اور ان کے عملے کے تمام افراد کا ایک دن میں بیک وقت گم ہو جانا ہے۔

۵ دسمبر ۱۹۴۵ء کو امریکہ۔ ٹی۔ بی۔ ایم اوینجر ۳ قسم کے پانچ ہوائی جہاز ریاست فلوریڈا کے فورٹ لوڈر ڈل یولایہ کے ہوائی اڈہ سے مثلث برمودا کی تحقیقات کے لئے ایک ہی وقت محو پرواز ہوئے۔ فلوریڈا کی فضا سے مثلث برمودا کی طرف چلے۔ یہ بعد از دوپہر سوا ایک بجے کا وقت تھا کہ ایک جہاز کے پائیلٹ چارلس ٹیبلر نے کنٹرول ٹاور سے بذریعہ ریڈیو رابطہ کیا اور حسب ذیل آخری پیغام دیا۔

- میں چارلس ٹیبلر ہوں۔
- مجھے کنٹرول ٹاور سے رابطہ چاہیئے۔
- غیر طبعی حادثہ رونما ہو چکا ہے۔
- میرا جہاز میرے قابو سے باہر ہو چکا ہے۔
- میں بالکل بے بس ہو چکا ہوں۔
- مجھ سے راستہ گم ہو گیا ہے۔
- مجھے زمین نظر نہیں آرہی
- میں ایک بار پھر بتا رہا ہوں مجھے زمین نظر نہیں آرہی۔
- ہمارے تمام آلات بیکار ہو چکے ہیں۔

- ہمیں تو دریا بھی کسی اور انداز میں نظر آرہا ہے۔
- آج تک دریا کو اس شکل میں کبھی نہ دیکھا تھا۔
- ہم زمین کو نہیں دیکھ پا رہے۔
- ہمیں زمین بالکل نظر نہیں آرہی۔

کنٹرول ٹاور کی طرف سے سوالات :۔

- اس وقت تم لوگ کہاں ہو؟ اپنا محل وقوع بتاؤ۔

چارلس : ہمیں کوئی علم نہیں ہے کہ ہم کہاں ہیں معلوم یہی ہوتا ہے کہ ہم گم ہو چکے ہیں۔

- کیا مغرب کی سمت پرواز کر رہے ہو؟

چارلس : ہمیں تو یہ بالکل معلوم نہیں ہو رہا کہ اس وقت مشرق کس طرف ہے اور مغرب کس طرف ہے حتیٰ کہ دریا بھی جس شکل میں ہونا چاہیئے تھا اس صورت میں نہیں ہے۔

کنٹرول ٹاور سے رابطہ کٹ جاتا ہے۔ کافی دیر کے بعد کنٹرول ٹاور ایک مرتبہ پھر اس انیسویں تحقیقاتی پرواز سے رابطہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

چارلس کہتا ہے :۔

- قطب نما جنونی کی طرح انتہائی تیزی کے ساتھ تمام دائرے کے گرد گھوم رہا ہے۔
- میں دیکھ رہا ہوں قطب نما خراب نہیں ہے لیکن حیران ہو کر چکرا رہا ہے۔
- ممکن ہے ہم کسی ہوائی اڈہ کے قریب ہوں لیکن ہمیں قطعاً کوئی علم نہیں ہو رہا کہ ہم کہاں ہیں۔

کنٹرول ٹاور : سورج سے مدد لو اور شمال کی طرف ہو کر سورج کو سمت بنا کر

پرواز کو جاری رکھو ۔

چارلس : ہم ایک چھوٹے سے جزیرہ کی فضا میں ہیں اور ہمیں اس وقت جزیرہ کے علاوہ اور کچھ بھی نظر نہیں آرہا ۔

اس کے بعد ان کا کنٹرول ٹاور سے رابطہ بالکل کٹ گیا ۔ البتہ کنٹرول ٹاور ان پائیلٹس کے باہمی بکالمات سنتا رہا جو آپس میں اپنی بے بسی اور بیچارگی کے عالم میں کرتے رہے اور ایک دوسرے کو اس پراسرار سفر سے مطلع کرتے رہے ۔ غالباً تمام کی باہمی گفتگو کا نتیجہ یہی پراسراریت ہی تھی ۔ انہی باتوں میں کنٹرول ٹاور نے ایک ہوا باز کا یہ جملہ سُنا جو اس نے دوسروں سے کہا ۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہم فلوریڈا سے بہت دور نکل آئے ہیں اور کلز نیک کی طرف جا رہے ہیں ۔ اس وقت چارلس ٹیلر نے کہا ۔ اگر ہم سب کے سب اپنی موجودہ پرواز سے بالکل ۱۸۰ درجے کا زاویہ بنا کر چلیں تو ممکن ہے کہ دوبارہ فلوریڈا پہنچ جائیں ۔ جب انہوں نے اپنے رخ ۱۸۰ درجے پر موڑے پھر ان کی باہمی گفتگو کی آواز آہستہ آہستہ کمزور پڑتی گئی اور پھر بالکل معدوم ہو گئی ۔ کنٹرول ٹاور نے آخری جملہ جو سُنا وہ یہ تھا :-

- ہم آب سفید کی فضا میں ہیں ۔
- ہم گم گشتہ راہ ہو چکے ہیں ۔

کنٹرول ٹاور نے جو کچھ معلوم کیا وہ بس یہی تھا کہ ہوا باز ایک دوسرے سے جو باتیں کر رہے ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ۔ ان ہوا بازوں کی نگاہ اس حد تک کُند ہو چکی ہے کہ انہیں سورج نظر نہیں آتا اور وہ بوکھلا بوکھلا کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہیں ۔ اور یہی معلوم ہو رہا تھا کہ اب ان کی پربہار زندگی نذرِ خزاں ہو چکی ہے ۔ اور :-

ہوائی جہاز کے تمام آلات اُن کے قابو سے باہر ہو چکے ہیں ۔

۵۔ ۲۴۰ تحقیقاتی کشتی کی روئیداد :۔

روزنامہ جمہوریت بغداد ۶ دسمبر ۱۹۷۵ء۔ جب ان پانچ جہازوں کا رابطہ کنٹرول ٹاور سے کلی طور پر منقطع ہو گیا تو فلوریڈا کے کنٹرول ٹاور کو یقین ہو گیا کہ وہ پانچوں کے پانچوں یقیناً موت سے دوچار ہو چکے ہیں ۔ چنانچہ اسی دن ایک اور سراغرساں بہت بڑا ہوائی جہاز ان پانچ ہوائی جہازوں کی خبر گیری کے لئے بھیجا گیا اس جہاز میں ہوا باز نے اپنے ساتھ تیرہ اور تجربہ کار ہوا بازوں کو لیا۔ جب یہ ہوائی جہاز ہوائی اڈہ سے بلند ہوا اور مثلث برمودا کا رُخ کیا تو اپنا پہلا اور آخری جو پیغام دیا وہ یہ تھا :

میں اٹھارہ سو میٹر کی بلندی پر اُڑ رہا ہوں ۔ اس جگہ اتنی تیز و تند ہوا چل رہی ہے کہ...... اس کے بعد اس ہوا باز کا بھی ہمیشہ کے لئے سلسلہ کلام منقطع ہو گیا اور پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں گیا اور اس پر کیا بیتی ۔

اس کے ایک دن بعد یعنی ۶ دسمبر ۱۹۴۵ء کو مثلث برمودا میں تاریخ کی ایک بہت بڑی تحقیقاتی سرگرمی کا پروگرام بنایا گیا ۔ تاکہ ۵ دسمبر کو ایک دن میں گمشدہ چھ ہوائی جہازوں کا سراغ لگایا جا سکے ۔ ایک بہت بڑا ہوائی اور بحری بیڑہ تیار کیا گیا ۔

ہوائی بیڑے میں ۶۷ ہوائی جہاز تھے ۔ بحری بیڑے میں ۲۴۰ کشتیاں ۔ چار آبدوزیں ۔ اٹھارہ سمندری پانی کی حدود سے مطلع رکھنے والی چھوٹی چھوٹی کشتیاں شامل کی گئیں ۔ یہ تو سرکاری سطح پر تیار ہوا ۔ ان کے علاوہ سیکڑوں نجی کشتیاں سیکڑوں پرائیویٹ ہیلی کوپٹر اور ہوائی جہاز اور ہزاروں دریائے انگلینڈ اور دریائے بامالا کے ماہر تیراک روانہ ہوئے ۔

یہ تحقیقی عملہ جو آج تک بہت بڑا تحقیقاتی لشکر تھا۔ کئی دن تک مثلث برمودا کے علاقہ میں مصروف تفتیش رہا لیکن نہ تو ۵ دسمبر کو گئے ہوئے ہوائی جہازوں سے ایک سوئی دریافت کر سکے اور نہ ہی ہوا بازوں کا ایک بال تک حاصل کر سکے۔ ہفتوں کی سر ماری کے بعد بلا نتیجہ اور بلا حصل اس تحقیق کو ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

۶ ۔ دوسرے طیاروں کو جلانے والے جیٹ :-

خبرنامہ انباۓ ماسکو ۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء کے مطابق ۱۹۶۳ء میں دوسرے طیاروں کو فضا ہی میں جلا ڈالنے والے دو جیٹ طیارے مثلث برمودا میں بلا کسی ظاہری سبب اور کسی جنگی کارروائی کے از خود جل گئے۔

۷ ۔ ایچ کرافٹ نامی جنگی کشتی :-

خبرنامہ ۔ انباۓ ماسکو ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء کے مطابق دسمبر ۱۹۶۷ء میں ایک ایچ کرافٹ جنگی کشتی جو میامی بندرگاہ کے دیدبانوں کو دوربین سے نظر آ رہی تھی، ان کے دیکھتے دیکھتے مثلث برمودا کے آب سفید میں گم ہو گئی اور آج تک کوئی پتہ نہ چل سکا کہ اس کا کیا ہوا ؟ اور وہ کہاں چلی گئی ہے ؟

۸ ۔ ۱۹۷۵ء کے حادثات :-

انباۓ ماسکو ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء کے مطابق ۔ ۱۹۷۵ء کے دوران مثلث برمودا میں چار انتہائی اہم حادثات رونما ہوئے جن کی تفصیل عالمی روزناموں اور محققین مثلث برمودا کے مقالوں میں موجود ہے۔

۹- ۱۹۷۶ء کے حادثات :-

انباۓ ماسکو ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء کے مطابق ۱۹۷۶ء کے دوران مثلث برمودا میں چھ وحشت خیز حادثات رونما ہوئے ہیں جن میں دسیوں افراد تحقیقات کی نذر ہو گئے اور مثلث برمودا کے گہرے سفید پانی کے ہاضمہ معدہ میں چلے گئے۔

۱۰- رجسٹرڈ حادثات :-

روزنامہ جمہوریت ۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کے مطابق یوں تو مثلث برمودا میں رونما ہونے والے وہ حادثات جو عالمی روزناموں اور اخبارات میں شائع ہوتے ہیں بے شمار اور لاتعداد ہیں لیکن جو چیز قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اس خطہ میں ایک سو سے زائد ایسے ہوائی اور بحری حادثات صرف تیس برس کی مدت میں رونما ہوئے ہیں جو باقاعدگی کے ساتھ متعلقہ ممالک کی فائیلوں میں آج تک بعنوان گمشدہ ہوا باز درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم و بیش ایک سو ہوا باز اور بحری جہاز پراسرار طور پر اس علاقہ میں آب سفید کی نذر ہو گئے اور تمام کے تمام گمشدگان جزائر برمودا اور جزائر پانامہ کے مابین واقع اسی ایک علاقہ میں ہیں لیکن آج تک نہ تو ان کا کوئی سراغ ملا ہے اور نہ مذہبی سائنسدان ان حادثات کی کوئی معقول توجیہ کر سکے ہیں۔

ان اخباری اطلاعات اور تحقیقاتی مقالہ جات سے جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حادثات صرف ہوائی اور بحری جہازوں سے ہرگز مخصوص نہیں ہیں بلکہ اکثر مرتبہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ — کشتیاں صحیح و سالم اور اپنے تمام آلات سے لیس گم ہونے کے کچھ عرصہ بعد سطح آب پر دیکھی اور قبضہ میں کر لی گئی ہیں جبکہ

ان کے مسافر پراسرار طور پر غائب پائے گئے ہیں۔ اس حقیقت کا انکشاف بعض علمی رسالوں سے ہوا ہے۔

رسالہ الف باء مئی ۱۹۷۸ء کے مطابق ۔ حقیقت یہ ہے کہ مثلث برمودا کے اس علاقہ میں بات صرف ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کے گم ہونے تک محدود نہیں ہے بلکہ آج تک ہزار سے زیادہ صرف ایسے افراد لاپتہ ہوئے ہیں جن کی کشتیاں صحیح وسالم واپس ملی ہیں۔ اور یہ تعداد معمولی اور نظر انداز کردینے کے ہرگز قابل نہیں ہے۔ جب ہم اس تھوڑی سی مدت میں ایک ہزار کی گمشدگی کو سامنے رکھ کر پچھلی ڈیڑھ صدی میں گمشدگان کا اندازہ کریں گے تو یہ تعداد کئی گنا بڑھ جائیگی۔ کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ پچھلی ڈیڑھ صدی میں مثلث برمودا کا یہ مختصر سا علاقہ سیکڑوں ہوائی اور بحری جہازوں کے ساتھ ہزاروں افراد کو بھی لے گیا ہے۔ میں نہ صرف مقام حیرت وعبرت ہے بلکہ مقام فکر وتدبر بھی ہے۔

دوسرے واقعات :۔

بعض دانشمند دوسرے خطہ ہائے عالم کے حادثات کی کڑیاں ملاکر مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات سے ملانے کی کوشش کریں گے لیکن مناسب ہوگا ہم اس پہلو کو بھی تشنۂ جواب نہ رہنے دیں اور وہ یوں کہ۔ یہ مسلم ہے مثلث برمودا جیسے حادثات دوسرے اطراف عالم میں بھی پراسرار طور پر رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اور مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات کی طرح وہ بھی پُراسرار ہی ہوتے ہیں لیکن دیگر عالم میں پیش آنے والے حادثات اور مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات میں تمام تر اقدار مشترکہ کے باوجود ایک واضح فرق موجود ہے۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ ۔۔

دیگر علاقوں میں اگر کوئی پراسرار واقعہ رونما ہوتا ہے تو وہ کسی علاقہ میں اور کبھی ہوتا ہے جبکہ مثلث برمودا میں پیش آنے والے دوسرے واقعات ایک سال میں متعدد مرتبہ رونما ہوتے ہیں۔ اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر روئے زمین کے دوسرے پیش آنے والے تمام واقعات کو جمع کر کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور تنہا مثلث برمودا میں رونما ہونے والے حادثات کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو مثلث برمودا کے واقعات میں سے صرف دو سالوں کے واقعات کا پلڑا ہی بھاری رہے گا۔ بطور نمونہ دوسرے مقامات پر رونما ہونے والے واقعات کی چند مثالیں ہم پیش کئے دیتے ہیں :-

۱۔ روزنامہ جمہوریت کے مطابق فروری ۱۹۴۳ء میں انگلستان اور ہالینڈ کے ریڈیو نے اورنج میڈن نامی کشتی کی مدد کے لئے دنیا کو پکارا جو ملیلنلی کے قریب مان گا کی گھاٹی میں حادثہ سے دوچار ہو گئی تھی۔ ان دونوں ریڈیوز سے مذکورہ کشتی میں سے صرف ایک جملہ نشر ہوا۔ کشتی کے مسافروں میں سے کسی ایک مسافر نے صرف اتنا کہا ہے کہ۔

کشتی کا کپتان اور دوسرے تمام مسافر مر چکے ہیں اس وقت صرف میں ایک ہوں جو تا حال زندہ بچا ہوا ہوں۔

اس کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔ کافی وقت اور کوشش کے بعد ایک بار پھر رابطہ بحال ہوا تو انہیں اس شخص کا یہ آخری جملہ سنائی دیا۔

ہائے افسوس اب تو میں بھی مر رہا ہوں۔

اس جملہ کے بعد رابطہ ہمیشہ کے لئے منقطع ہو گیا۔ کئی وفود اس کشتی کو بچانے کے لئے روانہ ہوئے لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ کشتی میں سوار تمام افراد اپنی اپنی سیٹوں پر پراسرار طور پر خشک ہو چکے تھے اور ان کے بوکھلائے ہوئے وحشت زدہ

چہرے دیکھنے والوں کے لئے درس عبرت بنے ہوئے تھے۔

امداد کے لئے جانے والوں نے جو انکشاف کیا وہ یہ تھا کہ کشتی کے کپتان اور دیگر مسافروں کی اس دہشتناک موت کا سبب تنہا ایک کتا تھا جو کشتی میں موجود تھا جبکہ کتے کی طرف سے نہ تو کسی حملہ کی کوئی علامت موجود تھی اور نہ ہی کتے کے زہریلے اثرات میں سے کسی قسم کی کوئی نشانی پائی گئی تھی۔ مگر یہ سوال ہے کہ۔ وہ کیوں مرے اور کیسے مرے؟ آج تک تشنۂ جواب ہے اور یوں یہ عمناک سانحہ تحقیقات بسیار کے باوجود بلا نتیجہ رہ گیا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ حادثہ اگرچہ مثلث برموڈا کے علاقہ میں نہیں ہوا بلکہ اس علاقہ سے بہت دور فلپائن اور انڈونیزی کے جزائر کے مابین رونما ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی توجہ طلب بات ہے کہ اس علاقہ میں نہ تو اس سے پہلے کبھی کوئی ایسا پراسرار حادثہ ہوا تھا اور نہ ہی اس واقعہ کے بعد آج تک اس علاقہ میں اسی قسم کے کسی اور پراسرار حادثہ کی اطلاع ملی ہے جبکہ مثلث برموڈا کے علاقہ میں رونما ہونے والا حادثہ کوئی بھی ہو وہ پہلا نہیں ہوتا بلکہ وہ سابقہ تعداد میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

۲۔ روزنامہ جمہوریت بغداد۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۹ء کے مطابق دسمبر ۱۹۵۵ء کے ایک دن جیٹ نامی مسافر بردار کشتی جدید ترین آلات سے لیس ہو کر ٹامس ملر کی زیر ناخدائی اٹلی کے بیس مسافروں کو لے کر دریائے اڑہ کی جانب روانہ ہوئی اس کشتی کو منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے دوسو پچاس میل کا سفر کرنا تھا۔ مسٹر ملاح اس علاقہ کے تمام آبی راستوں سے بخوبی واقف اور ایک تجربہ کار ملاح تھا۔ اس کے اندازہ کے مطابق روانگی سے دو دن بعد منزل مقصود پر انہیں پہنچنا تھا۔ مسافروں اور انہیں الوداع کہنے والوں میں سے کسی کو بھی ملر کے اندازہ سے اختلاف نہ تھا۔ موسم انتہائی موافق تھا اور دریا پرسکون تھا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ کشتی اپنی منزل

مقصود تک نہ پہنچ سکی ۔ جب کشتی کی گمشدگی کا شک ہوا تو کچھ کشتیاں اور کچھ ہوائی جہاز اس کشتی کی تلاش میں روانہ ہوئے ۔ اڑتیس دن بعد لوگوں کو معلوم یہ کشتی جزیرہ فجی کے قریب مل گئی ۔ تلاش کنندگان میں سے رابرٹ جیمس کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیے :

ہمیں کشتی تو تمام کی تمام صحیح و سالم مل گئی ہے لیکن جہاں تک کشتی میں سوار مسافروں کا تعلق ہے ان کا کوئی نقش پا تک ہمیں نہیں مل سکا ۔ ہنگامی حالات کے لئے رکھے گئے فاق اور کھانے پینے کا تمام سامان اپنی جگہ کشتی میں جوں کا توں موجود ہے ۔ کسی ڈاکہ یا دریائی قزاقی کا کوئی معمولی سا نشان بھی ہمیں نظر نہیں آ سکا ——
اندازہ یہی ہے کہ کشتی نے آغاز سفر رات کو کیا تھا ۔ راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی پروگرام بالکل صاف اور واضح تھا ۔ لیکن کشتی کے تمام جدید ترین آلات بیکار ہو گئے اور الیکٹرانک گھڑی ۱۰ بجے خاموش نظر آ رہی ہے ۔ کیبنوں میں تمام سامان اپنی جگہ پر موجود ہے ۔ کسی حملہ اور سامان کے درہم برہم ہونے کے کوئی آثار نہیں ہیں ——
آج تک کسی کو نہ تو کشتی کے مسافروں کا کوئی سراغ مل سکا ہے اور نہ ہی عملہ ملاح کے متعلق کچھ بتایا جا سکا ہے کہ وہ کہاں گئے اور ان پر کیا بیتی ؟

اس واقعہ کو اگر مثلث برمودا کے حادثات کی روشنی میں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ بہت بڑا فرق موجود ہے ۔ اور وہ یہ کہ یہ کشتی تلاش کنندگان کو مل گئی ہے جبکہ مثلث برمودا میں گمشدہ کوئی کشتی تلاش کنندگان کو کبھی نہیں ملی بلکہ تلاش کنندگان کے اعلان عجز کے مہینوں بعد اتفاقی طور پر کسی کے سامنے آ گئی ۔ اور اس میں آلات کشتی میں سے سمت بتانے والا آلہ غائب پایا گیا ۔

اور دوسرا فرق یہ ہے کہ مذکورہ کشتی کے اس طرح گم ہونے سے قبل یا بعد میں اس علاقہ سے کوئی ایسی اطلاع موصول نہیں ہوئی بلکہ اپنی نوعیت کا پہلا اور آخری واقعہ ہے جبکہ مثلث برمودا میں اس قسم کا کوئی واقعہ نہ تو پہلا ہوتا ہے اور نہ ہی آخری ۔

بیان تو ایسے واقعات کی ڈیڑھ سو برس سے ایک لمبی قطار موجود ہے۔

نمبر۳ - روزنامہ جمہوریت بغداد ۹ دسمبر ۱۹۷۸ء

اس سال مثلث برمودا میں ایک واقعہ یوں رونما ہوا کہ ۔ ۱۹۵۵ء میں جاپان کی ایک کایا مارو نامی کشتی اس علاقہ میں گم ہوگئی اور حکومت جاپان اس طرف متوجہ ہوئی۔ حکومت کو پتہ چلا کہ قبل ازیں دسیوں کشتیاں اس علاقہ میں گم ہوگئی ہیں اور جو ہوائی اور بحری جہاز بھی ان کی تلاش میں گیا وہ بھی گم ہوگیا۔ چنانچہ حکومت جاپان نے اس علاقہ میں آمد و رفت پر قطعی پابندی لگا دی۔

نمبر۴ روزنامہ جمہوریت ۹ دسمبر ۱۹۷۸ء کے مطابق امریکہ کی سکوئڑیون نامی جنگی کشتی اپنے ننانوے سواروں کے ساتھ لاپتہ ہوگئی اور آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ کشتی یا اس کے مسافر کہاں گئے ہیں؟

نمبر۵ - روزنامہ جمہوریت ۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کے مطابق مثلث برمودا کے علاقہ میں ۵ جون ۱۹۶۹ء کو امریکہ کی دو گمشدہ کشتیاں بحر اوقیانوس کے شمال میں صحیح و سالم حالت میں ملیں۔ ان میں ہنگامی حالات کے لئے قاق۔ کھانے کا تمام سامان، پینے کے پانی کی ٹینکی وغیرہ سب کچھ موجود تھا لیکن کشتی کے مسافروں اور ملاحوں کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

نمبر۶ - روزنامہ جمہوریت کی مذکورہ بالا اشاعت کے مطابق ۱۹۷۰ء میں ایک روسی ہوائی جہاز جنوبی امریکہ کے زلزلہ زدگان کے لئے امداد لے کر جا رہا تھا کہ گم ہوگیا اور آج تک اس کا کوئی پتہ نہ چل سکا کہ کہاں گیا۔ اس ہوائی جہاز کا وائرلیس کے ذریعہ آخری پیغام بحر اوقیانوس کے شمال میں گرین لینڈ سے موصول ہوا۔

نمبر۷ - اسی روزنامہ جمہوریت کی مذکورہ اشاعت کے مطابق بیرجی ایسٹر بحری جہاز ۲۹ نومبر ۱۹۷۵ء کو برازیل کی بندرگاہ توبارو سے روانہ ہوا اور خلیج ٹوکیو کی

بندرگاہ کمیسٹو کی طرف جارہا تھا کہ راستہ میں لاپتہ ہوگیا۔ اس جہاز پر خام لوہا لدا ہوا تھا جس کی قیمت عراقی کرنسی دینار کے مطابق نوے لاکھ دینار تھی۔ عملے کے تیس ارکان اور کپتان بھی آج تک لاپتہ ہیں۔ پروگرام کے مطابق اس جہاز کو ۲۹ نومبر ۱۹۷۵ء کی روانگی کے بعد سینتیس دنوں میں ۵ جنوری ۱۹۷۶ء کو اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنا تھا۔ لیکن نہ تو جہاز اپنی منزلِ مقصود پر پہنچا اور نہ ہی کوشش بسیار کے بعد آج تک اس کا کوئی سراغ لگایا جا سکا۔

مثلث برمودا میں حیرت انگیز واقعہ :۔

الاسبوع العربی ۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۷۸ء کے مطابق آج سے صرف نو برس پہلے مثلث برمودا میں ایک ایسا حیرت انگیز حادثہ رونما ہوا ہے کہ اسی دن عالمی ریڈیوز میں سے اہم اسٹیشنوں نے اس خبر کو روئے ارض کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچا دیا اور روزنامہ جمہوریت بغداد نے اپنی ۲۹ دسمبر ۱۹۷۷ء کی اشاعت میں شائع کیا۔ یہ واقعہ بھی مثلث برمودا کے حیرت انگیز واقعات میں سے ایک ہے۔ جس میں ڈی۔سی ۸ ہوائی جہاز کافی دیر تک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد زندگی سے ہمکنار ہوا۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ زندگی کے آخری سرے اور موت کے دہانے پر پہنچنے کے بعد اسے معاف کر دیا گیا۔ یہ اس جہاز کے مسافر موت کو چند قدموں کے فاصلے پر قریب سے دیکھنے کے بعد ایک مرتبہ پھر واپس پلٹ آئے اور مثلث برمودا کی بھینٹ چڑھنے سے بچ گئے۔

روزناموں نے اس واقعہ کی تفصیل جس طرح بیان کی ہے ہم اس کا خلاصہ پیش کئے دیتے ہیں

۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء کو برانیف ایئرلائن کے ڈی۔سی ۸۔ ہوائی جہاز نے نیویارک

سے پانامہ کے لئے پرواز کی۔ پروگرام کے مطابق اسے نیو یارک سے پانامہ تک دو گھنٹے میں پہنچنا تھا۔ ہوائی جہاز جزائر پانامہ کے قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا حتیٰ کہ جزائر پانامہ کی سرزمین ہوائی جہاز کے پروں کے سایہ میں محسوس ہونا شروع ہو گئی تھی کہ اچانک ہوائی جہاز کو ایک جھٹکا لگا اور ہوائی جہاز دیوانوں کی طرح ایک جگہ رک کر چکر لگانے لگا۔ ہواباز اور عملے کے دیگر افراد ادھر ادھر دوڑنے اور گرنے لگے کہ ہوائی جہاز نے از خود بلند ہونا شروع کر دیا۔ بلندی کی آخری حد تک پہنچ کر گم گشتہ راہ ہو گیا۔ مسافر اور عملہ دہشت زدہ ہو گئے۔ دنیا ان کی آنکھوں میں تاریک ہو گئی۔ تمام مسافر اپنی اپنی کرسیوں پر بیلٹس کسے ہوئے دونوں ہاتھوں سے کرسیوں کے دستے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ جہاز کو کیا ہو گیا ہے؟ مسافروں کے مابین باہمی گفتگو میں خوف اور وحشت سے زیادہ بوکھلاہٹ کا عنصر غالب تھا۔ حالانکہ اب جہاز صاف و شفاف نیلے نیلے آسمان کے نیچے مصروف پرواز تھا۔ ہواباز کے کیبن میں بیکار شدہ تمام آلات اب ٹھیک کام کر رہے تھے۔ خطرے کی سوئی سے کوئی خطرہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن پھر بھی بہت بڑا خطرہ تھا۔ کیونکہ جہاز ہواباز کی بات ماننے پر تیار نہ تھا۔ ہواباز بار بار جہاز کے تمام آلات کو ادھر ادھر کر رہا تھا لیکن ایسے معلوم ہوتا تھا کہ اب جہاز پر کسی اور بیرونی طاقت کا قبضہ ہے۔ جہاز آہستہ آہستہ پستی کی طرف آ رہا تھا اور بحر الکاہل کی موجیں قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔ مسافر کھڑکیوں سے بحر الکاہل کی موجوں کو دیو پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ ہواباز جہاز کو بلند کرنے کی ہر کوشش کر کے تھک چکا تھا اور اب تو بتقدیر آرام سے بیٹھ گیا تھا۔ کہ یکایک پھر ایک معجزہ رونما ہوا اور بحر الکاہل کی سطح سے دو سو میٹر کی بلندی تک پہنچ کر جہاز ہواباز کے قبضہ میں آ گیا۔ اس بلندی و پستی اور جہاز کے چکروں میں انہیں چوٹیں بھی آئیں۔ جب ہواباز

کو جہاز پر کنٹرول حاصل ہوا تو اس نے دیکھا کہ میں میامی کی فضا میں ہوں۔ چنانچہ اس نے ہنگامی حالت میں جہاز کو میامی کے ہوائی اڈہ پر اتارا۔ جہاز کی چیکنگ شروع ہوئی۔ لیکن کسی ماہر کو کسی جگہ بھی کوئی فنی خرابی نظر نہ آئی۔ اور نہ ہی اس حادثہ جانکاہ کا کوئی سبب معلوم ہوسکا۔ تحقیق کنندگان بالآخر ایک نتیجہ پر پہنچے کہ۔ اس حادثہ کا صرف اور صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ۔ ہوائی جہاز سے غیر شعوری طور پر مثلث برمودا کے آب سفید کی حدود سے غفلت ہوگئی اور جونہی آب سفید کی سرحد عبور کرنے لگا حادثہ سے دوچار ہوگیا۔ ہوائی جہاز کا مذکورہ حادثہ اور اس جیسے سیکڑوں دیگر حادثات ہمیں اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ دور جدید کے مفکر سائنسدانوں سے ذیل کے چند سوالات کریں۔

- ان حادثات کی کیا توجیہ و تاویل ہوگی ؟
- آخر ایسے حادثات کیوں رونما ہوتے ہیں ؟
- اگر سائنسداں ان حادثات کا راز پانے میں کامیاب ہوجائیں۔

تو پھر کیا وہ اس بات کی تعیین بھی کرسکیں گے کہ وہ کس قسم کے افراد اور جہاز ہوتے ہیں جنہیں مثلث برمودا کا آب سفید اپنے قبضہ میں لینے کے بعد معاف کردیتا ہے اور وہ کس قسم کے افراد اور جہاز ہوتے ہیں جنہیں مثلث برمودا کے آب سفید میں پہنچے کے بعد معاف نہیں کیا جاتا ؟

- آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جب کسی جہاز کو مثلث برمودا سے قبضہ کے بعد واپس کیا جاتا ہے تو جہاز کے بے قیمت کا غذات اور سمت معلوم کرنے والے معمولی آلات کے علاوہ قیمتی مال و متاع اور زر و جواہر کو واپس کردیا جاتا ہے اور انہیں ہاتھ تک نہیں لگایا جاتا۔
- کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ آب سفید کی حدود کے اندر ایک ایسی طاقت موجود

ہے جو اس علاقہ میں تحقیقات کی نیت اور ارادہ سے جاتے ہیں انہیں معاف نہیں کرتی اور ان کی کوئی اطلاع بھی نہیں ملتی اور جو لوگ غلطی اور اتفاق سے اس علاقے میں چلے جاتے ہیں انہیں معمولی سی تنبیہ کے بعد واپس کر دیا جاتا ہے۔

● بعض دانشمندوں کے بقول کیا یہ پوشیدہ طاقت وہی طبعی قوت جاذبہ اور مقناطیسی عامل ہے۔ یا ایک غیبی طاقت ہے جو اس علاقہ میں قیام پذیر ہے اور کسی کو یہ اجازت نہیں دیتی کہ اس کی ہوائی یا بحری حدود کی خلاف ورزی کر کے اس کے علاقہ میں بغرض تحقیق و جستجو آئے ؟

کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اس علاقہ میں رونما ہونے والے حادثات کو ان اڑن طشتریوں سے مربوط کیا جائے جن کی اطلاع مثلث برمودا کے دسیوں محققین نے اپنے مقالہ جات میں دی ہے اور بتایا ہے کہ ہم نے اس علاقہ میں اڑن طشتریوں کی آمد و رفت کو بچشم خود دیکھا ہے ؟

حقیقت حال کو تو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ مثلث برمودا میں رہ کر مفکرین نے دسیوں برس بعد بھی جس نتیجہ پر اپنی تفتیش و تحقیق کو چھوڑ دیا ہے وہ یہی ہے جب ہمیں آب سفید سے گزرنے کی اجازت ہی نہیں مل رہی اس لئے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آب سفید کے اس پار کیا ہے ؟ آج تک کی تحقیقات کے نتیجہ میں نہ صرف کوئی قابل یقین نظریہ پیش نہیں کیا جا سکا بلکہ آب سفید کی حدود کو عبور کرنے کی کوشش میں پراسرار حادثات سے دوچار ہونے والوں کی طرح تحقیقات بھی پُراسرار ہو کر رہ گئی ہیں۔

مناسب ہو گا کہ اگر ہم آج تک کے نظریات کو بھی اپنے قارئین کے سامنے رکھ دیں تاکہ ہمارے قارئین بیسیوں برس کی ان کوششوں سے بھی آشنا ہو جائیں۔

اگرچہ ہم اس بات کو بعید از امکان نہیں سمجھتے کہ ایک دن کوئی مفکر محقق

مثلث برمودا میں رونما ہونے والے حادثات کے اصلی سبب سے آشنا ہو جائے لیکن اس امید کے ساتھ کہ ہم اس فکر کو بھی بعید از قیاس نہیں سمجھتے کہ مستقبل میں مثلث برمودا میں تحقیق کرنے والے ہمارے اس نظریہ کی تصدیق کر دیں کہ مثلث برمودا کے علاقہ میں ایک الٰہی طاقت کا قیام ہے ۔ اگرچہ ہمارے اس نظریہ کا بری طرح مذاق اُڑایا جاتا ہے اور تمسخر کیا جاتا ہے لیکن اگر ایسا ہو گیا تو مذاق اُڑانے والے خود مذاق بن جائیں گے ۔ کیونکہ ایک وقت تھا جب اسلام نے رُوح کو جسم سے علیحدہ بتایا تھا اور کہا تھا کہ روح کبھی فنا نہیں ہوتی اور یہی نظریہ عقیدۂ قیامت کی بنیاد ہے تو اس وقت کے علماء اس اسلامی نظریہ کا مذاق اڑایا کرتے تھے لیکن آج ہپناٹزم، احضار ارواح اور ٹیلی پیتھی کی فنی معلومات اور تجربات و مشاہدات نے اس اسلامی نظریہ کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے ۔

لیکن ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں اور ایک مرتبہ پھر اپنی اس بات کو دہرائیں گے کہ ہماری اس تمام تر تدوین و تالیف اور گفتگو کا مقصد یقینی طور پر یہ ہرگز نہیں ہے کہ مثلث برمودا کے اس علاقہ میں کسی الٰہی طاقت کا حتمی قیام ہے ۔ بلکہ یہ ایک احتمال ہے جو ممکن ہے حقیقت ہو بلکہ عین ممکن ہے حادثات کا یہ سلسلہ کسی ایسے طبعی عامل کا نتیجہ ہو جو قدرت نے بالخصوص اس علاقہ میں ودیعت کر رکھا ہو ۔

سائنسدان اور مثلث برمودا :۔

مثلث برمودا میں پیش آنے والے ان پر اسرار ہوائی اور بحری حادثات کے لئے اس فن سے تعلق رکھنے والے سپیشلسٹ ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں تاکہ ممکن ہے یہ لوگ کوئی ایسی راہِ نجات تلاش کر لیں جس پر چل کر آئندہ کے

لئے ان ناگہانی حادثات سے نجات مل جائے کیونکہ اس علاقہ میں رونما ہونے والے ناگہانی حادثات انتہائی نقصان دہ ثابت ہو رہے ہیں اور آج تک اس راستہ میں ہزاروں ہوا باز، ملاح، نوکر اور مسافر کام آچکے ہیں۔ سیکڑوں ہوائی جہاز، بحری جہاز، مسافر بردار کشتیاں، جنگی کشتیاں اور اس قسم کی دوسری تحقیقات چیزیں غرقاب ہو چکی ہیں۔

ان تمام تحقیقات کے نتیجہ میں جو نظریات منظر عام پر آئے ہیں ان کے مطالعہ سے جو حقیقت سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ آج تک نہ صرف اس مشکل کا کوئی حل نہیں نہیں نکل سکا بلکہ بعض نظریات تو ایک دوسرے کے بالکل متضاد بھی ہیں۔

جب ماہر محققین کی تحقیقات بے سود ہو گئیں تو سپر پاورز نے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے دور و قریب سے عالمی سطح پر دعوت تحقیق دی تاکہ ممکن ہے کسی اور کے ہاتھ میں ان حادثات کا کوئی سراغ لگ جائے۔

امریکہ اور روس نے اپنے مشترکہ اجلاسوں میں یہ فیصلہ کیا کہ دونوں ممالک کے ماہر سائنسدانوں پر مشتمل بالمود کمیٹی۔ کے نام سے تشکیل دی جائے تاکہ ممکن ہے اس اشتراک عمل کے نتیجہ میں مثلث برمودا کے آب سفید کو عبور کرنے کا کوئی معقول راستہ نکل آئے اور ان حادثات کا سبب معلوم ہو جائے۔

بالمود معاہدہ :-

ماہنامہ الفکر الجدید ۱۹۷۸ء بحوالہ بلغاریہ کے ماہنامہ بار الیلی نے معاہدہ کی تفصیل - اضافہ مثلث برمودا - کے عنوان سے اس طرح شائع کی ہے :-

امریکہ اور روس ہر دو ممالک نے معاہدہ کیا ہے کہ مثلث برمودا کے معمہ کی تحقیقات کو ہم آہنگ کرنے کے لئے مشترکہ سرمایہ کاری سے ایک ساتھ مل کر دست تحقیق

بڑھایا جائے اور اپنے تمام تر مادی وسائل کو ایک مشترکہ پروگرام کے تحت کیا جائے تاکہ اس معمہ کا حل معلوم ہو سکے۔

اس مشترکہ معاہدہ کی پہلی تحقیقاتی کمیٹی کینیڈا کے دارالحکومت نووا اسکوشیا کی ریاستی بندرگاہ ہولیفاکس سے وکیٹر ہجیف نامی کشتی کی روانگی سے کی گئی۔ پروگرام کے مطابق ان محققین کو مثلث برمودا کے علاقہ میں عرصہ ڈیڑھ برس یعنی ۱۹۷۸ء کے آخر تک وہیں رہنا ہے۔

یہ ایک مشترکہ پلان ہے جس کا نام معاہدہ بالمودہ ہوگا۔ اس معاہدہ کی رو سے اس کمیٹی سے قبل مثلث برمودا کے سلسلہ میں جتنے ممالک کی تحقیقات ہیں وہ سب کی سب اس کمیٹی کے محققین کے قبضہ میں دے دی جائیں گی۔ اس علمی معاہدہ کی رو سے یہ کمیٹی حسب ذیل نکات پر تحقیق کرے گی۔

- بحراوقیانوس میں پیش آنے والے حادثات
- سمندری طوفان
- سمندری کوہ پیکر موجیں
- قوت کشش اور مقناطیس
- فضائی حادثات اور فضائی کنوئیں
- علاوہ ازیں دیگر بحری اور ہوائی مسائل۔

بلغاریائی ماہنامہ کا اضافہ:۔

قبل ازیں اس قسم کا معاہدہ امریکہ، برطانیہ اور کینیڈا کے مابین تھا۔ اس معاہدہ کی رو سے محققین کو مثلث برمودا میں مقناطیسی قوت پر تحقیق کرنا تھی۔ اس کے بعد بلغاریہ کے بارایلی ماہنامہ نے ان الفاظ سے اس نئے معاہدہ کی تائید کی ہے کہ

اب یہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ ان دو سپر پاورز کی مشترکہ مخلصانہ کوششوں سے مثلث برمودا کا معمہ معاہدہ بالمودے کے ذریعہ حل ہو جائے گا۔

بارانیل نے مزید لکھا ہے کہ۔ وکیٹر توجیف نامی یہ مشترکہ مساعی کی کشتی انتہائی جدید ترین الیکٹرانک آلات سے لیس ہے جو ایک سال مکمل مثلث برمودا کے کسی ایک زاویہ پر لنگر انداز رہ کر اس علاقہ میں رونما ہونے والے تمام موسمی اور علاقائی حالات کا جائزہ لے گی۔ ایک برس بعد دوسرے مسائل پہ توجہ دے گی۔

بیکار نظریہ :۔

ان محققین کو جو ہدایت کی گئی ہے اس میں ایک انتہائی پست اور گھٹیا بات یہ ہے کہ ان مشترکہ مساعی میں تمام محققین اپنے علمی مقالہ جات میں کسی ماورائے طبیعت عنصر کا تذکرہ ہرگز نہ کریں گے اور اپنی تمام توجہ صرف اور صرف مادی اصول پہ مرکوز رکھیں گے۔ خلاف عادی کسی معاملہ کے تصور ہی کو ذہن میں نہ آنے دیں گے اور دیگر روزمرہ معمولات کی مانند مثلث برمودا کی تحقیقات میں بھی معجزانہ امور سے انکار ہی کریں گے جب کہ یہ چیز ان کے بس سے قطعی باہر ہے۔

روزنامہ العراق ۶ دسمبر ۱۹۷۶ء بحوالہ پراودا ماسکو کے مطابق لینیڈ برانیکو کی روسی نامہ نگار تمام ان اطلاعات اور ریڈیو نشریات جن کا تعلق مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات میں ہوائی اور بحری جہازوں کی گمشدگی سے تھا، کو سرے سے بے بنیاد اور غلط کہہ کر جھوٹ سے تعبیر کرتا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان تمام مسلمہ حقائق کو صرف یہ کہہ کر مسترد کر دیتا ہے کہ۔ یہ سب کچھ یومیہ اخبارات کی سرمایہ دارانہ ذہنیت کی من گھڑت کہانیاں اور افسانے ہیں۔

اسی طرح ڈیفڈ کوش نامی ایک کینیڈیائی سائنسدان نے بھی مثلث برمودا کے

پراسرار حادثات پر ایک کتاب لکھی ہے اور مثلث برمودا میں پیش آنے والے تمام حادثات کو خرافات سے تعبیر کیا ہے۔ اس علاقہ میں ٹریفک کی کثرت کو ان تمام گمشدگیوں کا ذمہ دار قرار دیا ہے ؛ وہ لکھتا ہے کہ ۔ چونکہ اس علاقہ میں ٹریفک بکثرت ہے اس لئے وہاں اس قسم کے حادثات کا رونما ہونا فطری امر ہے۔

مگر پیرس کے عالمی خبروں کی نشریات ۱۸ جنوری ۱۹۸۰ء کے مطابق ملبغاریہ کے ماہنامہ بار الیلی نے اس نظریہ کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا ہے کہ ۔ مثلث برمودا کی فضا اور اس علاقہ کے پانیوں میں گمشدہ ہوائی اور بحری جہازوں کی تعداد اس کثرت سے ہے کہ کوئی دانشمند ہزاروں کی تعداد میں ہوائی اور بحری جہازوں کی گمشدگی کو صرف ٹریفک کی کثرت سے ہرگز تعبیر نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسے فطری امر کہا جا سکتا ہے۔

الفکر الجدید ۱۹۸۰ء کے مطابق بار الیلی نے ڈیفنڈ نظریہ کے حامیوں کی ایک اور بات یہ بھی لکھی ہے کہ امریکی اطلاعات کے مطابق ان حادثات کا سبب مثلث برمودا میں غیر یقینی موسم بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اس علاقہ میں بعض اوقات اچانک ایسی آندھیاں بھی چلنے لگتی ہیں کہ دس منٹ کے قلیل عرصہ میں ہر چیز کو درہم برہم کر دیتی ہیں ۔

مقام فکر اگر بات اتنی اور سادہ سی تھی جیسا کہ روسی اور کینیڈیائی دو محققین کا نظریہ ہے تو پھر کرۂ ارض کے ہزاروں سائنسدانوں نے اپنی عمر عزیز کا بیش قیمت حصہ اس علاقہ میں ڈیرے ڈال کر تحقیقات میں کیوں ضائع کر دیا ؟

- اور آخر میں اپنی تحقیقات کے بے نتیجہ ہونے کا اعتراف کس بنیاد پر کیا ہے ؟
- امریکہ اور روس جیسی سپر طاقتوں نے کیوں اربوں ڈالر مثلث برمودا کی نا قابل تحقیق بھٹی میں جھونک دیئے ؟
- معاہدہ بالمودا اور معاہدہ مقناطیس جیسی دستاویزات کس بنیاد پر آج بھی

اپنی بے کسی اور بیچارگی کا رونا رو رہی ہیں ؟
● بھلا کوئی عقلمند و مذکورہ احمقوں کی جنت میں بسنے والوں کی بات مان لیگا؟

دوسرے نظریات :-

ان دو فضول اور بے قیمت نظریات کے مقابلہ میں ایسے نظریات بھی موجود ہیں جن میں زیرِ نظر مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس معمہ کو حل کرنے کی خاطر بطور نتیجہ اپنے اپنے انداز فکر کے مطابق مثبت انداز اختیار کر کے تحقیق مزید کے لئے راہنما نظریات پیش کئے گئے ہیں۔

● بعض سائنسدانوں نے مثلث برمودا کی فضا میں دیکھی جانے والی اُڑن طشتریوں اور اس علاقہ میں رونما ہونے والے حادثات کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔

● بعض سائنسدانوں نے جغرافیائی اعتبار سے اس علاقہ کی مثلث شکل کو ان حادثات میں اثر انداز بتایا ہے۔

● بعض سائنسدانوں نے ان حادثات کا سبب جبل الطارق کے مغرب میں بحر اوقیانوس میں واقع ایک خیالی جزیرہ جس کا نام اٹلنٹس تھا اور ہزاروں برس پہلے اوقیانوس میں ڈوب گیا تھا۔ اس اٹلنٹس سے اُٹھنے والی شعاعوں کو قرار دیا ہے۔

● بعض سائنسدانوں نے ان حادثات کا سبب یہ بتایا ہے کہ جس طرح مصر میں اہرام مصر سطح زمین پر جادوئی اسلحہ سے لیس ہیں اسی طرح مثلث برمودا کے اس علاقہ میں زیرِ آب اہرام مصر جیسے جادوئی اہرام پوشیدہ ہیں جو اپنے ساحرانہ اثرات سے ہوائی اور بحری جہازوں کو متاثر کرتے ہیں اور یوں یہ جہاز جادو کے زیر اثر آکر گم ہو جاتے ہیں۔

لیجیے اب ہم قارئین کو قدرے تفصیل کے ساتھ ان نظریات سے روشناس کراتے ہیں۔

۱- برمودا اور اڑن طشتریاں :-

الفکر الجدید ۱۹۷۸ء نے بلغاریہ کے ماہنامہ بارالیلی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ـــ بعض سائنسدان اس بات پر مصر ہیں کہ چونکہ مثلث برمودا کے اس پڑوسی علاقہ میں اڑن طشتریوں کی آمدورفت نہ صرف زیادہ ہے بلکہ یہی خطہ ان کی مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے انہی اڑن طشتریوں میں آنے والے جونہی کسی ہوائی یا بحری جہاز کو اس علاقہ کی طرف بڑھتا دیکھتے ہیں انہیں ختم کر دیتے ہیں تاکہ ان کی تحقیقات کا راز راز ہی رہے اور کوئی مطلع نہ ہوسکے۔

ماہنامہ الف بار ۳۱ مئی ۱۹۷۸ء کے مطابق اس نظریہ کا بانی امریکہ کا معروف زمانہ سائنسدان چارلس برلیٹز ہے جس نے اس نظریے کے بعد کتاب لکھی ہے اور اس کا نام ـ مثلث برمودا کے تمام اسرار بے نقاب ہوگئے ـ رکھا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ مثلث برمودا میں تمام حادثات کی ذمہ دار یہی اڑن طشتریاں ہیں۔

ابتدا میں تو بیچارے چارلس کو یہ نظریہ پیش کر کے بڑے سنگین حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ تمام سائنسدانوں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ ہر طرف سے طنز و مزاح شروع ہوگیا۔ حتٰی کہ نام نہاد سائنسدانوں نے تو غریب چارلس کا بری طرح مذاق بھی اُڑایا۔ لیکن بحرہند سے کچھ اطلاعات نے ڈھارس بندھائی اور مذاق اُڑانے والے اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

● روزنامہ جمہوریت ۱۵ دسمبر ۱۹۷۹ء کے مطابق بحر ہند سے کچھ اس قسم کی اطلاعات موصول ہوئیں کہ ـــ چند نورانی چیزیں بحر ہند کی پانی کی سطح پر دیکھی گئی ہیں ـــ ہائیڈروگرافی کے ماہر انگریز الیفنٹر نے ان شعاعوں کو جو پانی کی تہ سے

برآمد ہوکر ان نورانی اشیاء کو وجود دیتی ہیں کی رفتار کا اندازہ ایک سو تیس کیلومیٹر فی گھنٹہ لگایا ہے ۔ اور یہ بھی پتہ چلایا ہے کہ جس علاقہ میں نورانی اشیاء دیکھی گئی ہیں اس علاقہ میں پانی کا جوش وارتعاش خطرناک حد تک بڑھ جاتا ہے ۔ یہ نورانی اشیاء ابنائے سیام ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۱ء میں ایک ایک مرتبہ اور ۱۹۶۶ء میں تین مرتبہ دیکھی گئی ہیں ۔

● فرانس سے شائع ہونے والے علمی ماہنامے ۔ سائنس ۔ ای ۔ ایف کے مطابق گذشتہ دس برس کے دوران اس علاقہ میں ان نورانی اشیاء کو پچاس بار دیکھا گیا ہے ۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ جس جگہ یہ نورانی اشیاء نظر آئی ہیں اس کے آس پاس جو کشتیاں بھی موجود تھیں ان کشتیوں میں کسی قسم کی کوئی فنی خرابی پیدا نہیں ہوئی نہ ہی کشتیاں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی ہیں لیکن ان کے مسافر پراسرار طور پر مردہ پائے گئے ۔ روزنامہ جمہوریت بغداد توان اموات کو محض ایک اتفاق قرار دیتا ہے ۔ لیکن یہ اتفاق ہے یا ان حادثات کی کڑی کسی اور سلسلہ سے مربوط ہے ۔ ہمیں قطعاً کوئی علم نہیں ہے جو ہمیں معلوم ہے وہ اس قدر ہے کہ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ادھر نورانی شے نظر آئی ادھر اس علاقہ میں موجود کشتیاں سطح آب پر آزادانہ طور پر تیرتی بھی نظر آئی ہیں ۔

● ماہنامہ الف باء ۳۱ مئی ۱۹۷۶ء کے مطابق برنسلے لیبو ٹرزینج اپنی کتاب ناآشنا مہمان ۔ میں لکھتا ہے ۔ ان دنوں اڑن طشتریاں بہت زیادہ نظر آنے لگی ہیں اور اس کی بہترین مثال مثلث برمودا پیش کی جاسکتی ہے جہاں ہر جگہ کی نسبت ان کی تعداد بہت زیادہ دریافت کی گئی ہے ۔

برنسلے نے ایک اور اضافہ یہ بھی کیا ہے کہ مثلث برمودا کے بعد دوسرے نمبر پر جہاں اڑن طشتریوں کی تعداد زیادہ دیکھی جارہی ہے وہ خطرناک مثلث ہے جو

دریائے آرام میں مثلث شیطان کے نام سے معروف ہے اور جاپان کے قریب ہے۔
اس کے بعد برلسٹے لکھتا ہے جہاں تک اڑن طشتریوں کی آمدورفت کا تعلق ہے تو وہ صرف ان دو مقامات سے مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسرے مقامات پر بھی انہیں دیکھا گیا ہے۔ مثلاً ریاستہائے جنوبی امریکہ۔ پرو اور بولیویا کے مابین ۔ کوہ ہمالیہ اور صحرائے عربی وغیرہ۔
آگے چل کر برلسٹے لکھتا ہے کہ ان تمام مقامات پر جہاں جہاں یہ اڑن طشتریاں دیکھی گئی ہیں ان تمام کا راس مثلث برمودا ہے۔ عجیب وغریب صورتوں میں نظر آئی ہیں بعض تو اتنی چمکدار اور روشن ہوتی ہیں کہ ان کی طرف دیکھا تک نہیں جاسکتا اور بعض دوسری عجیب وغریب مانوس اور نامانوس شکلوں میں بھی دیکھی گئی ہیں۔
● امریکہ ہی کا ایک اور سائنسدان الیفنلی سینڈرسن اپنی کتاب ۔ مخفی راز ۔ میں اس بات پر زور دیتا ہے کہ جہاں جہاں مثلث برمودا کی طرز کے پراسرار حادثات رونما ہوتے ہیں وہاں وہاں کچھ نامعلوم اشیاء دیکھی گئی ہیں لہٰذا ان حادثات کا ان نورانی اشیاء سے مربوط ہونا ہرگز مبہم اور سمجھ میں نہ آنے والی بات قطعاً نہیں ہے۔

برمودا اور مثلث شکل :۔

امریکہ کے سائنسدانوں میں سے ایک گروہ جن میں الیفنلی سینڈرسن بھی شامل ہے کا خیال ہے کہ برمودا کی یہ مخصوص شکل وصورت ان حادثات کا سبب ہے انہوں نے اپنے اس نظریئے کی بنیاد ۔ خلائی اسٹیشن اسکائی لیب کی بھیجی ہوئی ایک تصویر پر اٹھائی ہے جس میں مثلث برمودا ایک مخصوص حالت اور مخصوص شکل میں نظر آتی ہے۔ ان کے مطابق جہاں جہاں بھی مثلث برمودا جیسے حادثات پیش آتے ہیں وہاں وہاں اسی طرح کی مخصوص شکل دیکھی گئی ہے مثلاً جاپان کے قریب ایک خطرناک اور معروف علاقہ ہے

جو مثلث شیطان کہلاتا ہے بھی برمودا ہی کی طرح کا ہے۔
روزنامہ جمہوریت ۱۵ دسمبر ۱۹۷۶ء نے روس کے ماہنامہ۔ علم و زندگی۔ کے حوالے سے لکھا ہے کہ سینڈرسن اور کچھ دوسرے سائنسدانوں نے دو مثلثوں میں بہت سی مشترکہ اقدار جمع کی ہیں۔ مثلاً دونوں مثلثیں ۳۰ درجے عرض البلد پہ شمالاً واقع ہیں، جغرافیائی اعتبار سے یہ دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ ہر دو مثلث جغرافیائی نقطۂ نظر سے خشکی اور سمندری محل وقوع میں ایک جیسی ہیں اور شمالی نصف کرہ میں ایک دوسرے کے مقابل دو نقاط میں واقع ہیں۔
بحر اوقیانوس میں رونما ہونے والے حادثات ہوں یا جنوبی افریقہ میں۔ اور جنوبی امریکہ کے عوارض ہوں یا آسٹریلیا میں یہ تمام علاقے ایک دوسرے کے بالکل مشابہ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان علاقوں کی ہندسی اشکال اور ان میں رونما ہونے والے حادثات میں گہرا ربط و تعلق ہے جس کے انکشاف کی ذمہ داری ماہرین فزکس کے ذمہ ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے کہ جہاں کہیں گرم اور سرد پانی ایک دوسرے سے ملاقی ہوتے ہیں وہاں اسی قسم کے پراسرار حادثات رونما ہوتے ہیں اس لئے اس نکتہ کو بھی نظرانداز نہ کیا جائے۔

برمودا اور زیرآب اہرام :-

بلغاریہ کا یہ ماہنامہ بارالیلی لکھتا ہے کہ امریکی سائنسدان چارلس اس بات پر مصر ہے کہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ برمودا کے زیرآب اہرام مصر جیسے اہرام پوشیدہ ہیں جہاں حادثات کو جنم دے رہے ہیں لہٰذا سائنسدانوں کی ایک جماعت کو برمودا کے علاقہ میں زیرآب سفر کر کے تحقیق کرنا چاہئے۔ کیونکہ زیرآب نصب کئے گئے راڈار انکشاف کرتے ہیں کہ بحر اطلس کے پانیوں کے نیچے ایک ایسا ہرم موجود ہے جس کی بلندی

۱۲۸ میٹر اور بنیاد ۱۴۶ میٹر ہے۔ جو پانی کی سطح سے نو سو میٹر نیچے ہے — اور یہ ہرم مصر میں خشوپس ہرم کے بالکل مشابہ ہے۔

عراقی نشریات نے فرانس کے ایک نشریہ کے حوالہ سے بتایا ہے کہ عنقریب ایک علمی ٹیم اگست ۱۹۷۸ء میں مثلث برمودا بھیجی جائے گی جو ان آخری سالوں میں پیش آنے والے ان دلدوز حادثات کی تحقیق کرے گی جن میں ہزاروں انسان اور سیکڑوں ہوائی و بحری جہاز حادثات سے دوچار ہوتے ہیں۔

یہ علمی ٹیم اپنی تحقیقات کا آغاز اس جسم سے کرے گی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زیر آب تین سو فٹ کی پستی پر لبصورت ہرم موجود ہے۔

ماہنامہ الف بامیہ ۱۹ جون ۱۹۷۸ء کے مطابق زیر آب موجود اس ہرم کی بلندی ایک سو پچاس فٹ بنیاد کا طول تین سو فٹ ہے اور جزائر باہاما سے جنوب میں تین سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے ۔ جانے والی تحقیقاتی ٹیم میامی اور پیرس کے سائنسدانوں پر مشتمل ہوگی ۔ ممکن ہے اس تحقیقاتی ٹیم کے نتائج سے مثلث برمودا میں رونما ہونے والے حادثات کا سراغ لگایا جاسکے ۔ اڑن طشتریوں اور برمودا کی مخصوص شکل کے نظریہ کے بعد یہ تیسرا نظریہ ہے جو لبصورت ہرم زیر آب پیش کیا گیا ہے اور اسے حادثات سے مربوط بتایا گیا ہے۔

علمی نظریات :-

مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات کو مثبت انداز میں دیکھنے والے سائنسدانوں کے مشاہداتی نظریات دیکھ لینے کے بعد آئیے اب ایک نظر میں ان کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے محققین کے انداز فکر سے بھی تھوڑی بہت آشنائی حاصل کرلیں ۔

اس سلسلہ میں ہمارا مدرک و ماخذ علمی ماہنامے اور ملکی روزنامے ہیں جن کے نام ہم ساتھ ہی ساتھ پیش کرتے رہیں گے۔ جو عالمی اخبارات و ماہناموں سے ترجمہ کئے گئے ہیں۔

ہم نے ان مفروضہ جات کو بھی نظریات ہی کا نام دیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ۔ ان نظریات نے ابھی تک کوئی عملی صورت پیدا نہیں کی بلکہ صرف فرضی خیالات ہیں جو سائنس دانوں نے پیش کئے ہیں اور ان مفروضہ جات کے پیش کرنے والے خود ان کی قطعیت کے قائل نہیں ہیں بلکہ انہوں نے از خود یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ مفروضہ جات ہیں۔ تحقیق کے بعد پتہ چلے گا کہ صحیح ہیں یا غلط۔

یہی وہ مفروضہ جات ہیں جن کی وجہ سے تاحال مثلث برمودا کے حادثات تاریکی کے اندھیرے کنوئیں میں پڑے ہوئے ہیں اور سائنسدان حیرت زدہ ہو کر ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے پھر رہے ہیں۔ ہر سائنسدان نے ان حادثات کو اپنے زاویہ نگاہ سے دیکھا ہے اور جس علم کا جو ماہر تھا اس نے مثلث برمودا کو اپنے فن کی طرف کھینچنے کی کوشش کی ہے۔

ا۔ کسی نامعلوم مقناطیسی قوت کا نظریہ :۔

بعض سائنسدانوں کا خیال ہے کہ اس علاقہ میں ایک ایسی غیر طبعی اور غیر عادی مقناطیسی طاقت موجود ہے جو ہر ہوائی اور بحری جہاز میں نصب شدہ قطب نما اور بلندی پیما آلات کو بیکار کر کے جہازوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

بلکیسن روسی سائنسدان نے یہ نظریہ روسی اخبار ازویستیا میں پیش کیا ہے اور ان تمام حادثات کا ذمہ دار اسی پوشیدہ مقناطیسی طاقت کو قرار دیا ہے۔

اگر اس نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہمیں اس نظریہ کے حاملین سے ذیل کے

کے چند سوالات کے جوابات بھی مطلوب ہیں ۔

- یہ وضاحت کی جائے کہ مقناطیسی قوت صرف بعض ہوائی اور بحری جہازوں کو کالعدم کیوں کر دیتی ہے ؟
- یہ وضاحت کی جائے کہ بعض بحری کشتیاں اس قوت کے قابو میں آنے کے بعد آزاد ہو کر سطح آب پر کیسے آجاتی ہیں ؟
- یہ وضاحت کی جائے کہ اس قوت نے بعض کشتیوں کے مسافروں ہی کو کیوں اور کہاں غائب کر دیا ؟
- یہ وضاحت کی جائے کہ بعض کشتیوں کے مسافر اپنے کیبنوں میں مردہ کیوں پائے گئے ۔
- جب سبب حادثہ ایک ہی ہے تو پھر نتائج میں تضاد کی حد تک اختلاف کیوں ہے ؟
- حادثات میں یہ واضح اختلاف اور تضاد اس نظریہ کی کلیتہً تردید کرتا ہے ۔

۲ ۔ ہوائی گڑھے :۔

بعض سائنسدانوں کا خیال ہے اس پوشیدہ مقناطیسی قوت کے نتیجہ میں قوت جاذبہ کی بدولت فضا میں گڑھے پڑ گئے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ دیگر تمام علاقوں کی نسبت اس علاقہ میں مقناطیسی قوت ہزاروں گنا زیادہ ہے جس کی وجہ سے مثلث برمودا کی پوری فضا میں گہرے گڑھے پیدا ہو چکے ہیں ۔

ان کے خیال میں جب مثلث برمودا کی فضا میں اڑنے والا کوئی بدنصیب جہاز کسی فضائی گڑھے میں جا پڑتا ہے تو فضا سے ماورا دھکیلا جاتا ہے جس کے بعد اس کے واپس پلٹنے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی ۔ فضا کی طرح اس

اس مقناطیسی قوت نے سمندر میں بھی گڑھے بنا دیئے ہیں اور جو بحری جہاز بدقسمتی سے اس گڑھے میں آتا ہے تو پھر گڑھے کی گہرائی میں نیچے سے نیچے چلا جاتا ہے اور اس کی واپسی کی بھی کوئی اُمید نہیں رہتی۔

اگر واقعہ یہی ہے کہ فضا میں ایسے گڑھے موجود ہیں جو ہوائی جہاز کو بیرون فضا اُچھال دیتے ہیں اور زیرِ سمندر ایسے گڑھے موجود ہیں جو بحری جہاز کو نیچے پھینک دیتے ہیں۔ پھر

- وہ کونسی وجہ ہے کہ بعض کشتیاں ان گڑھوں سے کبھی نکل نہیں پاتیں؟
- اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض کشتیاں مع مردہ مسافروں کے کچھ عرصہ بعد سطح آب پر تیرتی پھرتی نظر آتی ہیں اور ان میں کوئی فنی خرابی نہیں ہوتی صرف قطب نما اور کشتی کے کاغذات گم ہوتے ہیں؟
- اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض کشتیاں کسی فنی خرابی کے بغیر ماسوائے قطب نما اور کاغذات کے سطح آب پر نظر آتی ہیں لیکن ان میں کوئی مسافر مردہ یا زندہ نہیں ہوتا جب کہ کشتی کے اندر یا باہر کسی ڈاکہ اور حملہ کے علامات میں سے معمولی خراش تک نظر نہیں آتی۔
- کیا یہ مقناطیسی قوت کشتیوں کو اپنے قبضہ میں کرنے اور واپس بھیجنے میں اسی طرح کچھ کشتیوں کے افراد کو ہضم کرنے میں کسی خصوصی طریقہ انتخاب سے کام لیتی ہے۔

ہسٹائی شعاعیں :-

بعض سائنسدانوں کا خیال ہے کہ مثلث برمودا میں ہسٹائی شعاعوں کی نشاندہی ہوتی ہے ان کا خیال ہے کہ ہسٹائی شعاعیں بھی اثرات میں لیزر شعاعوں

کی طرح ہوتی ہیں۔ جب مطلع صاف اور موسم معتدل ہوتا ہے تو سورج ایسے زاویہ پہ چمکتا ہے جس سے ہٹائی شعاعیں نکلتی ہیں۔ جب یہ شعاعیں سمندر پر پڑتی ہیں تو ان کے مقابلہ میں ان کی چند شعاعیں سمندر سے اٹھتی ہیں اور ہوائی جہاز پہ پڑ کر اس کی دھات کو پگھلا دیتی ہیں۔ جس کے نتیجہ میں جہاز نابود ہوجاتا ہے اور اس کی کوئی علامت نہیں رہ جاتی۔

اس نظریہ کو روسی علمی اکیڈمی کے سربراہ لیونیڈ بریخومنکوف نے عقل وخرد سے ایک مذاق قرار دیا ہے اس نے انبائے ماسکو ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۵ء میں لکھا ہے کہ۔ بعض سائنسدان سرے سے لیزر شعاعوں کو نہیں سمجھ پائے اسی لئے وہ یہ کہہ بیٹھے ہیں کہ لیزر شعاعیں ہوائی اور بحری جہازوں کو پگھلا کر پانی بنا دیتی ہیں۔

بہرصورت لیزر شعاعیں پگھلاتی ہیں یا کوئی اور عمل کرتی ہیں یہ مسئلہ ہمارے متعلق نہیں یہ سائنسدان جانیں اور ان کا کام جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تو انہیں لیزر شعاعوں کی طرح کی ہٹائی شعاعیں ہی مان لینے پر تیار ہیں بشرطیکہ ہمیں ہمارے ذیل کے سوالات کے جوابات مل جائیں۔

- اگر ہٹائی شعاعیں حادثات کا سبب ہیں تو پھر تمام کشتیاں کیوں نہیں پگھل جاتیں؟
- بعض کشتیاں صحیح وسالم کیوں مل جاتی ہیں؟
- بعض کشتیوں کے مسافر صرف مردہ کیوں ہوتے ہیں وہ پگھل کیوں نہیں جاتے؟
- بعض کشتیوں کے مسافر مردہ یا پگھلے ہوئے نہیں ملتے بلکہ سرے سے غائب ہوتے ہیں کیا وجہ ہے؟

۴۔ مافوق الفطرت موجوں کا نظریہ :-

مثلث برمودا کے سلسلہ میں شولکن اکیڈمی کی طرف سے جو نظریہ دیا گیا ہے وہ یہ

ہے کہ مثلث برموداہیں مافوق الفطرت ایسی امواج دریافت ہوئی ہیں کہ جن کی سرعت رفتار موجب طوفان باد و گرد ہوتی ہے کیونکہ یہ لہریں تین سو تیس میٹر فی سیکنڈ کے حساب سے دوڑتی ہیں۔ اتنی تیز رفتاری کے ساتھ اگر کوئی دوسرا عامل نہ بھی ہو تو بذاتِ خود یہ تیز رفتاری ہی طوفان ہوتی ہے۔

انسانی زندگی کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ان لہروں کی کمزور سے کمزور تر قسم بھی دریائی امراض۔ اچانک نابینائی اور دورۂ دل کا سبب بن سکتی ہے اگر ان کا درجہ ۷ ہرٹز تک پہنچ جائے تو پھر موت کا سبب بھی بن سکتی ہیں۔

بنابریں یہی لہریں مثلث برموداہیں مسافروں کے دورۂ دل یا شریان کے پھٹ جانے کا سبب بن جاتی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ان لہروں کے اثرات سے مسافروں پر وحشت طاری ہو جاتی ہو اور وحشت کے نتیجہ میں کئی دوسرے عوامل بھی ان کی موت کا سبب بن جاتے ہوں۔

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں یہ نظریہ بھی گذشتہ نظریات کی طرح مثلث برموداکے معمہ کو حل کرنے میں کسی قسم کی کوئی مدد نہیں کرتا ــ روسی علمی اکیڈمی کا سربراہ لیبنیڈ مسکوف اس نظریہ کو بھی غلطی اور فضول قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے :۔

انباۓ ماسکو ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء ۔ ان لوگوں کا یہ انتہائی بیہودہ نظریہ ہے کہ ناقابل سماعت لہریں سمندری موجوں میں طوفان بپا کرتی ہیں اور مسافروں کی موت کا سبب بن جاتی ہیں ــ اگرچہ کہنے کو یہ بات آسان معلوم ہوتی ہے لیکن قطعی دلائل سے جب تطبیق کی جائے تو خود نظریہ دینے والے بھی بغلیں جھانکنے لگیں گے۔

سابقہ نظریہ کی طرح ہم بھی عرض کریں گے کہ علمی اعتبار سے یہ سائنسدانوں کا کام ہے کہ ایک دوسرے کے نظریات کا مذاق اڑائیں یا انہیں سنجیدگی سے لیں۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو ہم اس نظریہ کو بھی تسلیم کر لیتے ہیں کوئی حرج نہیں سمجھتے بشرطیکہ ہمیں ذیل کے سوالات کے جوابات سے نواز کر مطمئن کر دیا جائے۔

● اگر یہی نظریہ درست ہے تو پھر اس کا کیا سبب ہے کہ جب کشتی کا عملہ اور مسافروں کے دورہ یا شریان کے پھٹنے سے دوچار ہوتے ہیں تو اپنی اپنی کرسیوں ہی پر جمے رہتے ہیں ؟

● نہ تڑپتے ہیں۔ نہ پھڑکتے ہیں۔ نہ گرتے ہیں۔ نہ ایک دوسرے پہ پڑتے ہیں۔ نہ سامان درہم برہم ہوتا ہے۔ نہ وائرلیس سیٹ کو کچھ ہوتا ہے۔ شریان بھی پھٹتی ہے۔ دل کا دورہ پڑتا ہے۔ ناک یا منہ سے خون بھی نہیں بہتا اور اپنی اپنی کرسیوں پہ بیٹھے بیٹھے مسافر مر بھی جاتے ہیں۔

۵۔ دریائی آبشاروں کا نظریہ :-

بعض روسی سائنسدانوں کا خیال ہے کہ مثلث برمودا میں رونما ہونے والے ان تمام حادثات کا سبب سمندر کی طوفانی موجوں سے پیدا ہونے والی آبشاریں ہیں جن کی بعض اوقات بلندی کئی کیلومیٹر تک بھی جا پہنچتی ہے اور یہی طوفانی موجیں کوہ پیکر جہازوں کو غرق کرنے کے لئے کافی ہوتی ہیں۔

اگر اس نظریہ کو قبول کر لیا جائے تو بھی مثلث برمودا کا معمہ حل ہوتا نظر نہیں آتا کیونکہ اس نظریہ کے مطابق تو صرف بحری جہاز ہی غرق ہونا چاہئیں ہوائی جہازوں کو متاثر نہیں ہونا چاہیئے جبکہ ہوائی جہاز بھی تو گم ہوئے ہیں۔ اسی طرح ایسے بحری جہازوں کا مسئلہ بھی حل طلب رہے گا جو گمشدگی سے کچھ عرصہ بعد واپس مل گئے۔ بعض میں صرف مسافر نہیں تھے۔ بعض میں مسافر مردہ تھے۔ جو چیز دونوں میں مشترک تھی وہ یہ ہے کہ ہر دو قسم کی کشتیوں میں قطب نما، کاغذات اور بلند پیما غائب

پائے گئے ۔ اور اس نظریہ میں ان سوالات کا کوئی جواب نہیں ملتا ۔

۶ ۔ سمندروں کی تہ میں شگاف :۔

بعض سائنسدانوں کا نظریہ یہ ہے کہ سمندر کی تہ میں بعض اوقات شگاف پڑ جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں بڑے بڑے کوہ پیکر جہاز بھی پانی کے ساتھ شگاف کی نذر ہو جاتے ہیں ۔ اسی طرح ہوائی حادثات بھی فضائی بگولوں میں گم ہو جاتے ہیں ۔ ان بگولوں کو اصطلاحاً متضاد بگولے کہا جاتا ہے ۔

اسی علمی اکیڈمی کے ماہرین نے اس نظریہ کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے اور یہ نظریہ پیش کرنے والوں کے متعلق کچھ اس طرح تبصرہ کیا ہے :۔ کیا ان لوگوں کو یہ علم نہیں ہے کہ اگر زیر زمین معمولی سی حرکت اور لرزش پیدا ہو تو زلزلہ پیما دسیوں مراکز سے اطلاعات دی جاتی ہیں کہ ۔ فلاں فلاں جگہ اتنی پاور کا زلزلہ ریکارڈ کیا گیا ہے ۔ اس مسئلہ کے پیش نظر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بحر اطلس کی تہ میں کوہ پیکر جہازوں کو نگل جانے والے شگاف پڑیں زمین شرقاً غرباً ۔ یا شمالاً جنوباً پھٹے اور کسی زلزلائی مرکز کے کان پر جوں تک نہ رینگے ؟

اور آج تک مثلث برمودا کے علاقہ میں معمولی سے معمولی زمینی حرکت ریکارڈ نہیں کی جا سکی ۔ پھر ہمالیہ پیکر جہازوں کو نگل جانے والے شگاف کیسے پڑ سکتے ہیں ؟

چند سوالات

پیش کردہ تمام نظریات مثلث برمودا کے سلسلہ میں کی گئی تحقیقات کا جوہر ہیں ۔ تمام نظریات کا خلاصہ آپ کے سامنے ہے ۔ مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات کے زخموں پر ان نظریات میں سے کوئی نظریہ مرہم تدبر نہیں بن سکتا اور نہ

ان نظریات سے مثلث برمودا کا معمہ حل ہو سکتا ہے۔ اور اکثر دانشمندوں نے بڑے کھلے دل سے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے۔

اب مناسب ہوگا کہ اس سلسلے میں دامن بیان کو چن لیا جائے اور قارئین کو مزید پریشان نہ کیا جائے اور یہ انتظار کیا جائے کہ ممکن ہے کبھی وہ دن نصیب ہو جائے جس میں ان حادثات کا کوئی معقول اور منطقی پہلو سامنے آجائے۔ ہم اپنے بیان کو سمیٹتے ہوئے آخر میں روسی ماہنامہ۔ علم و زندگی۔ کے پیش کردہ چند سوالات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جو مذکورہ پیش کردہ نظریات پیش کرنے والوں سے ماہنامہ۔ علم و زندگی۔ نے کئے ہیں :۔

۱۔ مثلث برمودا کے حادثات تاحال کیوں تاریکی کی دبیز تہ میں پوشیدہ ہیں ؟
۲۔ سائنسدان کیوں مثلث برمودا کا معمہ حل کرنے میں آج تک ناکام رہے ہیں ؟
۳۔ اتنی کثیر مشترکہ اور انفرادی طور پر سرمایہ کاری آج تک کیوں بے اثر رہی ہے ؟
۴۔ جہازوں کے مسافروں کی گمشدگی کی کیا توجیہ کی گئی ہے ؟
۵۔ آج تک گمشدہ کشتیوں کے ملاحوں نے کشتی کو چھوڑتے وقت ٹیلیگراف یا ٹیلکس پر کوئی اطلاع کیوں نہیں دی ؟
۶۔ اگر ان کشتیوں کو کوئی ہولناک حادثہ پیش آجاتا ہے تو ٹیلکس یا وائرلیس کے ذمہ دار افراد اپنی جان بچانے کی خاطر راہ فرار کیوں نہ اختیار کر سکے ؟
۷۔ اگر گم شدہ کشتیوں کو بادو باراں یا برق ورعد سے کوئی حادثہ پیش آیا ہے تو پھر ہنگامی حالات کے لئے رکھے کاک وغیرہ کو کسی ملاح یا مسافر نے استعمال کر کے اپنی جان کیوں نہیں بچائی اور آج تک کوئی ایک بھی ایسا آدمی ہمیں زندہ یا مردہ نہیں مل سکا ؟
۸۔ اگر ہوائی جہاز کسی حادثہ سے گم ہوئے ہیں تو آج تک کسی ہوا باز نے چھتری

کے ذریعہ چھلانگ لگاکر اپنی جان کیوں نہیں بچائی ؟

یہ تو تھے سوالات جو روسی ماہنامہ علم و زندگی نے کئے ہیں ان سوالات کی فہرست میں چند سوالات کا ہم بھی اضافہ کرتے ہیں :۔

۹۔ گمشدہ کشتیوں میں سے واپس مل جانے والی کشتیوں میں صرف قطب نما اور کشتی سے متعلق ضروری کاغذات کے علاوہ کیوں باقی سب کچھ گم نہیں ہوا حتی کہ زر و جواہرات تک جہاں تھے وہیں پڑے ملے ہیں ؟

۱۰۔ گمشدہ کشتیوں میں سے واپس مل جانے والی کشتیوں میں مردہ ملنے والے مسافروں کے چہروں پر خوف و ہراس کے آثار کیوں نظر نہیں آتے ؟

۱۱۔ یہ مسافر کیوں پر اسرار طور پر انتہائی خاموشی کے ساتھ مرے ہیں ؟

۱۲۔ جن بعض ہوا بازوں نے دم آخر کنٹرول ٹاور سے رابطہ کیا ہے ان کے ان الفاظ — ہم بے بس ہو چکے ہیں — سب مر گئے ہیں — ایک ہولناک حادثہ میں گھر گئے ہیں — اب تو میں بھی مر رہا ہوں — کی کیا توجیہ ہو گی ؟

۱۳۔ تمام کے تمام کیوں مر گئے ؟

۱۴۔ یہ ہولناک حادثہ کیوں پیش آیا ؟

عصر حاضر کی انتہائی ترقی یافتہ نت نئی ایجادات ۔ انسانی فکر و دانش کا بے پناہ ارتقا ۔ تمدن و معاشرت کے بدلتے ہوئے نئے نئے ڈھنگ ۔ ٹیکنالوجی میں حد درجہ کمال ۔ غرض سب کچھ ان سوالات کے جواب سے آج تک عاجز اور سر بگریباں ہے ۔

جس طرح پہلے مثلث برمودا ناقابل نفوذ تھی اسی طرح آج بھی ایک معمہ ہے ۔ اب تو کسی ہوا باز میں اتنی ہمت بھی نہیں پڑتی کہ وہ مثلث برمودا کی فضا میں اڑنے کی ہلکی سی خواہش بھی کرلے اور نہ ہی بحری جہاز کے ہمت کے دھنی ملاح کی جرأت مثلث برمودا کے گرم پانی اور معتدل ہوا میں جانے پر ساتھ دیتی ہے ۔

ممکن ہے خود پرستوں اور خود خواہوں کے لئے یہ مقام حیرت و استعجاب ہو لیکن ہم خدا پرستوں اور خدا خواہوں کے لئے اس میں کوئی بھی حیرت کی بات نہیں ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ عقل و خرد کے بحر بیکراں میں سے انسان کو صرف ایک قطرہ دیا گیا ہے اور قرآن حکیم کے واضح الفاظ نے اس کا برملا اظہار کر دیا ہے۔

ط ۱۱۳ ما اوتیتم من العلم الا قلیلا ٥ تمہیں تو بہت معمولی سا علم دیا گیا ہے۔ اس آیت کے پیش کرنے سے ہمارا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مایوس ہو کر ایک طرف بیٹھ جایا جائے۔ بلکہ ذات احدیت سے ۔ رب زدنی علما ۔ کی درخواست کر کے سلسلۂ تحقیقات کو روک دینے کی بجائے مزید آگے بڑھایا جائے۔
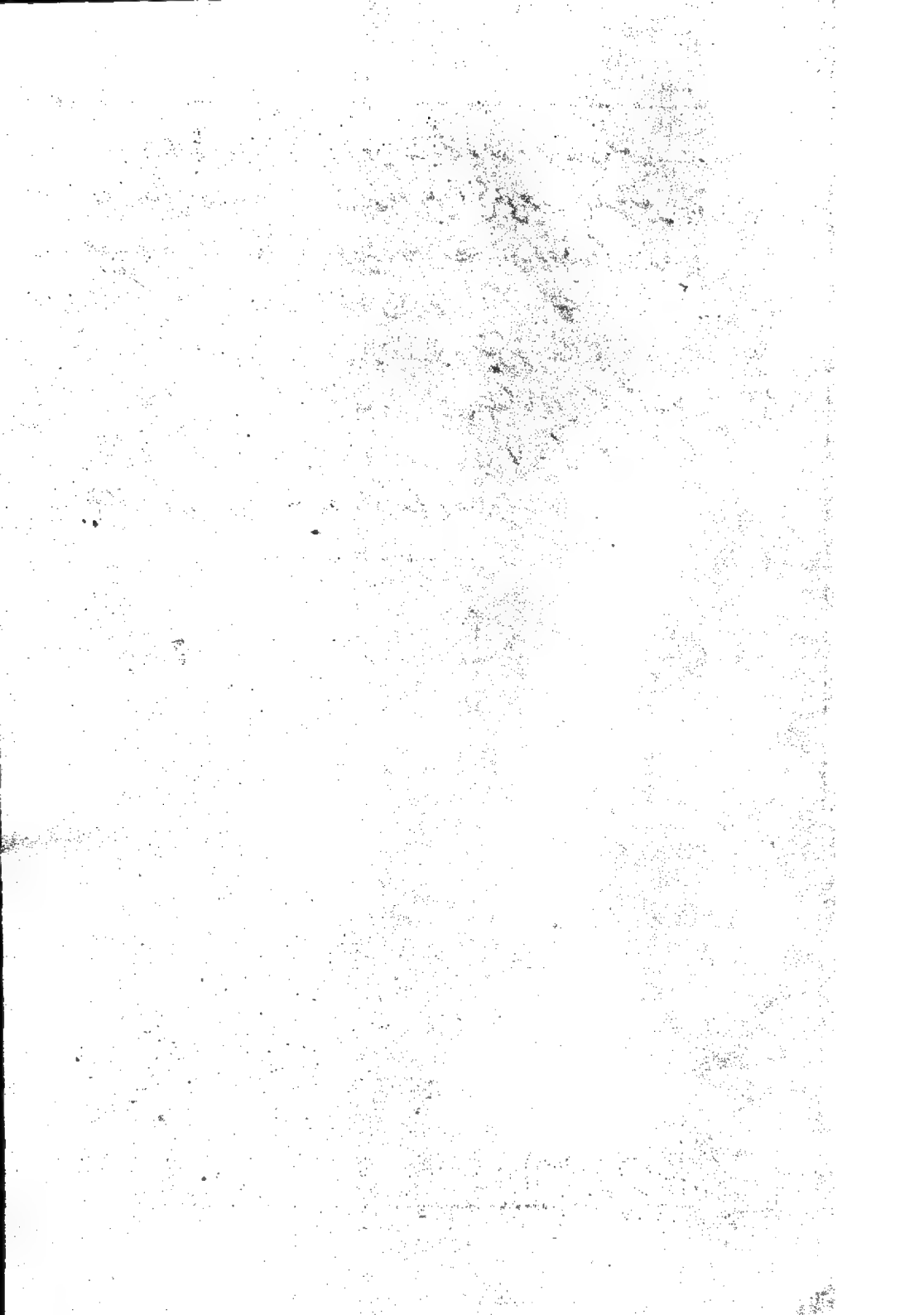
۲

یہ اُڑن طشتریاں

- سب سے پہلی اڑن طشتری
- سائنسدانوں کے نظریات
- یہ اڑن طشتریاں کس کے کنٹرول میں ہیں

جب سب سے پہلے مثلث برمودا کے علاقہ میں پہلی مرتبہ اڑن طشتری کو دیکھا گیا کم و بیش چالیس برس کا طویل عرصہ گزر رہا ہے لیکن تاحال اس سلسلہ میں کوئی آخری اور حتمی فیصلہ نہیں ہو سکا۔

جس شخص نے پہلی مرتبہ کرۂ ارض کی فضا میں ایک نورانی کشتی کو دیکھا تو اس کے حیرت زدہ منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ارے اڑن طشتری کو دیکھو۔ اس دن سے کرۂ ارض پر ان نورانی اشیاء کا نام ہی اڑن طشتری پڑ گیا اور آج تک یہ نورانی اشیاء اڑن طشتریوں کے نام سے متعارف ہیں۔ بعض محققین نے اپنی اصطلاح میں ان کا نام۔ نامعلوم اڑنے والی اشیاء۔ بھی رکھا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض کی شکل ستون نما ہوتی ہے اور بالعموم ان کا حجم جمبو جیٹ طیارے کے برابر ہوتا ہے لیکن اس غضب کی چمک اور درخشندگی ہوتی ہے کہ آنکھیں چندھیانے لگتی ہیں۔

ان اڑن طشتریوں میں سے ان کی اعلیٰ قسم سرخ شعلوں میں لپٹی نظر آتی ہے اور کچھ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی کے ہالہ میں دیکھی گئی ہیں۔

یہ اڑن طشتریاں جب بھی دیکھی جاتی ہیں اور جس علاقہ میں بھی دیکھی جاتی ہیں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب تک اس علاقہ سے دور نہیں ہو جاتیں اس وقت تک اس علاقہ کا تمام لاسلکی مواصلاتی نظام معطل اور بیکار رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ٹیلیفون اور وائرلیس سیٹ بھی کام نہیں کرتے۔

الوطن العربی ۳۰ نومبر ۱۹۷۸ء کے مطابق یہ اڑن طشتریاں جب چاہتی

ہیں ایک لمحہ میں ایک علاقہ سے دور ہو کر نظروں سے غائب ہو جاتی ہیں۔ اگر کرۂ ارض کی ایجادات میں سے کوئی ایجاد فضا میں ان کے قریب ہونا چاہے تو یہ اُڑن طشتریاں اپنی تمام روشنیاں گل کر دیتی ہیں اور ان کا وجود گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

الف باد ۱۰ مئی ۱۹۷۹ء کے مطابق ان اڑن طشتریوں کی رفتار کو آج تک جو ریکارڈ کیا جا سکا ہے وہ سات سو کیلو میٹر فی سیکنڈ ہے۔ انتہائی بلندی پر بھی یہ اڑن طشتریاں بڑی آسانی سے اپنی رفتار کم کر کے رک سکتی ہیں۔ اور لمحہ بہ لمحہ مختلف شکلوں میں بدلتی بھی رہتی ہیں۔

ان اڑن طشتریوں کی قوت بھی حیرت انگیز ہے۔ ان کی روشنی۔ ان کا عمودی صعود۔ عمودی ہبوط۔ دریا کی گہرائیوں میں ڈوب کر سیکنڈوں میں واپس آ جانا۔ فضا میں گم ہو جانا۔ سرعت سے بلند و پست ہونا اور فضا میں ایک جگہ رک جانا تمام امور تعجب انگیز ہیں۔

یہ اڑن طشتریاں جب رونما ہوتی ہیں تو از روئے تحقیقات نہ صرف لاسلکی مواصلاتی نظام معطل ہو جاتا ہے بلکہ تمام الیکٹرانک آلات اور قطب نما تک بے اثر اور بیکار ہو جاتے ہیں۔

ان اڑن طشتریوں کی حقیقت کا راز پانا بھی ہماری آج کی ترقی یافتہ ٹیکنالوجی کے لئے نہ صرف ایک معمہ ہے بلکہ بہت بڑا چیلنج بنا ہوا ہے لیکن تاحال اس معمہ کو حل نہیں کیا جا سکا اور خدا معلوم اور کتنا زمانہ مزید صرف ہوگا۔ پھر بھی نتیجہ معلوم نہیں کہ کبھی کوئی انکشاف ہوگا بھی یا یوں ہی ایک معمہ ہی رہے گا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان اڑن طشتریوں کی کہانی پہلی مرتبہ جب کسی ہوشمند کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو نہ صرف وہ اس داستان کو افسانہ سمجھتا ہے بلکہ ایسی بات کرنے والے کا بے تحاشا مذاق اُڑاتا ہے۔

اس قسم کے بعض افراد نے تو اڑن طشتریوں کے واقعات کو یہ کہہ کر مسترد کردیا ہے کہ — یہ نظریہ بیہودہ ہے۔ جنون ہے۔ مغربی فلمسازوں کا خانہ ساز ہے، اور تیسری دنیا کے سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنانے کی سرمایہ دارانہ سازش ہے۔ حالانکہ واقعہ کچھ اور ہے اور یہ بیہودہ تخیل نہیں بلکہ ایک مشاہداتی اور مسلہ حقیقت ہے۔

ہفت روزہ الاسبوع العربی ۲۹ جنوری ۱۹۷۹ء کے مطابق اپنے وقت کے معروف ترین فزیالوجسٹ اور نظریہ نسبیت کے موجد ابرٹ انیشاس کہتا ہے۔

بلا شک و تردید اڑن طشتریاں موجود ہیں اور یہ اڑن طشتریاں جن ہاتھوں کے کنٹرول میں ہیں وہ بھی انسان ہی ہیں لیکن ایسے انسان جو آج سے بیس ہزار سال پہلے اس کرہ ارض سے ترک وطن کرکے کسی اور سیارہ میں جا بسے ہیں۔

اسی ہفت روزہ کی اسی اشاعت کے مطابق فرانسیسی ماہرین علوم کمیٹی کا رکن جان کوکٹو کہتا ہے — ہمارے پاس ان اڑن طشتریوں کے وجود سے انکار کی کوئی صورت نہیں۔

الاسبوع کی مذکورہ اشاعت کے مطابق۔ میزائیلوں کا ماہر ترین ہرمن ایڈیرشٹ اپنا نظریہ یوں بیان کرتا ہے — میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ عالم فضا میں ایسی ہوشمند قوم رہ رہی ہے جو عقل و خرد کی مافوق العادۃ قوت کی حامل ہے اور کرۂ ارض پر ہماری تحقیقاتی اور ترقیاتی ایجادات سے باخبر رہنے کے لئے تو صرف اپنی اس معمولی سی ایجاد اڑن طشتریوں کو گاہ بگاہ استعمال کرتی ہے۔

ہفت روزہ صباح الخیر ۔ ۷ دسمبر ۱۹۷۸ء علامہ مصطفےٰ محمود اپنے ایک مضمون جس کا عنوان ہے — دجال اڑن طشتری میں آئے گا — میں رقمطراز ہے کہ — یہ

اڑن طشتریاں جو کبھی کبھار فضا میں دکھی جاتی ہیں ان کا وجود اب ایک مسلمہ حقیقت ہے جس سے انکار ناممکن ہے کیونکہ ان اڑن طشتریوں کے واقعات ہمارے پاس اس تواتر سے آرہے ہیں جس اصطلاحی تواتر سے احادیث نبویہ ہم تک پہنچی ہیں۔ اگر ہم اڑن طشتریوں کے تواتر کو تسلیم کرنے سے انکار کردیں تو پھر احادیث نبویہ سے تواتر کے باوجود بھی انکار کی گنجائش پیدا ہوجائے گی۔

اگرچہ بذریعہ مواصلات یہ بتایا جارہا ہے کہ اڑن طشتریوں کے واقعات افسانہ نہیں حقیقت ہیں۔ لیکن جو لوگ ان کے وجود سے انکار کررہے ہیں ان کا انکار بھی فطری ہے کیونکہ جو چیز بھی جس علاقہ میں پہلی بار حیرت انگیز انداز میں آئیگی اس میں شک و تردید کا سلسلہ برسوں تک چلتا رہے گا۔ ہندوستان کے صحرائی سادھوؤں نے جب پہلی مرتبہ بندوق کو دیکھا تو اسے ایک انسانی ایجاد کے بجائے جادو کا کرشمہ سمجھا اور عرصہ تک یہی کہتے رہے۔ اسی طرح افریقہ کے جنگلی باسیوں نے جب پہلی مرتبہ ہوائی جہاز کو دیکھا تو اس بات کو قطعاً تسلیم نہ کیا کہ لوہے سے بنا ہوا ایک کوہ پیکر جسم ہوا میں اُڑ بھی سکتا ہے اور انھوں نے بھی اسے ایک جادو ہی سمجھا ۔ ہم بھی جب تک ان اڑن طشتریوں کی حقیقت سے آشنا نہیں ہوجاتے اس وقت تک ہمارا اپنا ذہن انکار اور اقرار کی دلدل میں پھنسا رہے گا۔

الاسبوع العربی ۲۹ جنوری ۱۹۷۹ء کے مطابق فرانسیسی علمی مرکز کا ایک رکن ڈینیل روبس لکھتا ہے — ہم بیسویں صدی والوں کے لئے اڑن طشتریوں کا مسئلہ بالکل ایسے ہے جیسے بھارت کے جوگیوں کے لئے بندوق ایک جادو تھی۔ اور افریقہ کے جنگلیوں کے لئے ہوائی جہاز ایک جادو تھا۔ لیکن بھلا ہم کیوں اڑن طشتریوں کے وجود سے انکار کریں گے یا ان میں کسی قسم کا شک وشبہ کریں گے؟ ہم کیوں نہ کھلے دل سے یہ تسلیم کرلیں کہ کسی اور سیارہ کے باسی تمدنی اور معاشرتی ترقیات میں ہم سے کہیں

زیادہ ترقی یافتہ اور آگے ہیں۔ اور وہ ہزاروں سال پہلے ایٹم کا پیچیدہ معمہ حل کر چکے ہیں۔

الصیاد ۲۹ جنوری ۱۹۷۹ء کے مطابق اڑن طشتریوں کے وجود کو ایک حقیقت تسلیم کرنے کے لئے اس مسئلہ پر اقوام متحدہ کا سنجیدگی سے غور و فکر کرنا ہی کافی ہے۔

آج سے تین سال پہلے اقوام متحدہ کے مرکزی دفتر نے اپنے تمام رکن ممالک سے یہ درخواست کی ہے کہ ۔۔ ہر ملک اپنے اپنے مناسب علاقہ میں اڑن طشتریوں کو دریافت کرنے والے آلات نصب کرے تاکہ اگر کبھی کوئی اڑن طشتری ان کے علاقہ میں رونما ہو تو اس کی حرکات و سکنات کو ان آلات کے ذریعے ریکارڈ کیا جا سکے اور ایک ایسا مرکزی ادارہ ہونا چاہیئے جو اقوام متحدہ کے ماتحت ہو۔ جہاں ہر ملک سے آنے والی اطلاعات کو جمع کرکے ان پر منظم طور پر تحقیق کی جائے اور ان اڑن طشتریوں کے معمہ کو حل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اقوام متحدہ کے مذکورہ بیان کے مطابق یہ اڑن طشتریاں افسانہ نہیں حقیقت ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نامعلوم حقیقت ہیں۔ جس کے انکشاف کی خاطر کرۂ ارض کی علمی اور فکری محافل و مجالس میں اس مسئلہ کو سنجیدگی سے لیا جا رہا ہے۔

کثیر الاشاعت عالمی اخبارات اسے نہایت سنجیدگی سے پیش کر رہے ہیں اور سائنسدانوں نے اس مسئلہ کو اہم مسائل کی فہرست میں اہم مقام پر شمار کر رکھا ہے اور اتنی قابل قدر علمی مباحث کی ہیں کہ اڑن طشتریوں کی حقیقت سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ فرانس اور یورپ کی دیگر علمی اکیڈمیوں میں ان اڑن طشتریوں کو ۔۔ نامعلوم اڑنے والی اشیاء ۔۔ کا نام دیا گیا ہے۔

ان اڑن طشتریوں کی حقیقت بحث و تمحیص کے حدود عبور کر کے ایک قدم اور آگے بڑھا کر انسائیکلو پیڈیاز تک پہنچ چکی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں ایک منفرد باب میں ان اڑن طشتریوں کا ذکر کیا گیا ہے اور نسبتاً کچھ تفصیل سے

گفتگو کی گئی ہے۔ اس انسائیکلو پیڈیائی تعریف کے مطابق جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ :۔ ا

اڑن طشتریاں ایک ایسا وجود ہیں جنہیں فضا میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ زمین سے تھوڑی سی بلندی پر بھی دیکھا جا سکتا ہے اور راڈار پر بھی نظر آتی ہیں۔ مگر بایں ہمہ آج تک کے کشف شدہ علمی قوانین و اصول کے مطابق ان کی مزید تفسیر ناممکن ہے۔

اب تو ان اڑن طشتریوں کے واقعات۔ یونیورسٹیوں۔ لیبارٹریوں۔ اکیڈمیوں کمپیوٹروں اور دیگر اس قسم کے اداروں میں خواہ مشرق ہو یا مغرب ہر جگہ پہنچ چکے ہیں اور کچھ لوگوں نے اس معمہ کو حل کرنے کے لئے ان سے متعلق علوم کا۔ یوفیالوجی۔ نام سے ادارہ بھی قائم کر دیا ہے۔ یوفیالوجی انگلش کے تین الفاظ سے مخفف ہے جو U. F. O. ہیں جن کے مفصل الفاظ یہ ہیں: ان آئیڈینٹیفائڈ فلائنگ آبجیکٹس

U. N. IDENTIED FLYING OBJECTS.

یعنی نامعلوم اڑنے والے جسم۔ اس جملہ کے مخفف یوفو سے یوفیالوجی بنایا گیا ہے۔ یعنی۔ ایسا علم جو نامعلوم اڑنے والے اجسام سے بحث کرتا ہے اور پھر اس سے یوفیالوجسٹ نکالا گیا جس کا معنی ہے۔ ایسا شخص جو نامعلوم اڑنے والے اجسام کے علم کا ماہر ہو۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد آئیے اب یہ دیکھ لیں کہ ان اڑن طشتریوں کی کہانی کیا ہے اور آج تک انہیں کہاں کہاں اور کتنی مرتبہ دیکھا جا چکا ہے۔

اڑن طشتریوں کی کہانی :۔

ان اڑن طشتریوں کی کہانی سے قبل مناسب ہوگا کہ اگر ان دیکھی گئی اڑن طشتریوں

کی تعداد کے متعلق کچھ عرض کر دیں۔ رسمی اور غیر رسمی مراکز میں نورانی اشیاء کو تین بلین سے زیادہ مرتبہ دیکھا جا چکا ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس تعداد سے نہ تو یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یہ تعداد صرف اڑن طشتریوں کی ہے یا نورانی اشیاء میں اڑن طشتریوں کے علاوہ بھی کچھ شامل ہے۔ اسی طرح ان اعداد و شمار کا مقصد یہ بھی نہیں ہے کہ جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سو فیصد درست ہے۔ بلکہ علمی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ نورانی اشیاء دیکھنے والوں کو اکثر اشتباہ بھی ہوا ہے۔

۸ فروری ۱۹۷۹ء بروز جمعرات بی۔بی۔سی کے ایک نشریہ کے مطابق برطانیہ کی وزارت دفاع نے ۱۶۳۱ مرتبہ اشیائے نورانی دیکھنے کے دعوے کی تحقیق کی تو حسب ذیل تجزیہ سامنے آیا:

- ۷۵۰ لائٹیں برطانوی تجرباتی میزائیلوں کی تھیں۔
- ۲۰۰ لائٹیں خلائی کشتیوں اور مصنوعی چاندوں کی تھیں۔
- ۱۰۰ لائٹیں فضائی بشائی لہروں کی تھیں۔ اور
- ۱۷۰ لائٹیں معمول کے مطابق شہاب ثاقب کی تھیں۔

ان اعداد و شمار کے مطابق صرف ۳۱۱ لائٹیں اڑن طشتریوں کی اور ۱۳۲۰ لائٹیں ان کے علاوہ دیگر درخشندہ چیزوں کی تھیں جو راڈار پر نظر آئیں۔

اس لحاظ سے جہاں کہیں نورانی اشیاء دیکھنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے یا نورانی اشیاء کسی راڈار پر نمودار ہوتی ہیں ان کی دو اقسام ہوں گی۔ ایک قسم تو فی الواقع اڑن طشتریوں کی چمک اور درخشندگی ہوتی ہے اور اسے عالمی علمی ادارے بہت اہمیت بھی دیتے ہیں اور نشر بھی کرتے ہیں جبکہ دوسری قسم دیکھنے والے کا اشتباہ محض ہوتی ہے اور اس قسم میں ہر چمکتی ہوئی چیز آتی ہے خواہ وہ شہاب ثاقب ہو یا مصنوعی چاند جسے راڈار پہ

دیکھنے والا اڑن طشتری سمجھ کر نوٹ کرتا چلا جاتا ہے۔

الیقظہ۔ از کویت ۱۹ جون ۱۹۸۰ء کی اشاعت کے مطابق ان اعداد و شمار میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو ناقابل تردید ہے اور جسے پروفیسر ہینک کو یوفیالوجی میں اتنی دسترس حاصل ہے کہ اسے اپنے علمی حلقہ میں یوفیالوجی کا گلیلو کہا جاتا ہے۔ معروف جرنلسٹ رانلڈ شیلر نے پروفیسر ہینک اور ڈاکٹر ہارڈ سے سوال کیا کہ ـــــ اڑن طشتریوں کے ہزاروں مشاہداتی واقعات میں سے آپ کے نزدیک کونسا واقعہ ناقابل تردید غیر مشکوک ہے ؟

ان دونوں نے چند واقعات کو ناقابل تردید بیان کیا ان کے انہی بیان کردہ واقعات میں سے ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

● ۸ اکتوبر ۱۹۷۳ء کے روز ہوابازوں کا ایک گروپ ایک آرمی ہیلی کوپٹر میں دو ہزار پانچسو فٹ کی بلندی پر صاف مطلع اور معتدل موسم میں محو پرواز تھے کہ اچانک ایک نورانی شے ان کی نظروں میں آئی جو حیرت انگیز برق رفتاری سے ان کی طرف آرہی تھی۔

لارنس کوئین پائیلٹ نے اس سے ٹکراؤ سے بچنے کے لئے ڈرامائی تیزی کے ... سیکنڈ منٹ میں اپنی پرواز کو نیچے کیا اور سترہ سو فٹ کی بلندی پر آپہنچا جب ان ہوابازوں نے اوپر دیکھا تو انہیں وہی نورانی شئی اپنے اوپر پانچسو فٹ کی بلندی پر ایک جگہ رکی ہوئی نظر آئی۔ پائیلٹ کوئین کا کہنا ہے کہ۔ یہ جسم قرمزی رنگ کی دھات سے بنا ہوا نظر آتا تھا۔ جو طولاً کم و بیش پچاس ساٹھ فٹ ہو گا۔ اس کے پچھلے حصہ میں روشنی کی آنکھیں چندھیا دینے والی دم معلوم ہوتی تھی اور یہ روشنی اتنی تیز تھی کہ ہمارے ہیلی کاپٹر سے پانچسو فٹ کے فاصلے پر ہونے کے باوجود ہمارا ہیلی کوپٹر روشنی میں ڈوبا ہوا نظر آتا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہوئے ایک

منٹ بمشکل ہی گزرا ہوگا کہ ہمارے سروں پر ٹھیری ہوئی یہ نورانی شے برق رفتاری
کے ساتھ ہم سے دور ہوگئی اور ہم میں سے کسی نے بھی اس کی معمولی سی آواز تک
نہیں سُنی۔

پائیلٹ کوئین کا کہنا ہے کہ جونہی وہ شے ہم سے دُور ہوئی میں نے جب اپنے
ہیلی کوپٹر کے بلندی بتانے والے میٹر کو دیکھا تو ہماری سوئی ہمیں تین ہزار پانچسو
فٹ کی بلندی بتا رہی تھی جبکہ میں نے ایک منٹ پہلے اپنی آنکھوں سے اس سوئی
کو ایک ہزار سات سو فٹ کی بلندی پہ دیکھا تھا اور میں نے ابھی تک اونچی پرواز
کی بجائے اپنے ہیلی کوپٹر کا رُخ نیچے ہی کو کیا ہوا تھا — ہفت روزہ الوطن
کے مطابق پائیلٹ کوئین کا یہ کہنا بھی ہے کہ جب وہ نورانی شے ہمیں نظر آئی اس
وقت سے اس کے غائب ہونے تک ہمارا ریڈیو سسٹم بیکار رہا۔

ہفت روزہ الکفاح العربی اس جگہ ایک سوال کرتا ہے کہ
اس جسم نورانی کے مشاہدہ کے وقت وہ کونسا سبب تھا جس کی بدولت
ہیلی کوپٹر اپنے پائلٹ کے کنٹرول سے نکل کر نیچے آنے کے بجائے اس شے کے ساتھ
بلندی کی طرف کھینچتا چلا گیا۔؟ کیا ہیلی کوپٹر اس نورانی شے کی مقناطیسی کشش کے
دائرہ میں آگیا تھا؟ آج تک اس سوال کا جواب نہیں مل سکا۔

بطور نمونہ اڑن طشتری کی صرف اسی ایک داستان پر اکتفا کیا جاتا ہے ویسے
مثالیں اور بھی بہت ہیں جو خود فلپ کیلس جیسے بوفیا لوجسٹوں نے بچشم خود دیکھی ہیں۔

سب سے پہلی اڑن طشتری :-

اس بات میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے کس تاریخ کو کس جگہ سب سے
پہلی مرتبہ اڑن طشتری کو دیکھا۔ اور دریافت کیا؟

● دائرۃ المعارف برطانیہ کے مطابق اڑن طشتری کو سب سے پہلے دریافت کرنے والا آرنلڈ ہے جس نے ۴۰ برس قبل پہلی مرتبہ اسے دیکھا اور بی۔بی۔سی کے مطابق اڑن طشتری دریافت کرنے والے پہلے شخص کا نام گنبٹ آذر ہے اور بعض مورخین نے اس کا نام آرنلڈ گمٹ لکھا ہے۔

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے تو تمام تر اختلافات کے باوجود اس میں تمام متفق ہیں کہ دیکھنے والا خواہ گینٹ آرنلڈ تھا۔ گنبٹ آذر تھا۔ آرنلڈ گمٹ تھا یا کوئی اور جس نے بھی اڑن طشتری دریافت کی ہے وہ تاریخ ۲۴ جون ۱۹۴۷ء تھی۔

اس سلسلہ میں چند افراد نے جو مضامین لکھے ہیں ان کے مطابق ۲۴ جون ۱۹۴۷ء کو مذکورہ دیکھنے والوں میں سے کسی ایک نے ایک نہیں بلکہ بیک وقت نو اڑن طشتریاں دیکھی ہیں جو برق رفتاری کے ساتھ متحرک تھیں۔

یہاں ایک اور سوال بھی ہے کہ دیکھنے والا جو بھی تھا اس نے ایک یا نو اڑن کشتیوں کو دیکھا کہاں سے ہے؟

یہ بھی متنازعہ فیہ مسئلہ ہے۔

● انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق دیکھنے والے نے اپنے ذاتی ہوائی جہاز میں رینیئر پہاڑوں کے سلسلہ کے قریب دوران پرواز دیکھا ہے۔

● بی۔بی۔سی کے مطابق دیکھنے والے نے اپنے گھر میں ٹہلتے ہوئے اتفاقاً دیکھا ہے۔

● کویت کے ہفت روزہ۔ العربی۔ فروری ۱۹۷۹ء کے مطابق دیکھنے والے نے گاسکر کے پہاڑی سلسلہ پر انیس ہزار دو سو فٹ کی بلندی سے دیکھا ہے اور

● ۱۴ مارچ ۱۹۷۸ء کے روسی علمی ہفت روزہ کے مطابق دیکھنے والے نے روس کے پہاڑی سلسلہ کی بلندی سے دیکھا ہے۔

یہ اختلاف آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے۔ دیکھنے والے میں بھی اختلاف ہے اور جس جگہ سے دیکھی گئی ہیں اس میں بھی اختلاف ہے لیکن جس تاریخ کو دیکھی گئی ہیں اس میں اختلاف نہیں کیا گیا، ۲۴ جون ۱۹۴۷ء ہی بتائی گئی ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم ۲۴ جون ۱۹۴۷ء کو قطعاً اڑن طشتری کا یوم دریافت تسلیم نہیں کرسکتے کیونکہ مذکورہ تاریخ سے دسیوں برس قبل ان اڑن طشتریوں کو دیکھا جا چکا تھا۔ ان واقعات میں سے ایک معروف ترین واقعہ۔ ٹل ۶۰۔ کا ہے جو ۱۹۱۵ء میں پیش آیا تھا۔

لاکھوں اُڑن طشتریاں :-

جیسا کہ ہم سابقاً بتا چکے ہیں کہ اڑن طشتریوں کی دیکھی جانے والی تعداد ہزاروں میں نہیں بلکہ لاکھوں میں ہے۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ جن اڑن طشتریوں کا مشاہدہ دردسر بنا ہے صرف انہی مشاہدات کو علمی اور تجرباتی حلقوں میں موضوع بحث قرار دیا گیا ہے اور اس سے انکار نہیں ہے۔

ہفت روزہ الصیاد ۱۵ دسمبر [illegible] کے مطابق ان لاکھوں اڑن طشتریوں کو دیکھنے والے افراد معاشرہ کے کسی ایک مخصوص طبقہ سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے افراد نے ان کا مشاہدہ کیا ہے ان میں سائنسدان، یونیورسٹیوں کے پروفیسرز۔ ہوا باز۔ ملاح۔ کپتان۔ فزسٹس۔ کیمسٹ۔ ڈاکٹرز اور انجنیئرز وغیرہم سب برابر شامل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ چونکہ مختلف ممالک میں مختلف اوقات میں مختلف طبقوں کے افراد نے لاکھوں کی تعداد میں اڑن طشتریوں کو بچشم خود دیکھا ہے آج کسی کو ان کے وجود سے انکار کی جرأت نہیں ہوتی۔

چنانچہ لاکھوں مشاہدات میں سے چند ایک مشاہدات ذیل میں ہم پیش کرتے

ہیں جن کی نسبت آٹے میں نمک سے بھی کم اور سمندر کے مقابلہ میں قطرہ سے بھی یقیناً کم ہے۔ ہمارا مقصد ان تمام واقعات کا شمار نہیں بلکہ ایک مسلمہ حقیقت کے صرف چند ایک نمونے بطور مثال پیش کرنا مقصود ہے۔

۱۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۸ء مقامی وقت کے مطابق ۱۱ بجے رات کو جاپان کے آرمی ایئرپورٹ فوکوکا سے ایک ہوائی جہاز پرواز کرتا ہے اس جہاز کا پائیلٹ اولیور سمفل اور راڈار پر بیٹھنے والا بارٹن ہیلینز تھا۔ ماہنامہ "المصور" کے مطابق ان دونوں نے آسمان کی بلندی میں ایک اڑن طشتری کو دیکھا۔ جہاز کے راڈار نے کئی مرتبہ اس کی نشاندہی کی۔ ان لوگوں نے کئی مرتبہ کوشش کی کہ اس کے قریب جاکر دیکھیں اور مزید معلومات حاصل کریں لیکن جونہی اس کے قریب جاتے تھے وہ بسرعت تمام ان سے دور ہو جاتی تھی۔ کافی دیر کی اس آنکھ مچولی کے بعد بالآخر یہ معاملہ ان کی ناکامی پر ختم ہوا۔

جاپان کی روزمرہ نشریات میں بتایا گیا کہ اس اڑن طشتری کے تعاقب میں ہمارا ایف ۶۱ ہوائی جہاز اپنے راستہ سے بارہ ہزار فٹ دور چلا گیا۔ اور اسے واپس اپنے راستہ پر آنے کے لئے ۱۸۰ درجے زاویہ کا موڑ کاٹنا پڑا۔ اس نظریہ میں مزید یہ بھی بتایا گیا کہ اس اڑن طشتری میں اتنی حیرت انگیز قدرت تھی کہ وہ عمودی پستی پر قادر تھی اور اس حد تک بھی بلند ہو سکتی تھی کہ راڈار میں نہ آئے۔

پائیلٹ سیمفل کا کہنا ہے کہ اڑن طشتری کی تمام حرکات و سکنات اختیاری اور عمدی تھیں جب وہ ہمارے ہوائی جہاز کو اپنے قریب آتا ہوا محسوس کرتی تھی تو فوراً تیزی کے ساتھ اپنا مقام بدل لیتی تھی۔

یہ مشاہدہ آج سے کم و بیش چالیس برس قبل پیش آیا۔ اس وقت کرہ ارض پر اور کوئی ایسی ایجاد نہ تھی جو بایں سرعت بلند و پست ہو سکتی۔ علاوہ ازیں پائیلٹ

سیمقل نے اپنے کنٹرول ٹاور سے رابطہ کر کے پوچھا تھا کہ اس وقت کوئی اور ہوائی جہاز بھی محو پرواز ہے تو اسے جواب نفی میں ملا۔

۲ ۔ فضا میں ایک ایسی چیز سامنے آئی جسے ہوا بازوں کی اصطلاح میں دشمن ہوا باز ۔ کہا جانے لگا۔ کئی برسوں تک اس کی تحقیق و تلاش کی گئی ۔ جب نتیجہ سامنے آیا تو دشمن ہوا باز یہی اڑن طشتری نکلی ۔ لیجئے سنئے :۔

رابرٹ ایمینیجر اور ڈرگن لکھتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم میں اتحادی ہوا باز فضائی حملوں کے دوران نورانی اشیاء دیکھتے تھے جو فضا میں پرواز کرتی ہیں ۔ ہوائی جہاز کے قریب ہو کر اندر سے انتہائی تیز و تند روشنی کی لائیٹس ہوائی جہاز پر پھینکتی ہیں جس سے ہوا باز کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور بعض اوقات ہوائی جہاز کے گرد اگرد مجنونانہ [illegible]ت سے چکر لگاتی ہیں اور ہوا باز کے لئے درد سر بن جاتی ہیں ۔ ابتدا میں تو اتحادی ہوا بازوں نے اسے جرمنی ۔ اٹلی یا جاپان میں سے کسی کا نامعلوم جنگی ہتھیار سمجھا اور جب ہوا باز ان نورانی اشیاء کو دریائے آرام اور بحر اوقیانوس کی فضا میں تیرتا دیکھتے تو اتحادی یہی سمجھتے کہ یہ جاپانی حکومت ہی کا کوئی اسلحہ ہے ۔ لیکن جب جنگ کے اس طویل زمانہ میں اتحادی ہوا بازوں کو یقین ہو گیا کہ یہ نورانی اشیاء لائیٹس کے ذریعہ آنکھیں چندھیانے اور ہوائی جہاز کے گرد دیوانہ وار چکر لگانے کے باوجود ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتیں تو انہیں یہ یقین ہو گیا کہ دشمن کا کوئی جنگی ہتھیار وغیرہ نہیں ہے ۔ اس یقین کے بعد اب یہ سوچا جانے لگا مگر یہ ہیں کیا چیز ؟ چنانچہ جب ان نورانی اشیاء کو اڑن طشتریوں کے نظریہ کی روشنی میں دیکھا اور پرکھا گیا تو پھر یہی نتیجہ دیا گیا کہ یہ بھی سابقہ تحقیق کی طرح اڑن طشتریاں ہی ہیں ۔

۳ ۔ ہفت روزہ ۔ آخری وقت ۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۸ء اور ہفت روزہ

المصور کے مطابق میڈر نامی ہوائی جہاز کو ۱۹۶۰ء میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے سائنسدانوں کی حیرت اور وحشت کو دو چند کر دیا۔ واقعہ کچھ یوں ہے:۔

اٹالین نامہ نگار برٹو فینولیو۔ لکھتا ہے کہ ۱۹۶۰ء کے موسم گرما میں روسی میزائیلوں کے دفاع میں اٹلی کے ایک ہوائی اڈہ پہ جدید ترین میزائیل نصب کرنے کے دوران میڈر نامی ہوائی جہاز اچانک ایک اڑن طشتری سے روبرو ہو گیا۔ میڈر کے کپتان نے حکم دیا کہ اڑن طشتری پر میزائیل داغ دیا جائے۔ جب تعمیل حکم ہوئی اور اڑن طشتری کو میزائیل کا نشانہ بنایا گیا تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میزائیل فضا میں ہی اڑن طشتری تک پہنچنے سے قبل پھٹ کر بیکار ہو گیا۔ کیپٹن نے دوسری مرتبہ میزائیل فائر کرنے کا حکم دیا۔ دوسری مرتبہ داغے گئے میزائیل اڑن طشتری کے قریب جا کر پھٹے اور بیکار ہو گئے۔ کیپٹن نے تیسری مرتبہ پھر میزائیل فائر کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اس مرتبہ میزائیل اپنے مرکز ہی سے نہ اڑے اور وہیں کے وہیں رہ گئے۔ جب میزائیل داغنے والے آلات کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ ہوائی جہاز کے تمام الیکٹرانک آلات بغیر کسی وجہ کے بے کار ہو چکے ہیں۔ آج تک کوئی پتہ نہ چل سکا یہ سب کچھ کیسے ہوا تھا؟ کب ہوا تھا؟ اور کیوں ہوا تھا؟

۴۔ روسی حکومت اور اس کے ہوا باز ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ ان کے مثبت یا منفی تمام راز راز ہی رہیں اور کسی کو ان کا پتہ نہ چلے۔ اس سخت ترین رازداری کے باوجود انہوں نے بھی بتا دیا کہ ۸ جون ۱۹۶۴ء کو ان کے ہوا بازوں نے ایک فضائی پرواز سے پلٹتے ہوئے زمین کے انتہائی قریب اڑن طشتریوں کو دیکھا ہے۔

۵۔ الکفاح العربی ۲۹ نومبر ۱۹۷۸ء کے مطابق اسی سال ۱۲ اکتوبر کو روسی ہوا بازوں نے بتایا ہے کہ ہم نے اپنی فضائی مشقوں کے دوران اڑن طشتریوں کو فضا میں انتہائی اور حیرت انگیز سرعت کے ساتھ اپنے ہوائی جہازوں کے گرد چکر لگانے

دیکھا ہے۔

روسی ہوابازوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ جہاں تک ہم نے اُڑن طشتریوں کا مطالعہ کیا ہے ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اڑن طشتریاں ہمارے ہوائی جہازوں کی نگرانی کرتی ہیں۔ کچھ ہوابازوں نے اڑن طشتریوں کی تصویریں بھی لی ہیں جو روس کے بعض تحقیقاتی مراکز میں زیرِ تحقیق ہیں۔

۶۔ امریکی تحقیقاتی مرکز ناسا کے اس شعبہ نے جو ان اُڑن طشتریوں پر تحقیقات کے لئے قائم کیا گیا ہے اس سلسلہ کی تمام معلومات کو اپنے زیرِ کنٹرول رکھا ہوا ہے اور آج تک اس شعبہ نے جو تحقیقات کی ہیں ان تمام کو صیغۂ راز میں یوں رکھا ہوا ہے کہ اس تحقیقات کی فائل کو بکتر بند اور آتش پروف بکس میں بحفاظت مقفل کر دیا جاتا ہے۔

اس شعبہ نے اپنی تحقیقات میں سے آج تک جو کچھ نشر کیا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ دسیوں امریکی ہوابازوں نے اڑن طشتریوں کو دیکھا ہے ان کی تصویریں بھی لی ہیں اور جب یہ اڑن طشتریاں ہوائی جہازوں کے روبرو ہوتی ہیں تو ان اوقات میں ان کی فلم بندی بھی کی گئی ہے جو اس ادارہ میں محفوظ ہیں۔

۷۔ اس ہفت روزہ کے مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۶۶ء کو معروف ہواباز گورڈن نے جیمینی ۱۱ ہوائی جہاز کے اٹھارویں چکر میں دریائے آرام پر اڑتے ہوئے ایک نورانی جسم دیکھا جو سورج کی روشنی میں نارنگی رنگ میں نظر آرہا تھا۔ یہ نورانی جسم بہت زیادہ فاصلہ سے ہوائی جہاز کے قریب آکر گزر گیا۔ پھر ہوائی جہاز کے گرد چکر لگائے اور جہاز کی بلندی سے بہت کم بلندی پر آکر جہاز کے راڈار سے غائب ہو گیا۔

گورڈن نے اس نورانی جسم کے دو فوٹو لینے میں بھی کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ جسم فوٹو میں بیضوی شکل کا معلوم ہوتا ہے اور ہواباز الڈرین کی لی گئی تصویر سے پتا چلتا ہے۔

۸ ۔ ۹ جون ۱۹۶۹ء کو چاند کی سطح پر قدم رکھنے سے صرف ایک دن پہلے نیل آرمسٹرونگ اور اس کے ساتھی آلڈرین نے جب وہ اپالو ۱۱ میں بیٹھے کرہ ماہ کی سرزمین کی تحقیقات میں مصروف چاند کے گرد اگرد چکر لگا رہے تھے۔ اچانک انہوں نے دیکھا کہ دو اور ہوائی کشتیاں بھی کرہ ماہ کے گرد چکر لگا کر تحقیقات میں مصروف ہیں۔ انہوں نے جب اپنی توجہ ان کشتیوں پر کی تو اُن کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ کشتیاں کسی انسانی طاقت کی ایجاد نہیں ہیں — کیونکہ یہ کشتیاں ناقابل بیان حد تک روشن اور منور تھیں۔ ایک بڑی ایک قدرے چھوٹی تھی۔ دوران پرواز کبھی ایک دوسرے سے بہت زیادہ فاصلہ پر دُور ہو جاتیں اور پھر یک بیک ایک دوسرے کے انتہائی قریب ہو جاتیں۔

ارمسٹرانگ کہتا ہے کہ سچی بات یہ ہے کہ میں تو ان کشتیوں کو دیکھ کر بالکل مبہوت اور وحشت زدہ ہو گیا۔ کیونکہ میں نے قبل ازیں ایسی کشتیاں نہ دیکھی تھیں بلکہ میں اس غرور میں تھا کہ آج انسان نہ تو ایسی کشتیاں بنا سکتا ہے اور نہ ہی ہم سے پہلے کوئی اور کرہ چاند پر اتر سکتا ہے۔ مجھے آج بھی یقین ہے کہ — یہ دونوں کشتیاں نہ تو کسی انسانی ہاتھ کی تخلیق ہیں اور نہ میں نے انہیں عینک لگا کر دیکھا ہے بلکہ میں نے انہیں دیکھتے وقت آنکھوں پر لگایا ہوا چشمہ اُتار دیا تھا۔

لیکن ارمسٹرونگ کے برعکس الڈرین نے ان کشتیوں کو دیکھ کر کسی حیرت و استعجاب کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ اس کے بقول میرے لئے اڑن طشتریوں کا یہ مشاہدہ نیا نہیں تھا بلکہ قبل ازیں کئی مرتبہ ایسے مشاہدات سے گزر چکا تھا۔

۹ ۔ معروف فضا نورد الڈرین اور اپالو ۱۱ میں ارمسٹرونگ کا ہم سفر تین سال پہلے ۱۹۶۶ء میں جب وہ کرہ ارض کے گرد جیمنی ۱۲ راکٹ میں بیٹھ کر چکر لگا رہا تھا ایک نورانی جسم دیکھتا ہے جو اس چکر میں اس کا تعاقب کر رہا ہے اور اس کی تمام

حرکات و سکنات کو اپنی نگاہ میں رکھے ہوئے ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور سفر میں بھی اس نے ایک چھوٹا سا نورانی جسم دیکھا۔ مگر ان دونوں سفروں میں اس سے کچھ بھی نہ ہو سکا۔ البتہ آرمسٹرونگ کے ساتھ جب کرہ ماہ سے واپس پلٹا تو اس کے پاس اس نورانی جسم کے دو فوٹو تھے اور یہ تمام مواد آج تک امریکہ کے ناسا نامی مرکز تحقیقات میں رکھا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ امریکہ ان تمام تصاویر اور فلموں کو روزناموں کے حوالے کیوں نہیں کرتا؟ اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ امریکہ کا تحقیقاتی مرکز ناسا ہو یا دیگر مراکز تحقیق۔ برسوں کی مغز ماری کے باوجود بھی تا حال ان اڑن طشتریوں کی کوئی تاویل و توجیہ نہیں کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یہ نہیں چاہتے کہ ان عالمی مسائل میں وہ اپنی عاجزی اور درماندگی کا اعتراف کریں۔ لیکن ناسا نے اپنی اطلاعات میں اس حقیقت کا غیر مبہم الفاظ میں اعتراف کر لیا ہے کہ۔ فلمیں حقیقی ہیں لیکن آج تک ان کی کسی تفسیر و توضیح سے ادارہ عاجز اور درماندہ ہے۔ جہاں تک حقائق کا تعلق ہے امریکہ نے ان تمام واقعات کے سامنے اپنا ہتھیار تحقیق کند کر دیا ہے اور عاجز آکر باب تحقیق بند کر کے چپ ہو رہا ہے۔

۱۰ - اپالو ۱۱ کے دونوں ہوا بازوں الڈرین اور آرمسٹرونگ نے اڑن طشتری دیکھی لیکن امریکہ نے آج تک اس کا اعلان بھی نہیں کیا اور نہ ہی اس سلسلہ میں کسی تحقیق سے کسی کو مطلع کیا۔ ہفت روزہ الکفاح العربی ۲۰ تا ۲۶ نومبر ۱۹۷۸ء کے مطابق اپالو ۱۱ کے ہوا بازوں کی داستان مشاہدہ یوں ہے۔

الڈرین اور آرمسٹرونگ اپنی پرواز کے دوسرے مشکل ترین مرحلے سے گزر رہے تھے۔ وائرلیس کے ذریعے امریکی ریڈیو اور ٹی وی ان کی پرواز اور رسانس کو نشر کر رہے تھے۔ اسی دوران ان دونوں نے کہا۔ ایک نورانی شے ہمارے راکٹ

کے سامنے آگئی ہے۔ یہ نورانی شے انتہائی حیرت انگیز ہے۔ اب ہمیں تمہاری کوئی بات سمجھ نہیں آرہی۔ یہ ایسا عقب کا نور ہے کہ راکٹ کی سیٹوں کی پوشش تک کے اندر نفوذ کر چکا ہے۔ لیکن ان کا اپنا کوئی سایہ وغیرہ نہیں ہے۔ کتنا عجیب نور ہے۔

جونہی ریڈیو اور ٹی وی سے ان ہوابازوں کی یہ باتیں نشر ہوئیں امریکی نشریات سے ان ہوابازوں کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ کافی دیر بعد ہوابازوں کے مذکورہ جملوں کی تشریح امریکی ریڈیو اور ٹی وی نے یوں کی :-

ہوابازوں نے جو نورانی جسم دیکھا ہے۔ یہ ایک میزائل تھا جو ہوابازوں کی لاعلمی میں راکٹ کے ساتھ لگا دیا گیا تھا تاکہ ہوا باز کرہ چاند پر غیر مسلح نہ جائیں۔

امریکی نشریات کی اس توضیح نے کسی کو بھی مطمئن نہ کیا۔ اور نہ ہی یہ کوئی معقول بات تھی کہ راکٹ کے ساتھ میزائل ہو اور ہواباز اس سے بے خبر ہوں۔ میزائل کرۂ ماہ تک صحیح وسالم جا سکتا ہے۔ نہ ہی یہ بات سمجھ میں آنے والی تھی کہ میزائل کی روشنی اچانک اتنی بڑھ گئی کہ وہ راکٹ کے اندر پوشش تک بھی چلی گئی۔ اور خود بے سایہ رہی۔ پھر وہی راکٹ کے سامنے آگیا۔ اور میزائل کے راکٹ سسٹم کو جام کر دیا۔

۱۱- اپالو ۱۲ جب کرہ ماہ کے گرد چکر لگا رہا تھا اور اس کے دونوں ہواباز ہیرسن اور یوجین ہر سیکنڈ زمین پر اپنے مشاہدات نشر کر رہے تھے۔ اچانک انہوں نے کہا۔ دوٗر سے ایک عجیب کوہ پیکر جسم دیکھنے میں آرہا ہے جو اہرام مصر کی طرح کا ہے۔ کچھ پھٹنے کی آواز آرہی ہے۔ ہمارے راکٹ کا انٹینا پراسرار طور پر خاموش اور بیکار ہو چکا ہے۔ انٹینا کا سرا اپنے گرد انتہائی سرعت سے گھوم رہا ہے۔ وہ لوگ ہم پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ ایسے نظر آرہا ہے جیسے ہم ان کی نگرانی میں ہیں۔ ان لوگوں نے ہمیں معلوم کر لیا ہے۔

— یہ نورانی شے اب ہمارے سروں پر تفتیش اور نگرانی کے انداز میں پرواز کر رہی ہے۔

— ہمیں خطرہ ہے کہیں کوئی بہت بڑا شہاب ثاقب نہ ہو۔

زمین پر صدگاہ سے کہا گیا۔ ڈرو مت یہ کوئی زیادہ اہم شے نہیں ہے۔ ہر پرواز میں ایسی چیز نظر آتی رہی ہے۔ لیکن کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی — گلین نے بھی اپنی پرواز میں ایسی ہی شے دیکھی تھی۔

مگر ان تسلیوں کے باوجود ہوا باز انتہائی خوفزدہ تھے اور سمجھ رہے تھے بس موت ہم سے چند قدم کے فاصلے پر رہ گئی ہے۔ انہیں اپنے ساتھ اپنے راکٹ کی زندگی بھی انتہائی خطرے میں نظر آنے لگی تھی۔ کافی دیر کے بعد ان ہوا بازوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ — ارے یہ تو انہی اڑن طشتریوں میں سے ہے جو کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتیں لیکن ہر پرواز میں ہوائی جہازوں اور راکٹوں کے سر پر مسلط رہتی ہیں۔

یہ تو ایک نمونہ تھا ان اڑن طشتریوں کا جو دوران پرواز ہوا بازوں نے دیکھی ہیں — لیکن یہ خیال رہے کہ ان اڑن طشتریوں کے مشاہدہ کا تعلق صرف خلا بازوں اور ہوا بازوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ کچھ لوگوں نے زمین پر رہتے ہوئے بھی یہ اڑن طشتریاں دیکھی ہیں۔

۱۲ — معروف زمانہ ماہر علم نجوم فلپ کیلس ۵ اکتوبر ۱۹۷۳ء کو ۸ بجے بعد از ظہر ایک نورانی شے کو فضا میں دیکھتا ہے جو چند منٹ تک اریزونا کے علاقہ میں عجیب و غریب حرکات کرنے کے بعد گم ہو گئی۔

فلپ نے اپنے معمول کے مطابق کاغذ اور قلم لیا اور اس جسم نورانی کی تمام حرکات و سکنات کو نوٹ کر لیا — اس کے بعد آج تک اس کی نگاہیں ہمیشہ کے لئے سونے آسمان مرکوز رہتی ہیں کہ ممکن ہے پھر کبھی ویسی شے دیکھ لے —

(۸ فروری ۱۹۷۹ء کی صبح کو بی بی سی لندن نے یہ اطلاع دی تھی)

۱۳۔ ہفت روزہ سالہ ۱۷ دسمبر ۱۹۵۸ء کی اشاعت کے مطابق امریکہ کی ریاست کنٹوکنی کے دشت سبز نامی معروف علاقہ میں اڑن طشتریوں کی آمد و رفت اس حد تک حیرت انگیز مشاہدہ ہوا کہ کنٹوکنی کے دارالحکومت فرینکفرٹ کے سائنسدانوں نے باقاعدہ ہدایات جاری کیں کہ اس سلسلہ میں تحقیقات ضروری ہے چنانچہ ان لوگوں نے ایک کمیٹی تشکیل دی اور اس کمیٹی کے ایک اعلامیہ کے ذریعہ ریاست کے تمام باشندوں سے اپیل کی جو شخص کسی جگہ اور کسی وقت کوئی اڑن طشتری دیکھے وہ حتی الامکان اس کا بغور جائزہ لے اور اپنے تمام مشاہدات لکھ کر کمیٹی کو ارسال کرے۔ اس کمیٹی کو یوں تو کئی اطلاعات ملیں لیکن ان میں سے تین اطلاعات حیرت انگیز تھیں۔ آپ بھی لطف اندوز ہولیں۔

۱۴۔ پہلی اطلاع فائر بریگیڈ کے عملہ سے دو افراد کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دشت سبز کے ایک علاقہ میں ہم پھیلنے والی آگ پر قابو پانے میں معروف تھے کہ ہم نے ایک اڑن طشتری کو ایک گھنٹہ مسلسل اپنی نگرانی اور تعاقب میں دیکھا۔

۱۵۔ دوسری اطلاع ایک چرچ کے عالم اور اس کی بیوی نے دی وہ یوں کہ ایک دن صبح کے وقت ہم کلیسا (گرجا) کی طرف جارہے تھے کہ راستہ میں ہم نے ایک نورانی شے دیکھی جو ستون نما تھی۔ پھر حیرت انگیز طور پہ دور ہو کر ہماری آنکھوں سے گم ہو گئی۔

۱۶۔ تیسری اطلاع ایک سترہ سالہ لڑکے کی ہے جس نے دشت سبز کی فضا پر ایک اڑن طشتری کو معروف پرواز دیکھا۔ چونکہ اڑن طشتریوں کے واقعات ہر ایک کو معلوم تھے اس لئے اس کے دل میں کوئی خوف و ہراس نہ تھا۔ اس لڑکے کے پاس کیمرہ تھا۔ اس نے انتہائی سکون اور اطمینان سے اس اڑن طشتری

کی فوٹو لی اور کنشوکنی میں قائم شدہ تحقیقاتی مرکز کو بھجوا دی۔

۱۷ ۔ اسقف تھیوڈور ہنر بیورج فوٹردم یونیورسٹی کے انچارج نے اعلان کیا کہ میں بیون جیجسٹر یونیورسٹی کا انچارج اور بیٹر الرڈ مچھلی کا شکار کھیلنے جا رہے تھے کہ اثنائے راہ میں ہم نے اڑن طشتری دیکھی تھی جس کی رفتار سر چکرا دینے والی تھی اور روشنی سے آنکھیں چندھیائی جا رہی تھیں۔

۱۸ ۔ بی۔ بی۔ سی سے ایک سوال تھا۔ کیا یہ اڑن طشتری ایک حقیقت ہے اور اس سلسلہ میں پیش کردہ کہانیاں سچ ہیں ؟ بی بی سی نے یہ جواب دیا ہے ۔ ہامرو میں ٹی وی نمائندگان میں سے ایک نمائندہ اڑن طشتری کی تصویر لینے میں کامیاب ہو چکا ہے۔ یہ تصویر ٹی وی پر دکھائی جا چکی ہے اور اسی دن کے اخبارات میں بھی یہ خبر شائع ہو چکی ہے ۔

۱۹ ۔ بی۔ بی۔ سی کی اطلاع کے مطابق تین سال پہلے نیوزی لینڈ کی فضا میں اڑن طشتریاں دیکھی گئی ہیں اور نیوزی لینڈ ٹی وی نے اڑن طشتریوں کی رفتار اور دیگر حرکات و سکنات کی مفصل فلم بندی کر لی ہے ۔ یہ خبر اس دن کے تمام اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔

۲۰ ۔ روزنامہ الانباء کویت ۔ ۵ جنوری ۱۹۷۹ء جوہانسبرگ سے یونائیٹڈ پریس کی اطلاع کے مطابق ۴ جنوری ۱۹۷۹ء بروز جمعرات ایک عورت اور اس کے بچے نے عجیب الخلقت چھ افراد کو دیکھا ہے جو ایک نورانی جسم کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ نورانی جسم سے عجیب قسم کی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی رنگا رنگ نورانی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں اور ایک زرعی علاقہ کی فضا میں مصروف پرواز تھی۔

میگن کویزٹ نامی اس عورت کا کہنا ہے کہ میں حیرت زدہ ہو کر ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی کہ انہوں نے مجھ سے بات کرنا چاہی۔ دہشت کے مارے بے ساختہ

میری چیخ نکل گئی۔

جب انہوں نے مجھے وحشت زدہ دیکھا تو اڑن طشتری میں داخل ہو کر مجھ سے کچھ فاصلے پر دُور چلے گئے۔ اس خاتون کا کہنا ہے کہ میں نے ان لوگوں کو صرف بیس میٹر کے فاصلے سے دیکھا ہے۔ ان لوگوں نے عجیب طرح کے لباس پہن رکھے تھے۔ کچھ کے چہروں پر داڑھیاں بھی نظر آ رہی تھیں اور خلا بازوں کی طرح کچھ نے چہروں پر ماسک چڑھا رکھے تھے۔

اس خاتون کا کہنا ہے کہ جب میری وحشت ذرا کم ہوئی تو میں نے جرأت کر کے ان سے گفتگو کرنا چاہی اور ۔ ہیلو ۔ کہا ۔ جواب میں انہوں نے بھی کچھ کہا۔ لیکن میں نہ سمجھ پائی۔ چنانچہ میں نے اپنے بچے کو کہا کہ دوڑ کر گھر جا اور اپنے ابا کو بلا لا۔ اسی اثنا میں یہ لوگ اڑن طشتری کے اندر چلے گئے۔ اڑن طشتری کی کھڑکی جو تقریباً ڈیڑھ چوڑی ہوگئی۔ اوپر سے نیچے بند ہوتی تھی۔ کو نیچے کھینچا اور آن کی آن میں عمودی پرواز کر کے بادلوں سے اوپر نکل گئے۔

اڑن طشتریوں کے ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مشاہدہ کسی ایک خطہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ آج تک انہیں امریکہ ۔ روس ۔ انگلینڈ ۔ فرانس ۔ نیوزی لینڈ جاپان ۔ افریقہ ۔ ارجنٹائن اور عرب ممالک میں بھی دیکھا گیا ہے۔

آخری مرتبہ (اس کتاب کی تالیف تک) جو اڑن طشتری دیکھی گئی ہے وہ آج سے چند دن پہلے ۲۱۔ جنوری ۱۹۷۹ء کو کویت میں دیکھی گئی ہے ۔ اس مشاہدہ کو تمام اخبارات نے شائع کیا ہے۔ اس مشاہدہ کے بعد حکومت کویت نے ایک تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دی جس میں وزارت دفاع ۔ ڈاک ۔ ٹیلیگراف ۔ داخلہ ۔ فضا اور رانٹر سروس کے چیدہ چیدہ افراد شامل کئے گئے۔ اور ان کے ذمہ کیا گیا کہ وہ اس حادثہ کے ہر پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے تحقیق کریں۔

اخبارات اور ریڈیو کے مطابق کویت میں دیکھی جانے والی اڑن طشتری کا پینتالیس میٹر قطر اور آٹھ میٹر بلندی تھی۔ روزنامہ الرای العالم ۲۱ جنوری ۱۹۷۹ء کے مطابق اس اڑن طشتری کو دیکھنے والوں میں سے جو شخص قریب تھا وہ سو میٹر کے فاصلہ پر تھا۔

اس تشکیل شدہ کمیشن نے جو نتیجہ دیا وہ یہ تھا کہ — ہمارے مطالعہ کے مطابق اس بات کا کوئی احتمال نہیں ہے کہ — یہ نورانی جسم کرہ ارض کے کسی ایسے ملک سے تعلق رکھتا ہو جو جاسوسی کے لئے یہاں بھیجا گیا ہو — کیونکہ ہماری معلومات کے مطابق اس کرہ ارض پر کوئی ایسی حکومت ابھی تک موجود نہیں ہے جو ٹیکنالوجی میں اتنی ترقی یافتہ ہو کہ وہ اس طرح کی اڑن طشتری کو تخلیق کر سکے۔

یہ اڑن طشتری کویت کے شہر سے صرف پچاس کیلومیٹر اور مصنوعی چاندوں کے مشاہداتی مرکز کے قریب اتری تھی جسے کویت کی تیل کی مصنوعات سے سات انجینئرز نے اور ایک امریکی ماہر نے بھی دیکھا تھا۔

اس اڑن طشتری کے مشاہدہ کی داستان ہفت روزہ الکفاح العربی نے جس طرح لکھی ہے ملاحظہ فرمائیے :۔

کویتی تیل صاف کرنے والے ایک کارخانہ میں انجینئروں نے دیکھا کہ کارخانہ کا ایک الیکٹرانک حصہ بیکار ہو گیا ہے چنانچہ کارخانہ کے سات انجینئر ایک امریکی ماہر کے ساتھ اس جگہ آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک عجیب و غریب جسم جو دو سو پچاس میٹر کے لگ بھگ ہے زمین پر اترا ہوا ہے — یہ جسم ساخت میں عمود کی طرح تھا۔ حجم میں جمبو جیٹ سے کچھ بڑا تھا۔ قرمزی رنگ کا ایک گنبد اس کے اوپر تھا۔ جب یہ لوگ بیکار شدہ موٹر کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ اس کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اس حصہ میں تمام آلات اپنی اپنی جگہ فٹ ہیں۔

لیکن موٹر بند ہیں۔ انہیں کوئی ایسی تکنیکی یا فنی خرابی نظر نہ آسکی جسے وہ موٹر بند ہونے کا سبب قرار دے سکتے۔

ان ٹیکنیشنز میں سے کچھ نے اس جسم نورانی کے قریب جانے کا خیال ظاہر کیا لیکن دوسرے افراد نے انہیں خطرے کا احساس دلا کر اس کے قریب جانے سے روک دیا۔

سات منٹ تک یہ لوگ اسی گومگو کے عالم میں کھڑے تھے کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ وہ نورانی جسم ان کی نگاہوں کے سامنے زمین سے بلند ہوا اور انتہائی اطمینان کے ساتھ فضا میں اُٹھنے لگا اور رفتہ رفتہ فضا میں ان کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جس آرام اور اطمینان سے ہم نے اس جسم نورانی کو زمین سے بلند ہوتے دیکھا ہے آج تک ہم نے نہ تو کسی ہوائی جہاز کو اور نہ ہی کسی راکٹ کو اس اطمینان سے فضا میں اُٹھتے اور پرواز کرتے دیکھا ہے۔

پھر یہ لوگ اپنے کارخانہ کے اس بیکار حصہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ اس اڑن طشتری کے جاتے ہی کارخانہ کا وہ بیکار شدہ حصہ از خود چالو ہو چکا ہے۔

ان تمام مشاہدین کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ یہ نورانی جسم کرۂ ارض پر موجود کسی راکٹ جیسا نہیں تھا اور نہ ہی کرہ ارض کے کسی ملک کا ساختہ تھا بلکہ یہ بھی انہی اڑن طشتریوں میں سے ایک تھا جن کی حقیقت آج تک معلوم نہیں ہو سکی۔ لیکن انہیں کرہ ارض کے تقریباً ہر علاقہ میں سیکڑوں بار دیکھا جا چکا ہے۔

سائنسدانوں کے نظریات :۔

ان چند مثالوں کے بعد اب ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم ان اڑن طشتریوں کے سلسلہ میں سائنسدانوں کے نظریات کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

لیکن اس سے قبل یہ بھی بتاتے چلیں کہ اڑن طشتریوں کے سلسلہ میں سائنسدانوں نے جتنے آلات استعمال کئے ہیں ان میں سے کسی آلہ نے کوئی بھی منفی نتیجہ نہیں دیا بلکہ ہر آلہ نے مثبت جواب ہی دیا ہے۔

مثلاً کمپیوٹر کی مثال لے لیجئے۔ سائنسدانوں نے اس الیکٹرانک دماغ کو اڑن طشتریوں کی تحقیق میں لگایا اور جتنی معلومات جمع کی تھیں تمام کو کمپیوٹر کے حوالہ کر دیا پھر اس سے سوال کیا کہ کیا اڑن طشتریوں کا نظریہ ایک حقیقت ہے؟ تو کمپیوٹر نے جواب دیا ہاں یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

ہفت روزہ الکفاح العربی ۲۰ تا ۲۶ نومبر ۱۹۷۸ء کے مطابق معروف فرانسیسی فزسٹ ڈاکٹر جیک ولی جس نے سولہ برس اسی تحقیقات میں صرف کئے ہیں کہتا ہے کہ:۔

آج تک کمپیوٹر نے ایک ہزار مرتبہ جسم نورانی کا مشاہدہ ریکارڈ کیا ہے۔ اس ایک ہزار میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ تیرہ فیصد مشاہدات صرف اڑن طشتریوں کے ہیں۔ اس یقین کی وجہ یہ ہے کہ اتنی سی تعداد میں ہمیں اپنے تحقیقاتی مرکز میں کمپیوٹر کے علاوہ دوسرے لوگوں کے مشاہدات موصول ہوئے ہیں۔ جہاں تک ایسے لوگوں کے اڑن طشتریوں کو دیکھنے کا تعلق ہے جنہوں نے ہمارے مرکز کو اطلاع نہیں دی ان کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کتنے ہیں۔

ہفت روزہ الف باء ۱۰ مئی ۱۹۷۸ء کے مطابق ــ کمپیوٹر کو جو معلومات فراہم کی گئی ہیں ان کے پیش نظر کمپیوٹر نے اپنا حتمی فیصلہ دیا ہے کہ اڑن طشتریوں کا وجود ناقابل تردید حقیقت ہے ــ اس ہفت روزہ نے قارئین کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے مزید لکھا ہے کہ ــ جو لوگ جب بھی اڑن طشتری دیکھنے کی اطلاع دیتے ہیں انہیں تحقیقاتی مرکز میں بلایا جاتا ہے اور انہیں تحقیقاتی آلات کے سامنے

پیش کرکے ان کے سچ اور جھوٹ کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسے افراد کو ہپناٹائز کرکے ان سے حقیقت اگلوائی جاتی ہے۔ ان تمام تر تحقیقات کے بعد جو نتائج برآمد ہوئے ہیں ان کے مطابق اڑن طشتریوں کے مشاہدہ کا دعوےٰ کرنے والوں میں سے ۹۵ فیصد مشاہدات درست پائے گئے ہیں۔

اسی ہفت روزہ کے مطابق ۱۹۷۸ء کے آغاز میں دس حکومتوں نے ایک مشترکہ معاہدہ کے ذریعہ اڑن طشتریوں کے سلسلۂ تحقیق کو بذریعہ کمپیوٹر آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ ممالک امریکہ۔ کینیڈا۔ بلجیم۔ فرانس۔ ڈنمارک۔ نائیجر (ناروے)۔ سویڈن۔ فن لینڈ۔ انگلینڈ اور مغربی جرمنی ہیں۔

ان ممالک کے مشترکہ تحقیقاتی مرکز کے سربراہ برٹل کیلمن جو سویڈن سے تعلق رکھتے ہیں نے امید ظاہر کی ہے کہ کرۂ ارض کا نصف شمالی حصہ ہمارے مشاہداتی دائرہ میں ہے۔ اور اس علاقہ میں اڑن طشتریوں کی نقل و حرکت کو پوری طرح زیرِ نظر رکھا جائے گا۔ اور نتائج بھی اُمید افزا ہوں گے۔

جب یہ اطلاعات سائنسی دنیا سے باہر نکلیں اور دیگر افراد نے ان پر توجہ دی تو جیسے اس کرۂ ارض کے باسیوں کا کام ہی فقط اڑن طشتریوں کا تعاقب کرنا رہ گیا ہے۔ ہر علاقہ میں اڑن طشتریوں سے متعلق تحقیقاتی مراکز قائم کر دیئے گئے اور سائنسی دنیا کے علاوہ بھی بہت سے لوگ اس دردسری میں مصروف ہیں۔

لیکن آج تک ہم اس راز کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں کہ تحقیقات کرنے والے سائنسدان ہوں یا دوسرے آج تک کسی نے اپنی تحقیقات کو طشت از بام کیوں نہیں کیا؟

ہفت روزہ۔ آخر ساعت ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۸ء کے مطابق اڑن طشتریوں کے سلسلہ میں منعقد ہونے والے تحقیقاتی اجلاسوں میں سے اہم ترین سیمینار روس

کے ایک علاقہ میں منعقد کیا گیا جس کے متعلق اعلان کیا گیا تھا کہ ۔ اب اڑن طشتریوں کا راز راز نہیں رہے گا ۔ اور ان کی کرۂ ارض پہ آمد ورفت کے اسباب حتماً معلوم کرلئے جائیں گے ۔ تمام ممالک سے درخواست کی گئی کہ اڑن طشتریوں کا راز پانے کی خاطر یہ ایک متحدہ کوشش ہے لہٰذا ہر ملک اپنی علمی اور عملی مساعی کے ساتھ سیمینار میں شرکت کرے ۔

امریکہ سے ڈاکٹر ایڈرگ اور روس سے ڈاکٹر ایکر داسٹیسنوف کو اس سیمینار کا انچارج مقرر کیا گیا ۔

اتنے بڑے اہتمام کے بعد جب یہ سیمینار منعقد ہوا ۔ کئی دن مغز خوری کی گئی لیکن بعد میں جو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا اسے ایک سیاسی پینترے بازی کے علاوہ کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس سیمینار میں شرکت کرنے والوں نے مشترکہ اعلامیہ میں اگرچہ اپنی فکر کے مطابق دنیا کے تمام غیر شریک دانشمندوں کا مذاق اُڑایا ہے لیکن فی الواقع وہ خود مذاق بن کے رہ گئے ہیں ۔ اعلامیہ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے

تمام عوام وخواص کو مطلع کردیا جائے کہ یہ اڑن طشتریاں کوئی اہم یا خطرناک شے نہیں ہیں لہٰذا اس میں مزید غور و فکر وقت دولت اور فکری صلاحیتوں کے ضیاع کے سوا کچھ نہیں ہے ۔

● ماسکو یونیورسٹی کے ماہر فزکس پروفیسر ڈیمیٹری مارٹینوف نے تاس کے نامہ نگار کے سامنے ان خیالات کا اظہار کیا ہے :۔

یہ اڑن طشتریاں کوئی نئی دریافت نہیں ہیں ۔ صدیوں سے لوگ انھیں فضا میں دیکھتے چلے آرہے ہیں ۔ اور اس سلسلہ میں کتاب مقدس (انجیل) میں بھی اشارات ملتے ہیں ۔ جو لوگ اڑن طشتریاں دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں فی الواقع وہ اڑن طشتریاں نہیں ہوتیں بلکہ ہوائی جہاز ۔ راکٹ ۔ کوئی رنگ ۔ شہاب ثاقب

اور گرتے ہوئے پتھر کی چمک دیکھ کر مدہوش ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے کوئی نئی چیز دیکھ لی ہے۔

ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ دیکھنے والوں کا صرف وہم وخیال ہو جو بعض اوقات روشنی کے شدید انعکاس کے ردعمل کے بطور بھی ہو جایا کرتا ہے ورنہ حقیقت میں اس کا وجود قوس قزح سے زیادہ نہیں ہوتا۔

● روس میں قائم شدہ ارشموج لائف اکیڈمی نے بھی پروفیسر مارٹینوف ہی کا اُگلا ہوا لقمہ چبایا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ:۔

اڑن طشتریوں کے مشاہدات کا دعویٰ بے بنیاد ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

● روس کے ایک روزنامہ میں اڑن طشتریوں کے متعلق یہ سرخی جمائی ہے:۔

اڑن طشتریوں کے تمام تصورات اور مشاہدات ایک بیہودہ اور بے بنیاد افسانہ ہیں اور کچھ نہیں۔ حالانکہ قبل ازیں ۳۰ ستمبر ۱۹۷۱ء کو امریکہ اور روس میں باقاعدہ ایک معاہدہ ہو چکا ہے جس پہ آج بھی امریکہ کے وزیر خارجہ ولیم راجرز اور روس کے وزیر خارجہ آندرے گرومیکو کے دستخط موجود ہیں جس کی رُو سے روس اور امریکہ دونوں سپر طاقتیں اس بات کی پابند ہیں کہ وہ اپنے اپنے علاقہ یا اپنے متعلقہ ممالک میں جہاں کہیں بھی اڑن طشتریوں کو دیکھیں اُن کی تصاویر اُتاریں وہ اس بات کے پابند ہوں گے کہ تمام مشاہدات اور تصاویر بطور تبادلہ ایک دوسرے کے حوالے کریں تاکہ اچانک جنگ چھڑ جانے کا خطرہ نہ رہے۔

اس معاہدہ، جو روس اور امریکہ کے وزرائے خارجہ کے مابین ہوا ہے سے صاف اور واضح ہے کہ دونوں ممالک اُڑن طشتریوں کے وجود کو ایک حقیقت تسلیم کرتے ہیں لیکن ان کے راز کو پانے میں تاحال عاجز رہے ہیں اور اپنے اس عجز کو چھپانے

کی خاطر لوگوں سے درخواست کرتے ہیں کہ جس چیز کو ہم حقیقت سمجھتے ہیں تم اسے ایک افسانہ سمجھو۔

نتیجہ ان تمام واقعات سے ہر دانشمند یہ نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ:۔

● اڑن طشتریوں کا مسئلہ بھی مثلث برمودا میں رونما ہونے والے حادثات کی طرح ایک ناقابل فہم اور اُلجھا ہوا مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔ اور آج تک نہ تو مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات کا کوئی سراغ لگایا جا سکا ہے اور نہ ہی اڑن طشتریوں کی حقیقت سامنے آسکی ہے۔

کچھ اور بھی دانشمند ہیں جنہوں نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بیچارے بھی جتنا سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں معاملہ اور الجھ جاتا ہے اور آج تک یہ بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے۔

روزنامہ الیقین ۲۵ نومبر ۱۹۸۰ء کے مطابق ماہر بیالوجسٹ ایف کیلمن اور ڈی منگن نے ان اڑن طشتریوں کے متعلق جو نظریہ پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیے:

جب کوئی جسم کسی مقناطیسی گڑھے میں جاتا ہے تو اس کے آس پاس ایک الیکٹرک خلا کا ہو جانا ایک طبعی بات ہے اور اس خلا میں ایک نورانی چمک شعاع کا پیدا ہونا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے اور یہی چمک خلا نوردوں کو اڑن طشتری معلوم ہوتی ہوگی۔ پھر جب جسم اس مقناطیسی گڑھے سے نکلتا ہے تو وہ الیکٹرک شعاع ختم ہو جاتی ہوگی جسے فضا نورد اڑن طشتری کے غائب ہو جانے سے تعبیر کرتے ہوں گے۔

ان دونوں بیالوجسٹوں کا یہ بھی یقین ہے کہ اس قسم کے خلا پیدا ہونے کے لئے فضا میں مخصوص شرائط کا ہونا ضروری ہے اگر وہ شرائط نہ ہوں تو خلا کا وجود ناممکن ہوگا۔ ان کے مطابق مخصوص شرائط کی صورت میں زمینی ماحول میں مسلسل

طوفانی بگولوں اور بجلی کی گرج، دھماکوں سے بھی اس قسم کے الیکٹرک خلا پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ۔ ان زندہ اجسام میں ما نعات کا وجود اس الیکٹرک خلا کے لئے انتہائی موزوں ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ جب ایک پورا گروپ پرواز کرے اور مقناطیسی گڑھے سے گذرے تو فضا میں اس قسم کا نور اور چمک پیدا ہو جائے جسے اڑن طشتری کی شکل میں دیکھا جا سکے۔

امریکی وزارتِ زراعت کے ماہران و وبیا لوجسٹوں کا نظریہ آپ نے دیکھ لیا ہے۔ ہم ان سے یہ کیسے کہیں کہ۔ سرکار جو فضا، جو طوفانی بگولے اور جو گرج آپ نے بتائی ہے۔ ذرا اپنے اس نظریے کو اڑن طشتریوں کے مشاہداتی واقعات کی روشنی میں دیکھئے اور پھر اپنے نظریہ اور ان مشاہدات میں تطبیق فرمائیے۔ کیونکہ اڑن طشتریوں کے اکثر مشاہدات۔ روز روشن۔ صاف مطلع۔ بگولوں سے خالی زمین اور گرج و چمک سے پاکیزہ آسمان میں ہوئے ہیں۔

پھر ہم انہیں کیسے یاد دلائیں کہ اڑن طشتریوں کے اکثر مشاہدات میں یہ بات خاص طور پر موجود ہے کہ اڑن طشتری کبھی ہوائی جہاز یا راکٹ کے گرد گھومنے لگتی ہے۔ کبھی راکٹ یا ہوائی جہاز سے دور ہو جاتی ہے اور کبھی نزدیک آجاتی ہے۔ خلا نورد اطلاع دیتے ہیں کہ اڑن طشتری ہمارے تعاقب میں ہے۔

ہم انہیں کیسے بتائیں کہ تمام موجودہ آلات بشمول کمپیوٹر اڑن طشتریوں کو ایک مسلمہ حقیقت کے بطور تسلیم کر چکے ہیں۔

● ہاورڈ یونیورسٹی کے ماہر فزسٹوں میں سے ایک پروفیسر نے ان مشاہدات کا ایک اور انداز میں یوں مذاق اُڑایا ہے کہ:۔

اڑن طشتریوں کا تصور محض ایک افسانہ اور بیہودہ تخیل ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ فضا میں بعض اوقات روشنی کی ایک غیر معمولی لہر اٹھتی ہے جو دور تک چلی

جاتی ہے۔ اسی لہر نے اڑن طشتری کے تصوراتی بیہودہ تصور کو جنم دیا ہے۔

لیکن اس پروفیسر سے کون کہے کہ حضور! اگر سب کچھ افسانہ اور وہم کی کارستانی ہے تو پھر راڈار پر کیوں نظر آتا ہے۔ دوربینوں سے اس کی تصاویر کیوں لی جاتی ہیں؟ اور سینما کی فلموں میں کیسے ظاہر ہو جاتا ہے؟ کیا یہ حقیقت ہے کہ محض اوہام و تصورات کی تصویریں بھی لی جا سکتی ہیں اور پھر انہیں سینماؤں میں بھی دکھایا جا سکتا ہے؟ اور کیا یہ بھی ممکن ہے ایک تخیل محض راڈار پر ظاہر ہو جائے یا تمام آلات کو بیکار کردے؟

● ایک اور نظریہ یہ ہے کہ یہ اڑن طشتریاں کسی دوسرے نظام شمسی کے راکٹ ہیں جو کرہ ارض کی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔

اس نظریہ کے حامی بہت ہیں اور جہاں تک ہم سمجھتے ہیں اس سلسلے میں معقول ترین نظریہ صرف اسی کو کہا جا سکتا ہے لیکن یہ صرف ایک مفروضہ ہے اور آج تک اس مفروضہ کو ثابت کرنے کے لئے کوئی واقعاتی دلیل سامنے نہیں لائی جا سکی۔

ویسے اگر اس نظریہ کو بدقت نظر دیکھا جائے تو معاملہ سلجھنے کے بجائے اور الجھ جاتا ہے اور وہ یوں کہ سائنس کے مسلمات میں سے ہے کہ کسی نزدیک ترین ستارہ سے زمین تک آنے کے لئے روشنی کی رفتار سے پچاس بلین سال کا عرصہ درکار ہے گویا ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ ان اڑن طشتریوں کو جس دن دیکھا گیا ہے پچاس بلین برس پہلے سے یہ نور کی رفتار میں قریب ترین سیارہ سے چلیں اور کرہ ارض پہ پہنچیں۔

● ایک اور نظریہ جو کافی عرصے سے گردش کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ حقیقتاً ان اڑن طشتریوں کا راز سپر پاورز کے پاس ہے اور انہی کی کارستانی ہے جو ایک دوسرے کی جاسوسی کے لئے انہیں بھیجتے ہیں لیکن چونکہ دونوں کے دل میں چور ہے اس لئے کسی کو اس حقیقت سے آگاہ نہیں کرتے۔

لیکن یہ نظریہ اس لئے غلط ہے کہ یہ سپر پاورز آج تک خود حیران اور سرگرداں ہیں اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لانے کے باوجود آج تک ان اڑن طشتریوں کا راز انہیں معلوم نہیں ہو سکا۔ علاوہ ازیں سپر پاورز ہوں یا کوئی اور پاور آج تک کرۂ ارض کا کوئی بھی ملک ٹیکنالوجی میں اس مقام پر نہیں پہنچا کہ وہ ان اڑن طشتریوں جیسی چیز ایجاد کر سکے۔ ان لوگوں نے اگرچہ ان اڑن طشتریوں کی تصاویر کو مدنظر رکھ کر اپنے لڑاکا ہوائی جہاز ان کے مطابق بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ سرعت رفتار کے ساتھ ساتھ ان کی عمودی بلندی عمودی پستی ۔ دیگر آلات کو بیکار کرنا اور سیکنڈوں میں گم ہو جانا بھی ہو جائے لیکن تاحال قطعی طور پر ناکام رہے ہیں۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ۔ ان اڑن طشتریوں کا معاملہ بھی مثلث برمودا میں پیش آنے والے حادثات کی طرح ایک ایسا معمہ ہے جسے بیسویں صدی کا ترقی یافتہ انسان تاحال حل کرنے میں ناکام رہا ہے۔

یہ اڑن طشتریاں کس کے زیر کنٹرول ہیں :۔

اس سوال کا جواب صرف اور صرف نظریہ نسبت کے موجد معروف سائنسدان برٹ آئن سٹائن کے الفاظ اور نظریہ میں دیا جا سکتا ہے۔ الاسبوع العربی ۲۹ ستمبر ۱۹۷۹ء کے مطابق آئنسٹائن کا کہنا ہے کہ۔ یہ اڑن طشتریاں جن لوگوں کے کنٹرول میں ہیں یہ اپنے وقت کے ہی نہیں بلکہ کرۂ ارض کے وہ ممتاز ترین سائنسدان اور ترقی یافتہ ہیں جو آج سے بیس ہزار سال قبل اپنی فضائی ترقی کی بدولت کرۂ ارض کو چھوڑ کر کسی اور سیارے میں جا بسے ہیں۔

ممکن ہے آئنسٹائن کا یہ نظریہ حقیقت جو سائنسدانوں کے مشعل راہ ثابت ہو اور مستقبل کے سائنسدان اسی نظریہ کو بنیاد بنا کر کسی مثبت سوچ کے ذریعے اڑن طشتریوں کے معمہ کو

حل کرلیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اڑن طشتریوں کے کنٹرولر افراد آج سے بیس ہزار برس قبل اس آباد دنیا کو چھوڑ کر گئے ہوں بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آباد دنیا کے چھوڑنے کا عرصہ ایک ہزار اور کچھ برس ہوئے ہوں کیونکہ جب بات عرصہ کی ہوگی تو وہ اگر بیس ہزار برس کا ہو سکتا ہے تو بیس لاکھ برس کا بھی ہو سکتا ہے اور ایک ہزار برس کا بھی ہو سکتا ہے۔

علاوہ ازیں اڑن طشتریوں کے ان کنٹرولر حضرات کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ پورے کرہ ارض کو چھوڑ کر کسی اور سیارہ میں جا بسے ہوں بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے اس معمورہ ہستی کے ایک حصّہ کو چھوڑ کر بحر اوقیانوس کے کسی دور افتادہ جزیرہ کو اپنی پناہ گاہ بنا رکھا ہو جس کا نام آج کی ترقی یافتہ دنیا نے مثلث برمودا رکھا ہے۔

● جس کی فضا میں نہ کوئی ہوائی جہاز اُڑ سکتا ہے اور نہ ہی راکٹ اس فضا میں جا سکتا ہے۔

● جس کے آبی حدود میں نہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی کشتی جا سکتی ہے اور نہ کوئی ہمالیہ پیکر بحری جہاز جا سکتا ہے۔

● ممکن ہے یہ مثلث برمودا اور فضا میں کبھی کبھار کہیں کہیں نظر آنے والی اڑن طشتریاں اس کرہ خاکی کے ان اصلی وارثوں سے متعلق ہوں جو آج سے ایک ہزار اور کچھ برس قبل پردۂ غیبت میں بیٹھ کر ظہور کے لئے حکم الٰہی کے منتظر ہیں تاکہ حکم خالق کے بعد ظہور کر کے پورے کرہ ارض پہ اسلام کے پرچم کو لہرائیں۔ عدل الٰہی کو عدالت الٰہیہ کے انداز میں رائج و نافذ کر کے سچی حریت سے دکھی انسانیت کو ہمکنار کریں۔ جس کی بشارت خالق کائنات نے اپنے کلام میں یوں دی ہے

قصص ر ۵۔ ہمارا ارادہ ہے کہ جن لوگوں کو روئے ارض پہ بے بس کر کے چھوڑ دیا گیا ہے ان پر احسان کر کے انہیں عہدۂ امامت سے نوازیں اور انہیں روئے ارض کا وارث بنا دیں۔

۳

جزیرۂ خضرا ــــــ

اصل واقعہ

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں ۔ زیر نظر کتاب کے حصہ اول میں مثلث برمودا اس میں رونما ہونے والے حیرت انگیز اور وحشت خیز حادثات کا مختصر خاکہ پیش کرنے کے بعد دور جدید کے ترقی یافتہ ممالک کی تمام تر کوششوں کا تذکرہ اور پھر ان کا اس سلسلۂ حادثات کی تحقیقات کو عاجز آ کر چھوڑ دینے کا مختصر سا جائزہ پیش کیا ہے ۔

دوسرے حصہ میں ہم نے کرۂ ارض کی فضا اور چاند کی فضا میں اڑن طشتریوں کے دیکھے جانے ۔ ہوائی جہازوں اور راکٹوں کے تعاقب ۔ تمام الیکٹرانک آلات کے بیکار ہو جانے کا مختصر ذکر کرنے کے بعد دس ممالک بشمول امریکہ و روس کی مشترکہ مساعی ۔ اڑن طشتریوں کے راز سے واقفیت کی انفرادی اور اجتماعی کوششوں سے ان کے متعلق مختلف سائنسدانوں کے مختلف نظریات پیش کر کے ان کے متعلق عرض کیا ہے اور بتایا ہے کہ ۔۔۔ معمہ ہونے میں مثلث برمودا اور اڑن طشتریاں دونوں کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ بھی اپنی رائے سے نہیں بلکہ موثق اور معتمد حوالہ جات سے خود انہی سائنسدانوں اور محققین کے اقوال پیش کئے ہیں ۔

اس تیسرے حصہ میں ہم آپ کو آج سے سات صدیاں پیچھے لے جا رہے ہیں ۔ اور ایک صالح ترین بندہ خدا کی داستان سنانے چلے ہیں جس نے توفیق الہٰی اور اپنے خلوص کے پیش نظر دیار یار کا سفر کر کے اس مقدس سرزمین کی مٹی کو چوما ہے ۔ کچھ دن اس پاکیزہ آب و ہوا اور خواہشات نفس سے منزہ ماحول میں رہنے کی سعادت حاصل کی ہے :۔

یہ خوش نصیب شیخ زین الدین علی ابن فاضل ہے جو ایران کے ایک قصبہ

مازندران میں ساتویں صدی ہجری میں پیدا ہوا۔ شوق زیارت اور اشتیاق علم و عمل اسے اپنی جنم بھومی سے دمشق لے گیا۔ جہاں اس نے ایک اندلسی اُستاد سے تعلیم حاصل کی اسی دوران اسے بحر اوقیانوس کے ایک جزیرہ کے سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے بتائے گئے واقعات کے مطابق ظن غالب یہی ہے کہ بحر اوقیانوس میں واقعہ اس جزیرہ کا جو محل و قوع موصوف نے بتایا ہے یہی وہ جزیرہ ہے جسے دور جدید کی ترقی یافتہ اصطلاح میں مثلث برمودا کہا جاتا ہے۔ موصوف نے اس سفر سے واپسی کے بعد جو داستان سُنائی ہے وہ پوری کی پوری آج تک کتابوں میں بطور امانت موجود ہے۔ سات صدیاں بیت جانے کے بعد جب ہم نے مثلث برمودا کی کہانیاں سنیں۔ ہوا بازوں۔ خلا نوردوں اور فضا نوردوں نے اس جزیرہ کی جو نقشہ کشی کی ہے۔ مشترکہ تحقیقاتی مراکز نے اس جزیرہ کے متعلق جو کچھ اپنے تحقیقی مقالہ جات میں بتایا ہے اور جو کچھ تحقیقاتی ٹیموں پہ گذری ہے ہمیں ضرورت محسوس ہوئی کہ شیخ زین الدین کے بیان کردہ محل وقوع اور مثلث برمودا میں تحقیقاتی اداروں کے بتائے ہوئے محل وقوع اور حالات کا موازنہ کریں۔

جہاں تک ہم نے اپنے طور پر ان دونوں میں موازنہ کیا ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مثلث برمودا کا یہ علاقہ وہی جزیرہ ہے جو آج سے سات صدیاں پہلے شیخ زین الدین نے دیکھا ہے اور مثلث برمودا ہی وہی جزیرۂ خضر علیہ السلام ہے جس کی تحقیقات میں دور جدید کی دنیائے سائنس نے کروڑوں ڈالر صرف کرنے کے علاوہ سیکڑوں جانیں بھی قربان کر دی ہیں لیکن نتیجہ آج بھی صفر ہی رہا ہے۔

● حصہ اول میں ہم نے علمی ہفت روزوں سے فضا نوردوں کے وہ جملے نقل کئے ہیں جو انہوں نے مثلث برمودا کے متعلق اپنے آخری پیغامات میں کہے تھے کہ:۔

- یہ دریا دنیا میں بہنے والے دوسرے دریاؤں سے ذرّہ بھر بھی مشابہت نہیں رکھتا۔
- ہم ایک سفید رنگ پانی کے اوپر پرواز کر رہے ہیں۔
- ہم ایک چھوٹے سے جزیرہ کی فضا میں مصروف پرواز ہیں۔

ہمیں بالکل یہی جملے آج سے سات صدیاں قبل شیخ زین الدین کی داستان میں ملتے ہیں۔ ہم شیخ زین الدین کا واقعہ تفصیل سے عرض کریں گے لیکن ایک نظر میں بطور اختصار خلا نوردوں کے مذکورہ بالا جملوں کا سات صدیاں قبل شیخ زین کے جملوں سے موازنہ کی خاطر بالکل اجمالی خاکہ ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ زین الدین اپنے استاد کے ہمراہ ہسپانیہ اور اندلس کا سفر کرتا ہے۔ اندلس سے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ سرزمین بربر (مغرب) میں پہنچتا ہے وہاں سے اوقیانوس کے ایک جزیرہ کی طرف روانہ ہوتا ہے جسے اس وقت کی اصطلاح میں رافضیوں کا جزیرہ یا شیعوں کا جزیرہ کہا جاتا ہے۔ اس جزیرہ سے ایک شخص جو جزیرۂ خضرا سے آیا تھا، کی وساطت سے جزیرہ خضرا میں جاتا ہے۔

سولہ دن کے مسلسل بحری سفر کے بعد شیخ زین الدین سفید پانیوں میں پہنچتا ہے۔ سفید آب سے اس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ لے جانیوالی کشتی کا ناخدا موصوف سے سوال کرتا ہے۔ اس قدر آپ کی آنکھیں کیوں خیرہ کر رہی ہیں؟ موصوف جواب دیتا ہے:

- مجھے یہ پانی دوسرے پانیوں کی شباہت سے خالی اور بالکل مختلف نظر آرہا ہے۔

ناخدا کہتا ہے ہاں۔ یہ دریائے سفید ہے۔

ذرا ہوا بازوں کے جملہ اور موصوف شیخ کے جملہ کا ایک ساتھ موازنہ کریں اور

ملاحظہ کریں کہ ان دونوں جملوں میں کتنی ہم آہنگی اور یگانگت ہے۔ ہوابازوں نے بھی تو یہی کہا تھا کہ۔ یہ پانی دوسرے پانیوں سے کوئی شباہت نہیں رکھتا۔ یہ آب سفید ہے۔ ہم سفید پانیوں کی فضا میں ہیں۔

جب ہم شیخ موصوف کے اس جملہ اور ان ہوابازوں کے اس آخری جملہ کو باہم ملا کر دیکھتے ہیں جو گئے اور کو واپس نہ آئے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ۔ ہوابازوں کا آخری جملہ اور شیخ موصوف کا یہ جملہ ایک چیز کی تعبیر ہے۔ جو کہ شیخ صاحب موصوف نے سات صدیاں پہلے کہا تھا وہی کچھ ہواباز سات صدیاں بعد کہہ رہے ہیں۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ صرف ہوابازوں ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اگر آپ شیخ موصوف کے واقعہ بحری جہازوں کے کپتانوں اور کشتیوں کے ناخداؤں کے مشاہدات کا موازنہ کریں تو بھی آپ کو بات ایک ہی نظر آئے گی۔

شیخ موصوف اپنی کشتی کے ناخدا سے نقل کرتا ہے کہ اس نے مجھے بتایا۔ یہ آب سفید ہے اور وہ جزیرۂ خضرا ہے۔ اس آب سفید نے ہر طرف سے جزیرہ کا احاطہ کیا ہوا ہے اور حکمت و قدرت الٰہیہ ہے کہ۔ دشمنوں کی کشتیاں جتنی بھی مضبوط اور مستحکم ہوں جب بھی کسی طرف سے اس آب سفید کو عبور کرنے کی کوشش کریں امام زمانہ کی برکت سے غرقاب ہو جاتی ہیں۔ شیخ موصوف کے مذکورہ جملہ کو پڑھنے کے بعد ایک مرتبہ در اکشتی بانوں اور ملاحوں کے وہ بیانات جو ہم ابتداء میں پیش کر چکے ہیں ذرا دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔

لیجیے شیخ زین الدین کی داستان پڑھیے۔ بحوالہ بحار الانوار

بحار الانوار۔ جس سے ہم جزیرہ خضرا کی داستان نقل کر رہے ہیں۔ علامہ مجلسی کے باقیات الصالحات میں سے ایک اہم ترین عمل صالح ہے جس کا جدید ایڈیشن ایک سو دس جلدوں پر مشتمل ہے اور پچاس ہزار صفحات سے زیادہ صفحات میں۔

اس کتاب کا مکمل نام بحار الانوار الجامعۃ الدرر اخبار الائمۃ الاطہار ہے۔ یعنی نور کے وہ موجزن سمندر جو ائمہ اطہار سے متعلق نایاب موتیوں کی جامع ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کتاب میں ائمہ اہلبیت کے تمام منقولہ ارشادات کو جمع کیا گیا ہے۔ اگر اسے روایات ائمہ کا انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

جزیرۂ خضراء کی داستان اس کتاب کی جلد ۵۲ میں مروی ہے۔ ہم اس کی عربی عبارت کو فارسی میں ترجمہ کرکے پیش کر رہے ہیں (اور میں اس فارسی سے اردو میں ترجمہ کرکے پیش کر رہا ہوں۔ اثیر جاڑوی)

جزیرہ خضراء

مجھے ایک رسالہ ملا ہے جو جزیرۂ خضراء اور آبہائے سفید کی داستان کے نام سے معروف ہے۔ میں نے اس لئے اس داستان کو اپنی کتاب کا جز بنالیا ہے کہ یہ ایک ایسے شخص کی داستان ہے جو بنفس نفیس امام زمانہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے — البتہ چونکہ یہ داستان قدیم کتب میں نہ تھی اس لئے میں نے اسے علیحدہ عنوان اور جداگانہ حیثیت سے درج کردیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اس خدائے واحد کی حمد وثنا ہے جس نے اپنی معرفت کی نعمت سے نوازا ہے۔ اشرف خلائق ۔ سرور کائنات ۔ خاتم الانبیاء کی توفیق اطاعت عنایت فرمائی ہے ۔ اور ہمیں امیر المومنین علیؑ اور دیگر ائمہ معصومین کی محبت اور فرمانبرداری کا فخر جلیل بخشا ہے ۔ ان تمام پر اللہ کی بیشمار رحمتیں ہوں ۔

مجھے حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی لائبریری میں ایک رسالہ ملا ہے جو شیخ فاضل عالم عامل ۔ فضل ابن یحییٰ ابن علی طیبی کوفی کے دست حق پرست

کی تحریر ہے۔ رسالہ کا متن اس طرح ہے :

اللہ کی حمد و ثنا۔ سرور انبیاء اور آپ کی مطہر آلِ عبا پر درود و سلام کے بعد عفو و عنایت پروردگار کا محتاج یہ بندہ پُر تقصیر فضل ابن یحییٰ ابن علی طیبی کوفی امامی عرض پرداز ہے کہ۔

میں نے ۶۹۹ھ کے نیمہ شعبان کے دن سلطان شہیداں۔ خامس آل عبا امام حسین کے حرم مطہر میں سُنا کہ۔ شمس الدین ابن نجیح حلی اور جلال الدین عبداللہ ابن حوام حلی جو کہ دونوں استاد۔ فاضل۔ عالم باعمل اور متقی ہیں نے سامرا کے حرم مقدس میں شیخ صالح زین الدین علی ابن فاضل مازندرانی کی زبان تقویٰ و پرہیز گاری سے سُنی ہوئی ایک داستان بیان کی ہے ۔ کہ موصوف کس طرح دیار یار میں مشرف ہوا۔ اور دریائے سفید میں جزیرۂ خضرا کی کیسے زیارت کی؟

شیخ موصوف کی یہ محبت آمیز۔ عشق بیز اور ہیجان انگیز داستان سُن کر دل میں تڑپ اُٹھی۔ جذبات میں شور اُٹھا۔ اور شوق میں ولولوں نے شور مچادیا۔ دل نے کہا بات ایسے نہیں بنے گی۔ روایت در روایت سُنی ہے۔ حلہ نجف سے دور نہیں ہے۔ اُٹھ۔ دوڑ اور شیخ موصوف کی اپنی زبان سے واقعہ سُن۔ ان ہاتھوں کا بوسہ لے جنہوں نے جزیرۂ خضرا کی دیواروں کو مس کیا ہے۔ ان آنکھوں کی زیارت کر جو جزیرۂ خضرا کے در و دیوار دیکھ کے آئی ہیں۔ ان قدموں کو داد تحسین دے جو جزیرہ کی مسافت کر کے آئے ہیں۔ اللہ سے دعا مانگی۔ اسے اپنے پیاروں کا واسطہ دیا۔ کہ میری اس مشکل کو حل فرما۔ اس راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو دور فرما۔ پھر سُنا کہ شیخ موصوف بہ نفس نفیس سامرا تشریف لائے ہیں۔ چاہا کہ کربلا سے سیدھا سامرا جاؤں۔ ابھی ارادہ ہی تھا کہ اطلاع ملی شیخ موصوف سامرا سے واپس حلہ چلے گئے ہیں اور حلہ سے واپس نجف اشرف تشریف فرما ہوں گے۔

اسی سال ۶۹۹ھ کے اوائل شوال میں حلہ گیا۔ معلوم ہوا کہ شیخ موصوف بیرون حلہ کہیں تشریف لے گئے ہیں۔ وہیں قیام کیا اور لمحات انتظار گزارے۔ اچانک اطلاع ملی کہ موصوف حلہ تشریف لائے ہیں۔ ان کی زیارت کے لئے باہر آیا دیکھا کہ ایک بزرگ منش گھوڑے پر سوار سید فخر الدین حسن ابن علی موسوی کے خانۂ مبارکہ کا رخ کئے ہوئے ہیں۔ میں نے قبل ازیں موصوف کو کبھی دیکھا نہ تھا۔ لیکن ان کی وجاہت اور عظمت سے اندازہ کر لیا کہ یہی سوار ہی میرا مطلوب شیخ موصوف ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ان کے پیچھے سید موصوف کے گھر کی راہ لی۔

جب میں سید موصوف کے گھر پہنچا تو موصوف بیرون خانہ تشریف فرما تھے۔ انتہائی خوش روئی سے انہوں نے میرا استقبال کیا اور شیخ زین الدین کی آمد کا مژدہ سنایا۔ میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ سرور انگیز کیفیت طاری ہو گئی۔ اب قرار کہاں۔ اور سکون کیسا۔ اپنے اختیار میں تو تھا نہیں۔ سید موصوف سے انتہائی بے قراری میں عرض کیا کہ میں شیخ محترم سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بھی میری شدت شوق کے پیش نظر تکلفات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مجھے شیخ محترم کے پاس لے گئے۔ جونہی مجھے شیخ نظر آئے میں اس طرح دوڑا جیسے پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ ان کے ہاتھوں کو آنکھوں پر رکھا۔ پھر جانے وفور شوق میں کتنے بوسے لے ڈالے۔

شیخ نے سید موصوف سے میرے تعارف کا کہا۔ موصوف نے تعارف کرایا کہ فضل ابن یحییٰ طیبی اور آپ کے شوق دیدار کا مشتاق ہے۔

میرا نام سنتے ہی شیخ ایک مرتبہ کھڑے ہو گئے۔ مجھے گلے لگایا اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ چونکہ وہ میرے والد محترم اور برادر مکرم سے واقف تھے اس لئے میرے والد گرامی اور برادر محترم صلاح الدین کی احوال پرسی کی۔ جن دنوں شیخ موصوف کی میرے والد کے ہاں آمد و رفت تھی ان دنوں میں واسط میں اپنے وقت کے بے بدل

عالم اسحاق ابن ابراہیم ابن محمد واسطی شیعہ عالم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے، مصروف تحصیل تھا۔

کافی وقت تک شیخ موصوف سے سلسلۂ گفتگو جاری رہا۔ دورانِ گفتگو مجھے یہ بھی پتہ چل گیا کہ موصوف فقہ، حدیث اور عربی ادب میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔

بالآخر میں اپنے مقصود پہ آیا اور عرض کی کہ جو داستان شیخ شمس الدین اور جلال الدین حلی نے سنائی ہے وہی داستان میں آپ کی زبانی سننے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

شیخ زین الدین سے جو داستان میں نے حلہ میں ۱۱ شوال ۶۹۹ھ کو سید فخر الدین موسوی مازندرانی کے دولت کدہ پر سنی ہے بلا تغیر و تبدل اس کا متن پیش خدمت ہے۔

داستان مسافر بزبان مسافر :-

شیخ زین الدین علی ابن فاضل مازندرانی نے اپنا واقعہ یوں شروع کیا :

عرصہ دراز سے میں دمشق میں علوم دینی کے حصول میں مصروف تھا۔ ایک استاد جن کا اسم گرامی شیخ عبدالرحیم حنفی تھا، کے پاس علم اصول اور عربی ادب پڑھتا تھا۔ دوسرے استاد زین الدین مغربی اندلسی مالکی تھے جو انتہائی صاحب فضل ہونے کے ساتھ ساتھ قرأت سبعہ سے کماحقہ آشنا تھے۔ دیگر فنیات مثلاً صرف نحو، منطق، معانی، بیان اور اصول میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ان کی دیگر خوبیوں کے علاوہ یہ خوبی بھی تھی کہ وہ ایک اعتدال پسند اور منصف مزاج تھے۔ تعصب تو انہیں چھو کر بھی نہ گزرا تھا۔ شیعہ مسلک سے انہیں کسی قسم کی کوئی عداوت نہ تھی۔ دوران تدریس جب کبھی شیعہ مسلک پیش کرتے تھے تو انتہائی احترام کے ساتھ فرماتے۔ علمائے امامیہ کا مسلک یہ ہے۔ جبکہ دیگر علماء ازراہ تعصب رافضی

کہہ کر شیعہ مسلک پیش کرتے تھے۔ ان کے ان خلاق حسنہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ میں نے اپنے تمام اسباق انہی کے پاس منتقل کر لئے۔

کافی عرصہ گزر گیا میں انہی کے حلقۂ تدریس میں رہا اور انہی کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرتا رہا۔ اسی دوران انہیں ایک سفر درپیش ہوا اور انہوں نے دمشق کو چھوڑ کر مصر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایسے شفیق اور مہربان استاد سے جدائی دل کب مانتا تھا۔ اور ایسا شفیق اُستاد بھی بھلا مجھ جیسے اطاعت شعار شاگرد سے فراق کب برداشت کر سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دو مرتبہ تو صرف جدائی پر افسوس کا اظہار کیا۔ پھر فرمایا چلو میرے ساتھ۔ ان کے کچھ اور شاگرد بھی ان کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے۔ چنانچہ ہم نے رخت سفر باندھا اور مصر کی طرف چل دیئے۔ انتہائی خوشگوار سفر تھا۔ جب چلنے سے تھک جاتے بیٹھ کر درس پڑھ لیتے اور جب پڑھنے سے فارغ ہوتے تو اُٹھ کر چل دیتے۔ بالآخر مصر کے عظیم ترین شہر قاہرہ پہنچ گئے۔

استاد محترم نے نو ماہ مصر میں قیام کیا۔ اس دوران جوں جوں استاد کی آمد کا علم ہوتا گیا توں توں دور و نزدیک سے علماء و فضلا کا مجمع استاد کے گرد بڑھتا چلا گیا۔ اُستاد نے قاہرہ سے مسجد الازہر میں درس کہنا شروع کیا ہوا تھا۔ فضلائے مصر تک اُستاد کی خدمت کو فخر سمجھتے تھے اور استاد محترم سے نسبت تلمذ کو اپنے لئے سعادت جانتے تھے۔ قاہرہ میں قیام کے یہ نو ماہ پلک جھپکتے گزر گئے۔

ایک دن اندلس سے ایک قافلہ آیا جس کے پاس استاد کے نام ان کے والد کا خط تھا کہ میری زندگی کے دن گنے جا چکے ہیں اور مرنے سے قبل ایک مرتبہ تجھے دیکھنا چاہتا ہوں لہٰذا حتیٰ جلد ہو سکے پہنچنے کی کوشش کرو۔

استاد کے خط پڑھنے کے دوران ہی آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔ باپ کی بیماری کا خط تھا کیسے متاثر نہ ہوتے۔ انہوں نے فوراً مصر کو چھوڑ کر راہی اُندلس ہونے کا ارادہ کر لیا۔

اب کے بھی کچھ شاگردوں نے استاد کے ہمراہ جانے کا ارادہ کرلیا۔ میں بھی اُستاد سے بے پناہ محبت کی بدولت انہیں چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا۔ اور استاد بھی اپنی شفقت کی وجہ سے مجھے چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔

ہم نے سفر شروع کر دیا۔ طے منازل کے بعد ہم جزیرہ نمائے اندلس (آج کا ہسپانیہ) پہنچ گئے۔ اندلس کی حدود میں داخل ہوتے ہی مجھے اس شدت کا بخار چڑھا کہ میں چلنا تو در کنار ہلنے سے بھی رہ گیا۔ استاد انتہائی متاثر ہوا۔ چونکہ ان کا سفر اسی قسم کا تھا جسے نہ وہ خود روک سکتے تھے اور نہ ہی میں چاہتا تھا کہ میرا اتنا شفیق استاد میری وجہ سے اپنے والد کے آخری دیدار سے محروم ہو جائے چنانچہ میں نے انتہائی انکساری سے انہیں اپنا سفر جاری رکھنے کی درخواست کی۔ روتی آنکھوں اور بہتے آنسوؤں سے اُستاد نے مجھے الوداع کہی اور چلتے ہوئے صرف اتنا فرما سکے۔ تیری جدائی میرے لئے ایک کوہ گراں سے کم نہیں ہے۔ البتہ چلتے چلتے مجھے اس شہر کے خطیب کے سپرد کر گئے۔ اسے میرے لئے دس درہم دیئے تاکہ اسے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ میں نگاہ استاد میں کیا مقام رکھتا ہوں۔ اسے یہ بھی فرمایا کہ جونہی مجھے شفا ہو فوراً میرے پاس پہنچا دے۔ مجھ سے بھی وعدہ لیا کہ شفا ہونے کے فوراً بعد میرے پاس آنا۔ اس بستی سے کنارے دریا پر استاد کا دولت خانہ پانچ دن کی مسافت پر تھا۔ تین دن تو مجھے بخار اتنا شدید ہو تا رہا کہ میرے لئے ہلنا جُلنا بھی مسئلہ تھا تیسرے دن غروب کے وقت میری طبیعت ہلکی ہو گئی۔ بخار ٹوٹ گیا۔ میں اُٹھا۔ باہر آیا۔ اور بستی کے گلی کوچوں میں پھرنے لگا۔

وہاں مجھے ایک قافلہ نظر آیا جو قریبی پہاڑیوں سے بحر غربی (دریائے مڈیٹرانین) کے کنارے سے واپس آیا تھا اور وہ لوگ اس جگہ سے اون۔ گھی اور دیگر ضروریات زندگی خرید رہے تھے۔

میں نے ان لوگوں سے ان کے شہروں کی کیفیت پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ ہم بربر (ایسے لوگوں کو بربر کہا جاتا تھا جو تہذیب و تمدن سے دور رہتے تھے۔ افریقہ کے شمال میں بحر اوقیانوس کے کنارے زندگی بسر کرتے تھے۔ مراکش، صحرا اور موریطانیہ کے اکثر باشندے بربر قوم سے متعلق تھے) سے آئے ہیں اور ہمارا علاقہ ساحل دریا پر۔ جزائر شیعہ۔ کے قریب ہے۔

جونہی میں نے جزائر شیعہ کا نام سُنا۔ میرے دل میں ان جزائر اوران کی آبادیوں کو دیکھنے کا جذبہ تڑپ اُٹھا۔ ان سے مزید معلومات حاصل کیں تو انہوں نے بتایا کہ یہاں سے پچیس دن کے سفر پر ہمارا علاقہ ہے۔ راستہ میں دو دن کا سفر ایسا بھی ہے جو صرف بے آب و گیاہ صحرا ہے لیکن اس کے بعد راستہ انتہائی اچھا ہے اور آبادیاں ایک دوسرے سے متصل چلی جاتی ہیں۔

میں نے ایک سواری تین درہم کرایہ پر لی تاکہ بے آب و گیاہ علاقہ سوار ہو کر طے کروں گا۔ اس صحرا سے گزرنے کے بعد میں نے وہ سواری مالک کو واپس کر دی اس کے بعد میں اپنے ارادہ و اختیار سے ان کے ہمراہ ایک آبادی سے دوسری تک پیادہ چلتے ہوئے گیا اور اس علاقے میں پہنچ گیا۔

وہاں پہنچنے کے بعد انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں سے تین دن کے سفر پر جزائر شیعہ ہیں۔ میں نے وہاں قیام کئے بغیر اپنا سفر جاری رکھا۔ بالآخر ان جزائر شیعہ تک پہنچ گیا۔ جس شہر میں پہنچا اس میں چار قلعے تھے جن کے برج کافی بلند اور مضبوط تھے۔ جزیرہ کی فصیل ساحل دریا سے شروع ہوتی تھی۔ میں اتفاقاً شہر کے بڑے دروازہ سے داخل ہوا اس کا نام بربری دروازہ تھا۔ میں نے شہر کے گلی کوچوں میں پھرنا شروع کیا۔ ایک آدمی سے شہر کی مسجد کا پوچھا۔ اس نے راہنمائی کی مسجد تک پہنچ گیا۔

شہر کی یہ مسجد بڑی وسیع و عریض تھی۔ انتہائی دیدہ زیب اور پُرشکوہ بنائی گئی تھی۔ جزیرہ کے مغربی ساحل پر جزیرہ سے متصل تھی۔ میں جا کر مسجد کے ایک کونہ میں بغرض آرام بیٹھ گیا۔ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ موذن نے ظہر کی اذان کہی۔ اور اذان میں حی علی خیر العمل کہا۔ اذان سے فارغ ہونے کے بعد اس نے امام زمانہ کے ظہور کی دعا مانگی۔ اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور فرط مسرت سے میری آنکھیں آنسوؤں سے چھلک گئیں۔

لوگ گروہ در گروہ مسجد میں آکر مسجد کے مشرقی حصہ میں ایک درخت کے نیچے سے پانی کا چشمہ گزر رہا تھا وضو کرنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ تعلیم اہلبیت کے مطابق وضو کر رہے ہیں تو میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ ازاں بعد ایک نہایت وجیہ اور خوبصورت نوجوان جو انہی میں سے ایک تھا آگے بڑھا محراب مسجد میں کھڑا ہوا۔ صفیں آراستہ ہوگئیں۔ باجماعت نماز ہوئی۔ نماز اپنے تمام واجبات مستحبات آداب۔ تعقیبات اور تسبیحات کے ساتھ ائمہ اہلبیت سے منقول طریقہ کے ساتھ پڑھی گئی۔

میں اتنے طویل اور مسلسل سفر کی وجہ سے شامل نماز نہ ہو سکا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور چونکہ میں شامل نماز نہ ہوا تھا اس لئے انہوں نے ازراہ تنقید مجھ سے کہا۔ آپ کہاں سے آئے ہیں اور کس مسلک سے تعلق رکھتے ہیں؟

میں نے کہا میں عراق سے آیا ہوں۔ اللہ کی توحید اور رسالت خاتم النبیین کی گواہی دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ ان دو شہادتوں کے بعد تیسری شہادت کیوں نہیں دیتا تاکہ یقیناً اہل جنت سے محشور ہو؟

میں نے کہا۔ اللہ آپ پر رحمت فرمائے وہ تیسری شہادت کیا ہے؟ مجھے

تعلیم دیجئے۔ امام جماعت نے کہا۔ تیسری شہادت یہ ہے کہ۔ امیرالمومنین امام المتقین۔ سید المر المعجلین علی اور اس کے گیارہ فرزند نبی اکرم کے جانشین اور بلا فصل خلفاء ہیں اللہ نے ان کی اطاعت واجب قرار دی ہے۔ اپنے اوامر و نواہی انہی کے ذریعہ اپنی مخلوق تک پہنچائے ہیں اور انہی کے وجود ذیجود کی برکت سے اپنی مخلوق کو امان دی ہے۔ سرور انبیاء نے شب معراج مقام قاب قوسین پر کسی واسطہ کے بعد ذات احدیت سے سنا ہے کہ یہ بارہ یکے بعد دیگرے امام ہوں گے ایک ایک کا نام اللہ نے لے کر فرمایا کہ میں نے ان کی اطاعت تمام مخلوق پر واجب کر دی ہے

جب میں نے ان کی یہ باتیں سنیں تو خوشی سے جھوم جھوم گیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ تمام سفر کی تکالیف بھول گئیں۔ پھر انہیں اپنے متعلق سب کچھ بتایا۔ جب انہیں معلوم ہوا تو وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ ایک گوشۂ مسجد میں میرے لئے جگہ بنا دی گئی۔ تمام لوگ انتہائی عقیدت سے مجھ سے پیش آتے تھے۔ امام مسجد ہمہ وقت میرے ساتھ رہتا تھا اور میں اس کی صحبت میں بہت خوش رہتا تھا۔

ایک دن میں نے امام مسجد سے پوچھا کہ مجھے یہاں زراعت وغیرہ کے آثار نظر نہیں آتے آپ لوگوں کے معاش کا انتظام کیسے ہوتا ہے ؟

اس نے جواب دیا۔ آب سعید کے درمیان واقع جزیرہ خضراء ہے۔ جہاں امام زمانہ کی اولاد رہتی ہے۔ ہمارا انتظام وہیں سے ہوتا ہے۔

میں نے پوچھا ایک سال میں کتنی مرتبہ آپ غذا پہنچائی جاتی ہے ؟

اس نے کہا سال میں دو مرتبہ آتی ہے۔ ایک مرتبہ آ چکی دوسری مرتبہ آئیگی۔

میں نے پوچھا کب آئے گی ؟

اس نے کہا چار ماہ بعد۔

اس مدت کے طویل ہونے سے میں پریشان ہو گیا۔ میری خواہش تھی کہ میں

اسے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ روزانہ دعا مانگا کرتا تھا کہ میرے اسباب کی مرتبہ جلدی آجائے۔ چالیسویں دن کی عصر تھی۔ میری طبیعت پریشان سی ہوگئی۔ دل اداس اداس معلوم ہونے لگا میں تبدیلی فکر کی خاطر دریا کے کنارے چلا گیا اور سیر کرنے لگا۔ میں مغرب کی سمت اسی طرف میں دیکھ رہا تھا جس کے متعلق انہوں نے بتایا کہ ہماری خوراک اس طرف سے آتی ہے۔ بہت دور سطح آب پر کوئی چیز حرکت کرتی نظر آئی۔ میں نے پوچھا کیا دریا کے اس حصہ میں سفید پرندے بھی ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ کیا تجھے کچھ نظر آرہا ہے؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ وہ کہنے لگے تو پھر ہماری خوراک ہی آرہی ہے۔ امام زمانہ کی اولاد کے شہروں سے آنے والی کشتیوں کے علاوہ یہاں کچھ بھی نہیں آسکتا وہی ہوں گی جو ہماری طرف آرہی ہیں۔ تھوڑا سا وقت ہی گزرا تھا کہ کشتیاں پہنچ گئیں۔ البتہ شہر والے کہہ رہے تھے کہ اب کے یہ کھانے کا سامان اپنے مقررہ وقت سے بہت پہلے آگیا ہے۔

پہلے ایک بڑی کشتی لنگر انداز ہوئی۔ پھر یکے بعد دیگرے چھ کشتیوں نے لنگر گاڑے یہ کل سات کشتیاں تھیں۔ بڑی کشتی سے ایک بزرگ منش۔ حسین صورت۔ حسین لباس اور حسین اخلاق آدمی باہر آیا۔ مسجد میں آکر وضو کیا۔ نماز ظہر و عصر پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوکر میری طرف متوجہ ہوئے سلام کہا۔ میں نے جواب دیا۔

پوچھنے لگے۔ میرا خیال ہے آپ ہی کا نام علی ہے؟

میں نے ہاں کہا۔ اس کے بعد وہ مجھ سے اس طرح گھل مل کر باتیں کرنے لگے جیسے ایک عرصہ پہلے سے جانتے ہوں۔ دوران گفتگو ایک مرتبہ پھر کہا۔ میرا خیال ہے آپ کے والد کا نام فاضل ہے؟

میں نے ہاں کہا اور خوش ہوگیا کہ شاید یہ شخص میرے دمشق سے اندلس تک کے سفر میں شریک سفر رہا ہے مجھے جانتا ہے۔ ممکن ہے اس کی وساطت سے میری

مشکل حل ہو جائے اور مجھے جزیرۂ خضرا دیکھنے کا موقعہ مل جائے کیونکہ یہ تو میرے نام و نسب سے واقف ہے۔ مجھے کسی کو بھی مطمئن کرنے کے لئے اس کی شہادت کافی ہوگی۔

میں نے ان سے سوال کیا۔ آپ مجھے کہاں سے پہچانتے ہیں ؟

کہیں آپ دمشق سے مصر تک تو ہمارے شریک سفر نہیں رہے ؟ فرمایا نہیں۔ میں نے کہا۔ کہیں مصر سے اندلس کے سفر میں تو آپ ہمارے ساتھ نہ تھے ؟ فرمایا نہیں ۔ بلکہ مجھے جان امام زمانہ کی قسم ! میں کبھی بھی آپ کے ساتھ نہیں رہا۔

اب میں حیران بھی ہوا اور پریشان بھی ۔ سوچنے لگا کہ جب امام زمانہ کی قسم کھا رہا ہے تو یقیناً سچا تو ہوگا۔ لیکن مجھے پہچانتا کیسے ہے ۔

آخر میں نے پوچھ لیا۔ پھر آپ مجھے کیسے جانتے ہیں ؟

وہ فرمانے لگے ۔ میں تو کچھ بھی نہیں ۔ نہ پہلے کبھی آپ کو دیکھا۔ نہ جانتا تھا۔ جب اس مرتبہ ادھر آنے لگا تو آپ کا نام۔ آپ کے والد مرحوم کا نام اور آپ کا حلیہ مجھے بتایا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ میں واپسی پر آپ کو اپنے ساتھ لیتا آؤں ۔

میں تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگا۔ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ شہر والوں کے بقول یہ لوگ اس جگہ تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرتے تھے۔ لیکن اس مرتبہ وہ ایک ہفتہ ٹھہرے۔ سات دنوں کا یہ انتظار میرے لئے سات برس سے کم نہ تھا۔ جب تمام افراد کو ان کا طعام پہنچ گیا۔ ان سے دستخط لے لئے گئے ۔ وہ تیار ہوئے۔ مجھے ساتھ لیا ۔

مسلسل سولہ دن اس بزرگ منش جن کا نام محمد تھا کے ساتھ کشتی میں رہا۔ سولہ دن بعد ہم سمندر کے ایک ایسے علاقہ میں پہنچے کہ اس کے پانی کا رنگ سفید تھا میں حیران ہوا اور اس پانی کو بار بار دیکھنے لگا اور میری آنکھیں خیرہ کرنے لگیں ۔

اس بزرگ منش نے مجھ سے پوچھا۔ کیا ہوا ہے؟ اس قدر ششدر ہو گیا ہے؟
میں نے کہا۔ مجھے اس پانی کا رنگ کچھ اور نظر آ رہا ہے۔ اس میں دیگر پانیوں کی کوئی شباہت نہیں ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ اس جگہ کا پانی سفید ہے۔ یہ دریائے سفید ہے اور وہ جزیرہ خضرا ہے۔ اس سفید پانی نے چاروں طرف سے جزیرہ کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ جس طرف سے آنا چاہو گے اس آب سفید سے گزرنا ہو گا۔ خالق کائنات کی حکمت اور حضرت حجت کی برکت سے ہمارے دشمنوں کی کشتیاں کتنی مضبوط کیوں نہ ہوں اس آب سفید میں غرق ہو جاتی ہیں۔

میں نے اس آب سفید سے پیا تو بالکل ذائقہ اور شیرینی میں آب فرات کی مانند تھا۔ آب سفید عبور کر کے ہم جزیرۂ خضرا پر پہنچے تمام جزیرہ آباد اور باشندے خوش و خرم نظر آ رہے تھے۔ کشتی لنگر انداز ہوئی۔ ہم کشتی سے اُتر کر شہر میں آئے۔ یہ شہر سات قلعوں کے درمیان محفوظ تھا۔ قلعوں کی دیواریں انتہائی مستحکم۔ سر بفلک برج۔ جگہ جگہ آبشاریں۔ رواں چشمے۔ نوع بہ نوع اور رنگا رنگ کے تر و تازہ میوے تھے۔

اس شہر کے بازار کشادہ تھے۔ حمام بکثرت تھے۔ شہر کی اکثر عمارات سنگ سفید سے تعمیر شدہ تھیں۔ لوگ خاصے دراز قد۔ دیدہ زیب لباس۔ پرکشش چہرے اور پر وقار شخصیت کے مالک تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ میں اس شہر اور اس کے باسیوں کو دیکھ کر جتنا خوش ہوا اپنی اس خوشی کے اظہار کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ ہر عمارت دوسری سے حسین تر اور ہر انسان دوسرے سے خلیق تر نظر آتا تھا۔

کچھ وقت شیخ محمد کے گھر بغرض آرام گذارا پھر مسجد میں گیا۔ مسجد میں خاصا رش تھا۔ اس مجمع کے وسط میں ایک انسان تشریف فرما تھا جس کی تعریف کم از کم

میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ پُر وقار۔ متانت و سنجیدگی کا پیکر اور رعب و دبدبہ اس کے چہرۂ انور سے برس رہا تھا۔ میں نے ایک آدمی سے اس کا نام پوچھا تو مجھے ـــ سید شمس الدین محمد عالم۔ بتایا گیا۔

جو لوگ سید موصوف کے گرد بصورت دائرہ بیٹھے تھے وہ قرآن۔ اصول دین۔ فقہ اور دیگر مختلف علوم و فنون کا موصوف سے استفادہ کر رہے تھے۔

جس فقہ کا درس سید موصوف فرما رہے تھے ایک ایک مسئلہ کی صورت میں تھی اور ہر مسئلہ امام زمانہؑ سے نقل فرما رہے تھے۔

جب میں سید موصوف کی شرف زیارت سے مشرف ہوا تو انہوں نے انتہائی تپاک سے مجھے اپنے قریب بلا کر اپنے پاس بیٹھنے کی جگہ عنایت فرمائی۔ صعوبات سفر کے متعلق احوال پُرسی کی اور مجھے بتایا کہ شیخ محمد آپ کو میرے ہی حکم سے جزیرۂ خضرا میں لایا ہے اور اس نے آپ کے متعلق مجھے تمام واقعات بتا دیئے ہیں۔ دعا ہے خداوند عالم انہیں تادیر زندہ رکھے۔

سید موصوف نے مسجد کے گرداگرد کمروں میں سے ایک کمرہ میرے لئے مخصوص کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ میں سکون و اطمینان سے رہ سکوں۔ پھر مجھے مخاطب کر کے فرمایا وہ کمرہ آپ کا ہے جب چاہیں خلوت میں آرام کر سکتے ہیں۔

میں وہاں سے اجازت لے کر اپنے کمرہ میں آیا۔ آرام سے سو گیا۔ عصر تک سوتا رہا۔ جب بیدار ہوا تو سید موصوف کی طرف سے جس شخص کی میرے ضروریات پورا کرنے کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی اس نے مجھے موصوف کی طرف سے پیغام دیا کہ اپنے کمرے میں رہوں۔ میں اپنے چند رفقاء کے ساتھ آپ کے کمرہ میں آ رہا ہوں۔ وہیں ایک ساتھ مل کر کھانا کھایا جائے گا۔

میں اسے اپنی خوش نصیبی کی آخری سیڑھی سمجھ کر خوش آمدید کے لئے تیار ہو گیا۔

زیادہ وقت نہ گزرا کہ سید موصوف اپنے رفقاء کے ساتھ تشریف لائے۔ دسترخوان بچھا دیا گیا۔ کھانا چنا گیا۔ سید موصوف کے ساتھ کھانے سے فارغ ہو کر مغربین کی نماز کے لئے مسجد میں آگئے۔ مغربین سے فراغت کے بعد جناب موصوف اپنے دولتکدہ پر تشریف لے گئے اور میں اپنے کمرہ میں آ گیا۔ اٹھارہ روز اسی طرح گزرے۔ روزانہ جناب موصوف کی صحبت کے شرف سعادت سے مشرف ہوتا رہا۔ جزیرۂ خضرا میں میرا پہلا جمعہ جب آیا۔ اور جناب موصوف نماز جمعہ کو تشریف لائے تو انہوں نے عرف دو رکعت نماز جمعہ بصورت واجب تعیینی پڑھائے میں نے ان کی اقتداء میں بقصد واجب تعیینی ہی جمعہ ادا کیا۔

نماز جمعہ سے فراغت کے بعد میں نے عرض کیا۔ آپ نے نماز جمعہ واجب تعیینی کی نیت سے پڑھائی ہے؟ فرمایا۔ ہاں! چونکہ وجوب کے تمام شرائط موجود ہیں۔

میں نے دل میں کہا ممکن ہے حضرت حجت بذات خود تشریف لائے ہوں۔ پھر میں نے یہی سوال عرض کیا۔

کیا امام زمانہ بنفس نفیس نماز جمعہ کے لئے تشریف لائے ہیں؟

فرمایا نہیں۔ میں جزیرۂ خضراء میں ان کا نائب خصوصی ہوں اور ناحیہ مقدسہ سے جو حکم صادر ہوتا ہے اسی کے مطابق عمل کرتا ہوں۔ جمعہ کا حکم بھی ناحیہ مقدسہ ہی سے موصول ہوا ہے۔

میں نے عرض کیا۔ کیا آپ نے حضرت حجت کی زیارت کی ہے؟

فرمایا نہیں۔ البتہ میرے والد گرامی نے مجھے بتایا تھا کہ میں نے اُن کی آواز سنی ہے اور میرے جد امجد نے میرے والد کو بتایا تھا کہ میں نے آنحضرت کو دیکھا بھی ہے اور ان کی آواز بھی سنی ہے۔

میں نے عرض کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ ایک فرد کو شرف زیارت کا فخر حاصل

اور دوسرے کو یہ فخر حاصل نہیں ہوتا۔

موصوف نے فرمایا۔ برادر عزیز۔ اس میں کسی کی خواہش کا دخل نہیں ہے۔ حکمت اللہ ہے ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ ذات احدیت نے اپنی مخلوق میں سے بعض کو عہدہ نبوت اور بعض کو منصب امامت سونپ کر انہیں اپنی مخلوق کے لئے حجت قرار دے دیا ہے تاکہ جو بھی گمراہ ہو تو اللہ کی طرف سے اتمام حجت ہو چکا ہو اور جو شخص راہ ہدایت کو قبول کرے وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ برہان و حجت کی بنیاد پر بابصیرت ہو۔ ذات احدیت نے ایک لمحہ کے لئے بھی روئے ارض کو اپنی حجت سے خالی نہیں رکھا۔ ہر حجت خدا کے سفیر ہوتے ہیں جو حجت خدا سے احکام الٰہیہ وصول کر کے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

اسی گفتگو کے دوران موصوف نے میرا ہاتھ پکڑا اور شہر سے باہر باغات کی سیر کو لے گئے۔ ان باغات میں چھوٹی چھوٹی نہریں بہہ رہی تھیں۔ ہر طرف باغات ہی باغات تھے۔ قسم قسم کے میوے تھے۔ جن میں انگور۔ انار وغیرہ سب قسم کے میوے تھے۔ لیکن ان میووں جیسے میوے میں نے ایران۔ عراق یا شام میں کہیں نہ دیکھے تھے۔ تھے تو یہ بھی انگور و انار لیکن ان کی جسامت ان کی شیرینی ان کا ذائقہ اور لذت و خوشبو مثالی تھی۔

انہی باغات میں تفریح کے دوران ہمارے قریب سے ایک انتہائی خوش وضع شخص جس نے اون کے کپڑے پہن رکھے تھے، گزرا۔ میں نے سید موصوف سے اس کے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہے اس کی ہیبت سے تو میں مبہوت سا ہو گیا تھا۔

موصوف نے فرمایا۔ یہ بلند پہاڑ دیکھ رہے ہو ؟

میں نے عرض کیا۔ جی دیکھ رہا ہوں۔

فرمایا اس پہاڑ میں ایک انتہائی پرشکوہ محل ہے۔ اس کے صحن میں ایک

درخت کے نیچے سے ایک چشمہ گزر رہا ہے۔ یہاں اینٹوں سے چُنا ہوا ایک قبہ ہے۔ یہ شخص اور ایک دوسرا آدمی اس قبہ کے مخصوص ملازم ہیں۔ میں ہر جمعہ کی صبح کو اس جگہ جاتا ہوں۔ اس قبہ کی زیارت کرتا ہوں۔ دو رکعت نماز پڑھتا ہوں۔ اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک پیش آنے والے تمام مسائل اور حادثات کی اطلاع اور معلومات مجھے ایک کاغذ پر لکھے ہوئے مل جاتے ہیں۔ میں انہی ہدایات کے مطابق عمل کرتا ہوں۔
اگر تو بھی چاہے تو اس قبہ تک جا سکتا ہے اور قبہ کی زیارت کر سکتا ہے۔

چنانچہ میں سید موصوف کی اس اجازت کے مطابق پہاڑ کی بلندی پر گیا۔ جیسا کہ سید نے بتایا تھا مجھے قبہ اور محل ویسے نظر آیا۔ وہاں دو اور آدمی ملازم تھے ایک تو وہی تھا جسے میں نے سید موصوف کے ہمراہ باغ میں دیکھا تھا۔ اور دوسرا نا آشنا تھا۔ جسے میں نے باغ میں دیکھا تھا اس نے مجھے خوش آمدید کہا۔ لیکن دوسرے کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور انتہائی غضب ناک آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ لیکن دوسرے نے جب اسے بتایا کہ میں اسے پہچانتا ہوں میں نے اسے سید شمس الدین محمد کے ساتھ باغ میں دیکھا ہے تو پھر اس نے مجھے خوش آمدید کہا۔ مجھے اپنے قریب بٹھایا۔ روٹی اور انگور لائے خاطر و مدارات کی۔ میں نے اس چشمہ سے پانی پیا۔ وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔

میں نے ان ملازموں سے سوال کیا کہ کوئی ایسی صورت جس سے امام زمانہ کی زیارت ہو سکے۔ انہوں نے جواب دیا ہمیں سختی سے ایسی بات تک کرنے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا اس سلسلہ میں ہم معذور ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیں۔ انہوں نے میرے حق میں دعا کی۔ میں ان سے اجازت لے کر واپس آیا۔
واپس آکر میں سید شمس الدین کے مکان پر گیا۔ لیکن وہ وہاں موجود نہ تھے۔ وہاں سے میں شیخ محمد کے گھر آیا۔ تاکہ پہاڑ اور اس کے مشاہدات کے سلسلہ میں ان

سے گفتگو کروں۔ چنانچہ میں نے اسے تمام واقعات سُنائے اور یہ بھی بتایا کہ ایک ملازم مجھے دیکھ کر بہت برہم ہوا۔

شیخ محمد نے مجھے بتایا کہ وہ ایسی جگہ ہے جہاں سید موصوف یا ان جیسے افراد کے سوا کوئی بھی نہیں جا سکتا۔ اور نہ ہی وہاں کسی کو جانے کی اجازت ہے۔ یہی وجہ ہے جو آپ کو نہیں جانتا تھا اس نے آپ کو گوارا نہ کیا۔

پھر میں نے شیخ محمد سے سید موصوف کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ سید موصوف امام زمانہ کی اولاد میں سے ہے اور حضرت حجت اور سید موصوف کے درمیان چار پشتوں کا فاصلہ ہے۔

✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣ ✣

شیخ زین الدین علی ابن فاضل نے بتایا کہ میں نے سید موصوف کی خدمت میں عرض کیا کہ۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو چند ضروری مسائل آپ سے پوچھ کر شیعیان حضرت حجت تک پہنچا دوں اور قرآن کریم کی آپ کے سامنے تلاوت کروں اور ناقابلِ فہم آیات کے مطالب آپ سے دریافت کروں ؟

موصوف نے فرمایا اگر واقعی کوئی ایسی ضرورت ہے تو پھر ابتدا قرآن سے ہونا چاہئیے۔

چنانچہ میں نے سید موصوف کے سامنے تلاوت قرآن شروع کی اور جن جن آیات میں اختلاف قرآن تھا وہ بھی سُنانے لگا۔ کہ قرأت حمزہ اس طرح ہے۔ کسائی کی قرأت اس طرح ہے۔ عاصم نے یوں پڑھا ہے۔ ابن کثیر کی قرأت یوں ہے۔

سید موصوف نے میرے اختلاف قرأت کو سن کر فرمایا۔ ہم ان اختلافات کو نہیں جانتے اور نہ ہی ان سے ہمیں کوئی سروکار ہے۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ تمام قرآن ہجرت سے قبل اور ہجرت کے بعد تدریجاً آنحضرت پر نازل ہوا ہے۔ حجۃ الوداع کے بعد جبریل نے نازل ہو کر عرض کیا۔ اے محمدؐ!

آپ قرآن کی تلاوت فرمائیں اور میں حکم خدا سے ہر صورت کا آغاز و انجام آپ کو بتاتا جاؤں اور ساتھ شانِ نزول بھی ایک مرتبہ دہراتا جاؤں ۔

اس وقت آنحضور کی اجازت سے امیرالمومنین علی ۔ امام حسن ۔ امام حسین ۔ ابی ابن کعب ۔ عبداللہ ابن مسعود ۔ حذیفہ ابن یمان ۔ جابر ابن عبداللہ انصاری ۔ ابو سعید خدری ۔ حسان ابن ثابت اور دوسرے چند صحابہ بھی جمع ہو گئے ۔ آنحضور نے آغاز سے آخر تک تلاوت قرآن کی ۔ جبریل بحکم خدا تمام زیارت میں اختلافِ قرأت کی نشان دہی کرتا گیا ۔ حضرت امیرالمومنین ایک چمڑے کے ٹکڑے پر تحریر فرماتے گئے ۔ تمام قرآن قراءت امیرالمومنین ہے ۔

جو قرآن حضرت علیؑ نے اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا تھا وہ حضرت حجت کے پاس محفوظ ہے ۔ جو قرآن اس وقت آپ کے پاس ہے یقیناً کلام خالق ہے اور اس کی صحت میں کسی قسم کا شک نہیں ہے ۔ یہ ارشاد حضرت حجت ہے ۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

شیخ نے بتایا کہ میں نے سید موصوف سے تقریباً نوے مسئلے دریافت کئے اور انہیں ایک علیحدہ رسالہ میں جمع کر کے اس کا نام فوائد شمسیہ رکھا ہے ۔ آپ (فضل ابن یحییٰ) بھی انہیں دیکھیں گے ۔ ویسے میرا ارادہ یہی ہے کہ صرف اور صرف مخلص شیعیانِ حضرت حجت کو دکھاؤں گا ۔

شیخ نے بتایا کہ دوسرا جمعہ مہینہ کا درمیانی جمعہ تھا ۔ جب ہم نماز جمعہ سے فارغ ہوئے تو سید موصوف مسائل بیان کرنے کی خاطر وہیں تشریف فرما ہوئے ۔ میں ان کی باتیں انتہائی انہماک سے سن رہا تھا کہ اچانک ایک طرف سے تکبیر اور تہلیل کی آواز بلند ہوئی ۔

میں نے سید موصوف سے اس تکبیر و تہلیل کے متعلق پوچھا کہ یہ کیسی ہے ؟

انہوں نے فرمایا۔ ہر ماہ کے درمیانی جمعہ پر ہماری فوج فوجی مظاہرہ کرتی ہے اور ظہور کا انتظار کرتی ہے۔ میں سید موصوف سے اجازت لے کر اس فوج کو دیکھنے کی خاطر مسجد سے باہر آیا۔ یہ بہت بڑی تعداد تھی جو تسبیح۔ تکبیر۔ تہلیل اور تحمید خالق کے ساتھ ساتھ حضرت حجت کے ظہور کی انتہائی عجز و انکساری سے دعا مانگ رہی تھی۔

جب میں واپس مسجد میں آیا تو سید موصوف نے فرمایا:

کیا ہمارا لشکر دیکھا ہے ؟

میں نے عرض کیا۔ جی ہاں دیکھا ہے۔

موصوف نے پوچھا کیا سالاران لشکر گنے تھے ؟

میں نے عرض کیا۔ جی میں نے ان کی تعداد تو نہیں گنی۔

موصوف نے فرمایا تاحال سالاران لشکر کی تعداد تین سو ہے جب تیرہ اور سالار مل جائیں گے اور تعداد تین سو تیرہ ہو جائے گی تو حضرت حجت کے ساتھیوں کی تعداد مکمل ہو جائے گی۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! کیا مجھے بتا سکتے ہیں کہ ظہور کب ہو گا ؟

انہوں نے فرمایا کہ اس کا تعلق صرف اور صرف خالق کونین کی نسبت سے ہے۔ اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر یہی سوال بذات خود حضرت حجت سے کیا جاتا تو وہ بھی اس کا یہی جواب فرماتے۔ البتہ ظہور حجت کی کچھ علامات ہیں۔

- ایک علامت تو یہ ہے کہ حضرت حجت کے پاس ذوالفقار از خود میان سے نکل کر عرض کرے گی۔ اے ولی خدا اب وقت آ گیا ہے کہ اٹھیں اور میرے ذریعہ دشمنانِ خدا و دین کو اپنے کیفر کردار تک پہنچائیں۔
- ایک علامت تین آوازیں ہیں جنہیں ہر ایک سنے گا۔

۱۔ اے مومنو! وقت ظہور ہو چکا ہے۔

ب - ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے محمد وآل محمد پر مظالم توڑے ہیں ۔

ج - سورج میں ایک شکل ظاہر ہوگی جس سے آواز آئے گی - ولی خدا حجت ابن حسن عسکری کا ظہور ہو چکا ہے اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو ۔

میں نے عرض کیا حضور! ہم نے اپنے اساتذہ سے سُنا ہے کہ غیبت کبریٰ کے زمانہ میں جو شخص بھی یہ دعویٰ کرے کہ میں نے حضرت حجت کو دیکھا ہے وہ جھوٹا ہے۔ اس روایت کے مطابق یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے چند افراد حضرت حجت کو دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں ؟

انہوں نے فرمایا کہ یہ روایت بالکل صحیح ہے لیکن اس کا تعلق اس زمانہ سے ہے جب بنی عباس کے فرعون منش حکمران تھے ۔ شیعیان آل محمد اس حد تک مجبور تھے کہ وہ حضرت حجت کا نام تک نہ لے سکتے تھے ۔

لیکن اب وہ وقت گزر چکا ہے ۔

- غیبت کا زمانہ اتنا طویل ہو چکا ہے کہ ہمارے دشمن نا امید ہو گئے ہیں
- ہمارا علاقہ ان کی دسترس سے دور ہے ۔
- ہمارے دشمن حکمت الٰہیہ اور برکت امام زمانہ سے ہم تک نہیں پہنچ سکتے ۔
- اب ہمیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔

میں نے عرض کیا بعض علمائے شیعہ نے روایت کی ہے کہ حضرت حجت نے اولاد علی کی طرف سے تمام شیعوں کے لئے خمس مباح قرار دے دیا ہے ۔

سید موصوف نے فرمایا ۔ ہاں حکم حضرت حجت ہے کہ جس طرح تم سے سلوک کیا جائے تم بھی ویسا ہی سلوک اگر کر سکتے ہو تو کرو۔

(یہ دو مسائل فوائد شمسیہ کے علاوہ ہیں)

سید موصوف نے فرمایا کہ حجت خدا کا ظہور مکہ میں رکن و مقام کے مابین طاق سال

سال میں ہوگا۔ مومنین کو اس دن کا انتظار کرنا چاہیئے۔

میں نے عرض کیا حضور! میری بہت زیادہ خواہش ہے کہ اب جبکہ یہاں پہنچ گیا ہوں تو تاظہور آپ کے قدموں میں رہوں۔

موصوف نے فرمایا۔ بھائی جان! مجھے حکم مل چکا ہے کہ آپ کو اپنے وطن واپس بھیجوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اس حکم سے نہ میں سرتابی کر سکتا ہوں اور نہ آپ کو ایسا کرنے کا حق ہے کیونکہ آپ صاحب عیال ہیں۔ عرصے سے اہل وعیال سے دُور ہیں۔ اب اس سے زیادہ ان سے دوری جائز نہیں۔

میں بہت غمگین اور دل گرفتہ ہوا۔ میرے آنسو بیساختہ بہنے لگے۔ میں نے عرض کیا۔ کیا دوسری مرتبہ پھر میری زندگی میں اس وادیٔ مقدس کی زیارت سے شرفیاب ہونا مقدر ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ جو کچھ میں نے دیکھا اور سُنا ہے کیا واپس جا کر دوسروں کو بتانے کی اجازت ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ ہاں۔ مومنین کے اطمینان خاطر کے لئے انہیں بتا سکتے ہو۔ البتہ فلاں فلاں کو نہ بتانا۔ (اس جگہ کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن کے بتانے سے منع فرمادیا ہے)۔

میں نے عرض کیا۔ کیا ایسی کوئی صورت نہیں ہے کہ میں حضرت حجت کے جمالِ جہاں آرا کی زیارت کر سکوں؟

فرمایا۔ بالکل نہیں۔ ویسے یہ یاد رکھنا کہ مخلص مومن حضرت حجت کی زیارت سے زندگی میں مشرف ضرور ہوتا ہے۔ لیکن پہچانتا نہیں۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! ہوں تو میں بھی سرکار کے مخلصین سے لیکن آج تک مجھے تو آپ کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔

فرمایا۔ ایسی بات نہیں ہے آپ بھی دو مرتبہ اپنے امام زمانہؑ کی زیارت کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ ایک مرتبہ جب آپ سامرا جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھی

آپ سے آگے نکل گئے تھے - آپ تنہا رہ گئے تھے اور ایک ایسی ندی پہ پہنچے تھے جس میں پانی نہیں تھا - وہاں آپ نے ایک شہسوار کو دیکھا تھا جو سفید گھوڑے پہ سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا جس کا سرا شامی ساخت کا تھا - آپ اسے دیکھ کر گھبرا گئے تھے - انہوں نے آپ سے فرمایا تھا - ڈر نہیں - ذرا جلدی قدم اٹھا - تیرے ساتھی فلاں درخت کے نیچے بیٹھے تیرا انتظار کر رہے ہیں -

وہ واقعہ مجھے یاد آگیا اور میں نے اعتراف کیا کہ واقعی ایسا ہوا تھا -

انہوں نے فرمایا دوسری مرتبہ آپ جب اپنے اندلسی استاد کے ساتھ دمشق سے مصر کا سفر کر رہے تھے - راستہ میں ایک مرتبہ آپ قافلہ سے پیچھے رہ گئے خوف و ہراس کے مارے آپ کا برا حال ہو گیا تھا - وہاں بھی آپ نے ایک سوار دیکھا تھا جو سفید جبین گھوڑے پر سوار تھا - اور ہاتھ میں نیزہ تھا - انہوں نے تجھ سے فرمایا تھا - ڈر نہیں - تیرے دائیں پر ایک آبادی ہے وہاں چلا جا - رات گزار لے - بے شک ان لوگوں سے تقیہ نہ کرنا اور انہیں اپنا مذہب بتا دینا - وہ لوگ اور جنوب دمشق میں چند اور آبادیاں علی اور آل علی کے مسلک پر ہیں -

کیا ایسا ہوا تھا ؟ میں نے عرض کیا بالکل ایسا ہوا تھا - میں وہاں گیا، رات گزاری ان سے مذہب کے بارے میں پوچھا - انہوں نے بلا تقیہ بتایا کہ ہم علی اور اولاد علی کو نبی اکرم کے اوصیاء اور برحق خلفاء سمجھتے ہیں - انہی کے احکام پر عمل کرتے ہیں - جب میں نے انہیں بتایا کہ میں بھی آپ کا ہم مسلک ہوں تو وہ بہت خوش ہوئے اور میری بڑی خاطر و مدارات کی -

میں نے ان سے پوچھا کہ شام کے اطراف و نواح میں آپ کو مذہب کی یہ نعمت کیسے مل گئی ہے تو انہوں نے بتایا کہ جب آنحضور کے مخلص صحابی جناب ابوذر کو مدینہ بدر کر کے شام بھیجا گیا تھا تو حاکم شام نے جناب ابوذر کو ہمارے علاقہ میں

بھیج دیا تھا۔ بس انہی کی نوازش سے اللہ نے ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائی۔

میں نے عرض کیا۔ حضور! کیا حضرت حجت جہاں بھی ہوں بیت اللہ کی زیارت کو آجاتے ہیں؟ موصوف نے فرمایا کہ۔ فرزند فاضل۔ ذات احدیت نے اس دنیا کو عام مومن کے لئے بھی از مشرق تا مغرب ایک قدم کا فاصلہ بنایا ہوا ہے تو وہ ہستی جن کے طفیل سے نظام عالم قائم ہے کیسے فاصلوں کی پابند رہ سکتی ہے —
حضرت حجت ہر سال ایام حج میں بیت اللہ ہی میں ہوتے ہیں۔ ایام حج کے بعد مدینہ نجف۔ کربلا۔ کاظمین۔ سامرا اور خراسان میں اپنے آبائے محترمین کی زیارت کو جاتے ہیں وہاں سے واپس پلٹ کر اسی جگہ تشریف لے آتے ہیں۔

اس کے بعد سید موصوف نے مجھے حکم دیا کہ میں واپسی میں کوئی تامل نہ کروں اور بلاد مغرب کا رخ کئے بغیر سیدھا وطن واپس جاؤں۔

سید موصوف نے یہ بھی بتایا کہ جزیرہ خضرا کی کرنسی پر لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ ابن الحسن القائم بامر اللہ لکھا جاتا ہے۔ آپ نے اس کرنسی سے بطور تبرک پانچ درہم مجھے عنایت فرمائے اور انہیں محفوظ رکھنے کی وصیت فرمائی۔

پھر آپ نے فرمایا کہ جس کشتی پر آپ آئے تھے وہی کشتی آپ کو واپس لے جانے کے لئے آپ کی منتظر ہے۔ چنانچہ مجھے واپس سرزمین بربر پہنچا دیا گیا۔

سید موصوف نے مجھے گندم اور جو بھی دیئے تھے تاکہ انہیں فروخت کر کے اپنے اخراجات مہیا کر سکوں۔ میں نے وہ گندم اور جو بربریوں پر ایک سو چالیس دینار طلاء کے عوض بیچے اور حج کا ارادہ کر لیا۔

سید موصوف کی تعمیل حکم کے پیش نظر میں اندلس نہ گیا۔ بربر سے طرابلس آیا۔ طرابلس سے مغربی حاجیوں کے ساتھ مکہ آیا۔ حج کیا۔ حج سے فراغت کے بعد عراق

واپس آگیا۔ اب ارادہ یہی ہے کہ نجف اشرف جاؤں گا اور اپنی زندگی کے آخری لمحات وہیں جوار امیرالمومنینؑ میں رہوں گا۔

شیخ نے یہ بھی بتایا کہ جزیرۂ خضرا میں علمائے شیعہ میں سے صرف پانچ علماء کا نام لیا جاتا ہے۔

۱۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ۔

۲۔ شیخ طوسی۔

۳۔ محمد ابن یعقوب کلینی۔

۴۔ ابن بابویہ۔

۵۔ ابوالقاسم جعفر ابن اسمٰعیل حلی۔

یہ وہ آخری بات تھی جو میں نے شیخ صالح اور متقی و پرہیزگار علی ابن فاضل سے سُنی ہے۔ دعا ہے خداوند قدوس ان کے فیوضات عالیہ کو تا دیر قائم رکھے اور موصوف جیسے اور بھی پیدا فرمائے۔ الحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سید البریہ محمد و آلہ الطاہرین المعصومین وسلم تسلیماً کثیراً۔

جزیرۂ خضرا

اور

علی اصغر بونیسان کے گلہائے عقیدت

۱- ہر کسے آزاد از قید تعلقہا بود ❖ در شمار سالکین وادی معنی بود
جو شخص بھی آلائشات دنیا کی زنجیر سے نکل گیا وہی وادیٔ معنی کے سالکین سے شمار ہوا۔

۲- طور سینا جلوہ گاہ نور یزداں بر کلیم ❖ سینۂ صافی دلاں چوں سینۂ سینا بود
کلیم اللہ کے لئے صرف کوہ سینا ہی اللہ کی جلوہ گاہ تھی۔ لیکن ہر پاک دل کا سینہ وادیٔ سینا ہے۔

۳- مردہ است آں دل کہ از مہر خدا بے بہرہ است ❖ دل اگر جائے خدا شد زندہ و احیا بود
جو دل رحمت الٰہیہ سے نا آشنا ہے مردہ ہے۔ اور جو دل محل الٰہی ہے وہ زندۂ جاوید ہے

۴- دل نباشد لائق از خالی نشد از غیر دوست ❖ قلب عاشق محرم اسرار ما اوحیٰ بود
جو دل صرف دوست کے لئے نہ دھڑکے وہ ہرگز دل کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔
عاشق کا دل ہی اسرار ما اوحیٰ کا محرم راز ہوتا ہے۔

۵- فاش گویم سر ما اوحیٰ تولائے علی ست ❖ بے تولائے علی توحید بے معنی بود
وضاحت سے بتا دوں کی ما اوحیٰ کا راز علیؑ ہے۔ اور تولائے علی کے بغیر توحید بے معنی ہے۔

۶۔ دانی اے دل چیست معیار ولائے مرتضیٰ ؛ در زمان ما کہ عصر غیبت کبریٰ بود
اے دل! ہمارے اس زمانہ میں جو غیبت کبریٰ کا دور ہے۔ کیا تجھے معلوم ہے کہ مولائے علی کی ولا کا معیار کیا ہے ؟

۷۔ انتظار و حب مہدیؑ شخص حب علیست ؛ آنکہ اندر انتظارش خالق یکتا بود
امام مہدی کی محبت اور آپ کا انتظار حب علی کی علامت ہے۔ امام مہدی جس کے اذن ظہور کا اللہ بھی منتظر ہے۔

۸۔ جان عالم باد قربانش کہ از روز نخست ؛ از فیوضاتش بپا دنیا و ما فیہا بود
کائنات اس کے قدموں پہ قربان ہو کر روز اول سے دنیا و ما فیہا اسی کے دم قدم سے قائم ہے۔

۹۔ خوش بحال عاشق مخلص کہ او در این جہاں ؛ بر سر کویش باذن حضرتش سکنا بود
وہ عاشق مخلص خوش نصیب ہے جو دنیا میں آنحضرت کے اذن سے اس کے کوچہ میں مسکن گزیں ہوا۔

۱۰۔ کوئی مہدی شہر مخصوص خصیصین اوست ؛ در صحائف نام آنجا وادیٔ خضراء بود
امام مہدی کا کوچہ اس کے مخصوص ترین افراد کا شہر ہے جسے کتابوں میں وادیٔ خضراء لکھا جاتا ہے۔

۱۱۔ سر و اسرار خدا بنہادہ در این سرزمین ؛ واقف اسرار آنجا ایزد و دانا بود
اللہ نے اس جگہ کو اپنے اسرار کا خزینہ بنا دیا ہے لہٰذا اس جگہ کے اسرار سے واقف صرف ذات علیم ہی ہے۔

۱۲۔ گر زمین را پیکرے گیری برایش عضوہاست ؛ وادیٔ خضرا یقیناً قلب آن اعضا بود
گر کرہ ارض کو ایک جسم سمجھ لو تو اس کے اعضا بھی ہوں گے اور جزیرہ خضراء کرۂ ارض کا دھڑکنے والا دل ہوگا۔

۱۳- در سلوک اہل معنی طی منزل ہا شود ÷ سیر اہل معرفت یک روز ہم آنجا بود
اہل معنی کے سلوک میں تو کئی منزلیں طے کرنا ہوں گی لیکن اہل معرفت کے
لئے ایک دن کا سفر ہے ۔

۱۴- ملتجی تنہا ظہور آن امام منتظر ÷ باعث شادی قلب حضرت زہرا بود
اے ملتجی صرف اور صرف اس امام منتظر کا ظہور ہی حضرت زہرا کے زخموں
پر مرہم خوشی ہو سکتا ہے ۔

۴

مترجم کی طرف سے

(علی اکبر صدری پور)

۱۔ اخبار و آثار میں جزیرۂ خضراء

۲۔ علی ابن فاضل کون ہے ؟

۳۔ فضل ابن یحییٰ کون ہے ؟

۴۔ حی علیٰ خیر العمل ۔

۵۔ شہادت ثالثہ ۔

۶۔ جواب شبہات ۔

۷۔ حرف آخر ۔

اخبار و آثار میں جزیرۂ خضرا

۱۔ سب سے پہلے آٹھویں صدی کے علمار میں فضل ابن یحییٰ نے جزیرۂ خضراء کے موضوع پر قلم اُٹھایا اور "الجزیرۃ الخضراء" کے نام سے کتاب لکھی ۔

فضل ابن یحییٰ نے علی ابن فاضل کے جزیرۂ خضراء میں مشرف ہونے کی داستان پہلے ۱۵ شعبان ۶۹۹ھ کو کربلاء معلیٰ میں شمس الدین محمد ابن نجیح حلی اور جلال الدین عبداللہ ابن حرام حلی سے سُنی پھر حلہ پہنچ کر بذاتِ خود اور بلا واسطہ علی ابن فاضل سے سُنی ۔

فضل ابن یحییٰ ۶۹۹ھ کے ۱۱ شوال کو اپنی مراد حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اور علی ابن فاضل کی اپنی زبان سے جزیرۂ خضراء کے تشرف کا واقعہ سن کر الجزیرۃ الخضراء نامی کتاب میں لکھا ۔

۲ ۔ قاضی نوراللہ شوستری نے اپنی مایۂ ناز تالیف ۔ المجالس ۔ میں لکھا ہے کہ شہید اول محمد ابن مکی نے جزیرۂ خضراء کی داستان کو اپنے سلسلۂ سند سے نقل کرکے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے ۔۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ شہید اول فقہائے شیعہ میں مقام عظیم پر فائز ہیں ۔ اور اس داستان کی عظمت اور اہمیت میں وہ چند اضافہ کر دیا ہے ۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ شہید اول اور علی ابن فاضل میں اتنا بعد زمانی بھی نہیں تھا کیونکہ علی ابن فاضل نے جزیرۂ خضرا میں اپنی داستان ۶۹۰ھ

میں سنائی ہے جبکہ شہید اول ۷۳۴ھ میں پیدا ہو کر ۷۸۶ھ میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ یوں لگتا ہے کہ شہید اول کی روایت میں زیادہ سے زیادہ ایک ہی راوی کا فاصلہ ہوگا۔ گویا اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ شہید اول کو علی ابن فاضل کا زمانہ نصیب نہ ہوا ہوگا تو بھی یہ تو یقین ہے کہ شہید اول نے علی ابن فاضل کے تلامذہ اور معاصرین سے یقیناً ملاقات کی ہوگی۔

ملاں کاظم ہزار جریبی جو عظیم تر اُستاد آقا باقر بہبہانی کے شاگرد ہیں اپنی کتاب المناقب میں رقمطراز ہیں کہ اس بات کا یقین کامل ہے کہ جو رسالہ حضرت علی کی لائبریری میں پایا گیا ہے وہ شہید اول کی خود نوشت ہے۔

قبل ازیں نور اللہ شوستری کی یہ صراحت پیش کی جا چکی ہے کہ شہید اول نے داستانِ جزیرۂ خضراء بقلم خود تحریر کی ہے۔

علاوہ ازیں مرحوم مرزا نوری نے نجم الثاقب صہ ۲۹۶ پر فرمایا ہے کہ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جو رسالہ حضرت علی کی لائبریری سے ملا ہے وہ شہید اول ہی کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔

۳۔ الذریعہ جلد ۴ صہ ۹۳ کے مطابق علی ابن حسین ابن عبد العالی متوفی ۹۴۰ھ معروف محقق کرکی جو دنیائے شیعیت کے معروف فقہائے سے ہیں۔ نے اس کتاب کا شاہ طہماسب صفوی کے دور میں فارسی میں ترجمہ کیا۔ شاہ طہماسب کے نام نسبت دی اور یہ ترجمہ ہندوستان میں شائع اور تقسیم ہوا۔

محقق کرکی نے یہ ترجمہ فضل ابن یحییٰ کے رسالہ سے ترجمہ کیا ہے۔

۴۔ محمد ابن اسد اللہ شوستری نے سلطان صاحب قران کے حکم سے حضرت حجت کے وجود مقدس کے اثبات میں ایک کتاب بنام۔ اثبات وجود حضرت صاحب الزمان ــ تالیف کی اور اس میں جزیرۂ خضراء رسالہ کا ترجمہ بھی درج کیا

کیا ہے۔ البتہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے اسی محقق کرکی کے ترجمہ کو شامل کتاب کیا ہے یا بذات خود عربی سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

الذریعہ جلد ۱ ص۱۰۹ کے مطابق نور اللہ شوستری نے اس کتاب کے بارے میں یہ وصیت فرمائی ہے — یہ کتاب انتہائی بیش قیمت ہے۔ لہٰذا مومنین کے لئے اس کا تحفظ ضروری ہے۔

۵ - نجم الثاقب ص۲۹۷ کے مطابق قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی تصنیف المجالس — میں متعدد مقامات پر جزیرۂ خضرا سے بحث کی ہے۔ اور وقت ظہور اور سیرت امام زمانہؑ کے سلسلہ میں داستانِ جزیرۂ خضراء کو بطور سند پیش کیا ہے۔

قاضی نور اللہ شوستری جیسے ذمہ دار اہل علم کا اس کتاب پر خصوصی توجہ دینا ہی اس داستان کی عظمت شان کے لئے کافی ہے۔

۶ - شیخ حُر عاملی صاحب وسائل الشیعہ متوفی ۱۱۰۴ھ نے جزیرۂ خضرا کی داستان کو اپنی گرانقدر تصنیف اثبات الہداۃ جلد ۳ ص۷۰۰ پر حضرت حجت کے معجزات سے شمار کیا ہے۔

ایسے قابلِ قدر وسائل الشیعہ جیسی کتاب کے مصنف اور عظیم محدث کا اپنی علمی اور اعتقادی کتاب اثباۃ الہداۃ میں درج کرنا بھی اہمیت خاصہ اور داستان کے ناقابل تردید ہونے کی دلیل ہے۔

۷ - علامہ مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ نے الجزیرۃ الخضراء نامی رسالہ کو بحار الانوار جلد ۵۲ ص۱۵۹ تا ص۱۷۴ لفظ بلفظ نقل کرکے عظمت و حقانیت داستان پہ مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

۸ - نجم الثاقب ص۲۹۶ کے مطابق میر محمد میرلوحی جو علامہ مجلسی کے معاصر تھے نے اپنی کتاب — کفایۃ المہتدی فی معرفۃ المہدی — میں داستان جزیرۂ خضرا کو

قابل اعتماد اور صحیح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے ۔ میں نے اس معتبر ترین واقعہ کو اپنی کتاب ریاض المومنین میں درج کیا ہے ۔

۹ ۔ میرزا عبداللہ اصفہانی جنہیں شاہ روم کی طرف سے آفندی کا لقب ملا تھا سنہ ۱۱۳۰ میں وفات پائی نے اس داستان کو اپنی معروف کتاب ریاض العلماء جلد ۴ ص ۱۷۵ ، ص ۳۷۶ میں نقل کیا ہے ۔

۱۰ ۔ الذریعہ جلد ۵ ص ۱۰۵ کے مطابق سید شبر ابن محمد ابن ثنوان موسوی حویزی جو بارہویں صدی کے علماء سے تھے سنہ ۱۱۰۸ میں وفات پائی نے ۔ الجزیرۃ الخضراء ۔ کے نام سے ایک تالیف کی ۔

مجھے افسوس ہے کہ یہ کتاب ہمیں نہیں مل سکی ۔ البتہ ان کے معاصرین سے ایک معصر نے ان کے حالات زندگی لکھتے ہوئے لکھا ہے کہ کم و بیش تیس کتابوں کے مصنف تھے انہی میں ایک الجزیرۃ الخضراء بھی ہے ۔

۱۱ ۔ علامہ وحید بہبہانی متوفی سنہ ۱۲۰۶ علمائے اصول کے پیشوا اور استاد اکبر کے نام سے معروف ہیں نے مدارک کے حاشیہ ص ۲۱ پر داستان جزیرۂ خضراء سے استناد کرتے ہوئے استدلال کیا ہے اور جمعہ کے وجوب عینی کے قائلین کی رد میں فرمایا ہے ۔

داستان مازندرانی جو حضرت صاحب الزمان کے جزیرہ میں مشرف ہوا انتہائی صراحت سے اس بات کی دلیل ہے کہ ۔ نماز جمعہ امام یا امام کے نائب خصوصی سے متعلق

میں علامہ حلی کے مناقب میں اور کشف القناع میں زمانہ غیبت کبریٰ میں حضرت حجت کے امکان روایت کو داستان جزیرۂ خضرا سے ثابت کیا ہے۔

۱۴۔ سید عبداللہ شوستری متوفی ۱۲۳۲ھ جنہوں نے جلاء العیون کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ داستان جزیرۂ خضرا کو انتہائی شرح و بسط سے نقل کیا ہے۔

۱۵۔ آقائے خوانساری متوفی ۱۳۱۳ھ نے روضات الجنات ج ۴ ص ۲۶۸ پر سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے مناقب میں داستان جزیرۂ خضراء کو سند میں پیش کیا ہے۔

۱۶۔ سرکار نوری متوفی ۱۳۲۰ھ نے نجم الثاقب ص ۲۸۳، ص ۲۹۹ میں جزیرۂ خضرا کی مکمل داستان کو درج کیا ہے۔

۱۷۔ علی اکبر نہاوندی متوفی ۱۳۶۹ھ نے العبقری الحسان ج ۲ ص ۱۲۵ تا ص ۱۳۰ پر داستان جزیرۂ خضرا کا کامل متن درج کیا ہے۔

۱۸۔ میرزا محمد رضا طوسی متوفی ۱۱۰۰ھ نے اپنی معروف تفسیر۔ تفسیر الائمہ والاطہار ج ۱ ص ۹۲، ص ۹۹ میں اس ذیل میں کہ حضرت علی کا جمع کردہ پہلا قرآن جو مسند اقتدار پہ جلوہ آرا حضرات نے قبول نہیں کیا تھا اور حضرت حجت کے پاس ہے۔ اپنے دلائل میں داستان جزیرۂ خضراء کو بطور سند پیش کیا ہے۔

۱۹۔ سید ہاشم بحرانی متوفی ۱۱۰۷ھ نے اپنی تالیف۔ تبصرۃ الولی۔ فمن رأی المہدی ص ۲۰۵ و ص ۲۱۳ قلمی نسخہ میں داستان جزیرۂ خضراء کو روایت کیا ہے۔

۲۰۔ سید اسمٰعیل طبرسی متوفی ۱۳۲۱ھ نے کفایۃ الموحدین ج ۳ ص ۲۹۰، ص ۲۹۷ میں داستان جزیرۂ خضراء کا خلاصہ درج کرتے ہوئے علی ابن فاضل کی کافی سے زیادہ تعریف فرمائی ہے۔

۲

علی ابن فاضل کون ہے؟

زین الدین علی ابن فاضل مازندرانی جنہیں جزیرۂ خضرا میں جانے کا شرف حاصل ہوا ہے جزیرۂ خضرا، جانے سے قبل دمشق میں علوم دینیہ کے حصول میں معروف رہے اور ان کی اکثر تحصیلات ۔ زین الدین علی مغربی سے تھیں۔ جو علمائے اندلس سے تھے۔

سنہ ۶۹۰ھ میں اپنے اُستاد کے ساتھ سفر اندلس کو سدھارے۔ استاد موصوف کے وطن پہنچنے سے قبل راستہ ہی میں ہسپانیہ کے آغاز میں بیمار ہو گئے مجبوراً استاد سے جدا ہونا پڑا۔ تین دن تک اس آبادی میں صاحب فراش رہے۔ صحت کے بعد شوقِ تجسس یا بخت رسا انہیں ایک بربری قافلہ کے ساتھ جزائر شیعیان لے گیا۔ وہاں اسے جزیرۂ خضرا کا پتہ چلا۔ یہ تمام تفصیل سابقاً پیش کی جا چکی ہے۔

جزیرۂ خضرا سے واپسی کے بعد علی ابن فاضل مکہ معظمہ گیا۔ حج سے فراغت کے بعد عراق آیا۔ کچھ عرصہ تک سامرا میں قیام کیا۔

موصوف نے سنہ ۶۹۹ھ۔ ۱۵ شعبان کو اپنی داستان دو شیعہ علما، کوشانی اور اسی سال شوال میں قیام حلہ کے دوران سید فخر الدین مازندرانی کے دولتکدہ پر فضل ابن یحییٰ کو سنائی۔

علی ابن فاضل نے اپنے اس سفر زیارت میں جزیرۂ خضرا کے امام جمعہ و جماعت سید شمس الدین سے کچھ مسائل دریافت کئے جنہیں ایک کتابی صورت میں فوائد شمسیہ

کے نام سے جمع کیا۔

علی ابن فاضل نے اپنی تالیف فوائد شمسیہ کو صیغۂ راز میں رکھا اور صرف قابلِ اعتماد شیعہ کو اس سے مطلع کیا۔

علی ابن فاضل ان خوش نصیب افراد سے ہے جن کے حالاتِ زندگی کسی تبصرہ کے محتاج نہیں ہیں۔ علم رجال کے ہر مؤلف نے بڑے فخر سے موصوف کا اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور دانشمند۔ بزرگ منش۔ پرہیزگار۔ زاہد۔ متقی اور یگانۂ روزگار جیسے الفاظ سے موصوف کا تذکرہ کیا ہے۔ شائقین موصوف کے حالات العبقری الحسان۔ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

علی ابن فاضل کی وثاقت اور اعتماد کے لئے یہی کافی ہے کہ علامہ بہبہانی جیسے فقیہ عالی قدر موصوف کے بیان کو سند بنا کر زمانۂ غیبت میں عدم وجوب جمعہ کا فتوٰی دیا ہے۔

شیخ حر عاملی جیسے محتاط محدث نے اپنی اعتقادی کتاب اثبات الہداۃ میں موصوف کی بیان کردہ داستان کو انتہائی وثوق سے درج کیا ہے۔

تمام علمائے رجال مثلاً علامہ بحر العلوم۔ شیخ اسد اللہ شوستری۔ سید عبد اللہ شبر۔ آقائے خوانساری وغیرہ نے اپنی اپنی تالیفات میں موصوف کی داستان کو بطور سند پیش کیا ہے۔

موصوف کے علوئے مرتبہ کی یہ دلیل کیا کم ہے کہ شہید اول اور محقق کرکی جیسے فقہا نے اس داستان کو اپنی اپنی کتب میں درج فرمایا ہے۔

اور علامہ مجلسی۔ میرزا عبد اللہ آفندی اور علامہ نوری نے اس داستان کو اپنی اپنی تالیفات میں بڑے فخر سے نقل کر کے موصوف کو زاہد زمانہ اور متقی عصر کے لقب سے یاد کیا ہے۔

علی ابن فاضل کا تعلق مازندران کے نواح میں ابریم نامی بستی سے تھا۔

۳

فضل ابن یحییٰ کون ہے؟

موصوف فضل ابن یحییٰ ابن مظفر طیبی ہیں جنہوں نے جزیرۂ خضراء کی داستان کو بلا واسطہ علی ابن فاضل سے سن کر۔ الجزیرۃ الخضراء۔ کے نام سے پہلے پہل کتابی صورت میں پیش کیا۔

الذریعہ جلد ۵ ص۱۰۶ کے مطابق فضل ابن یحییٰ اہل کوفہ سے تھے۔ واسط میں قیام تھا۔ کتابت کا کام کرتے تھے۔ ان بارہ افراد سے ہیں جنہوں نے کشف الغمہ کو براہ راست اس کے مؤلف سے حاصل کر کے لکھا ہے۔

علی ابن عیسیٰ احمد بلی متوفی ۶۹۲ھ نے اپنی معروف زمانہ کتاب کشف الغمہ کو اپنے وقت کے بارہ معروف ارباب علم و دانش کے سامنے پیش کیا۔ ان حضرات نے ان کی اپنی زبان سے سُن کر اسے لکھا۔ مؤلف نے ان تمام کو اپنی طرف سے اس کتاب کی روایت کی اجازت دی۔

کتاب کی قرائت کئی اجلاسوں میں مکمل ہوئی۔ آخری جلسہ ۲۴ رمضان ۶۹۱ھ کی شب تھی جس میں کتاب اختتام کو پہنچی۔ ان تمام جلسوں میں فضل ابن یحییٰ موجود تھے اور تمام اجازات انھی کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے۔

کشف الغمہ کا فضل ابن یحییٰ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ گیارہویں صدی ہجری

تک رہا محمد علی جزری تک پہنچا۔ انہوں نے ۱۰۳۰ھ میں فضل کے خط سے نقل کیا۔

شیخ حر عاملی نے امل الآمل میں فضل ابن یحییٰ کے متعلق یوں لکھا ہے ــــ

فضل ابن یحییٰ اپنے وقت کا صاحب علم و دانشمند تھا۔ جو کتابت کا شغل کرتا تھا واسط میں قیام کرتا تھا۔ ۶۹۱ھ میں کشف الغمہ کا اپنے قلم سے کتابت کردہ نسخہ مؤلف کشف الغمہ کے حضور پیش کیا اور اپنے نسخہ کو مؤلف کے مطابق کیا۔

● فضل کا والد یحییٰ بھی اپنے وقت میں صاحب علم و دانشمند رہا ہے جو ادیب بھی تھا اور شاعر بھی۔ یحییٰ ابن مظفر بھی ان بارہ افراد سے ہے جنہوں نے کشف الغمہ کو اس کے مؤلف سے سنا اور لکھا اور مؤلف سے اجازہ روایت حاصل کیا۔ سرکار عاملی نے یہ اجازہ دیکھا ہے۔

● معجم رجال الحدیث جلد ۱۳ صفحہ ۳۰۲ میں آیت اللہ خوئی فضل ابن یحییٰ کو دانشمند بزرگوار کے الفاظ سے ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں۔

فضل ابن یحییٰ واسط میں شغل کتابت میں مشغول رہتے تھے۔ کشف الغمہ کو اس کے مصنف سے براہ راست روایت کیا ہے۔ اپنے قلم سے لکھ کر نسخۂ مؤلف سے تطبیق کی ہے۔ فضل ابن یحییٰ نے ۶۹۱ھ میں کشف الغمہ کے مؤلف سے اجازۂ روایت حاصل کیا ہے۔

● میرزا عبداللہ آفندی ریاض العلماء جلد ۴ صفحہ ۳۷۶ میں رقمطراز ہیں کہ ــ میں نے مشہد مقدس میں کشف الغمہ کے قدیم نسخہ کے آخر میں کشف الغمہ کے مؤلف کی طرف سے فضل ابن یحییٰ کے لئے اجازت روایت بچشم خود دیکھا ہے۔ یہ اجازہ بھی دیگر اجازہ جات کی طرح فضل ابن یحییٰ ہی کے خط سے تھا اور مؤلف کے تائیدی دستخط تھے جس کی تاریخ ۶۹۲ھ تھی ــ فضل کا انداز تحریر ویسا ہے جیسے مامون کے امام رضا علیہ السلام کی ولی عہد قرار کے عہدنامے پر دستخط

ہیں - یہ عہدنامہ فضل کے ہاتھ آغاز محرم ۶۹۹ھ میں آیا -
فضل نے اسے لکھا اور علامہ مجلسی کے نقل کردہ عہدنامہ سے مقابلہ کیا -
فضل کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی - صرف اتنا معلوم ہے کہ سنہ ۶۹۹
تک بقید حیات ہے -

۴

حیّ علیٰ خیرِ العمل

ہم اپنے ائمہ معصومین کی پیروی میں حی علی خیر العمل ۔ کو اذان و اقامت کے اجزاء سے شمار کرتے ہیں اور اس کے بغیر اذان و اقامت کو باطل سمجھتے ہیں ۔
جہاں تک شیعہ مسلک کا تعلق ہے تو اس کے نزدیک ۔ حی علیٰ خیر العمل ۔ کا جزو اذان و اقامت ہونے پر علمائے امامیہ کا اجماع ہے ۔

جبکہ سنن بیہقی جلد ۱ ص۴۲۵ اور البحر الرائق جلد ۱ ص۲۷۵ کے مطابق علمائے اہلسنت میں سے بعض کہتے ہیں کہ حی علی خیر العمل اذان و اقامۃ کا جزو نہیں ہے اور اسے نہیں کہنا چاہیے ۔ مختصراً بعض علمائے اہلسنت اس جملہ کو حرام اور بعض مکروہ سمجھتے ہیں ۔

علمائے امامیہ کا مسلک ہم اوپر پیش کر چکے ہیں ۔ اس جگہ مناسب ہوگا اگر مسلک اہلسنت کے نقطۂ نظر سے اس جملہ کے جواز یا عدم جواز کا جائزہ لیتے چلیں ۔
جہاں تک حی علی خیر العمل کی تشریع اور اسلامی حکم ہونے کا تعلق ہے تو خوش قسمتی سے متقدمین و متاخرین علمائے اہلسنت اس نظریہ میں امامیہ مسلک سے متفق ہیں ۔ کیونکہ اہلسنت کی معتبر کتب میں اس جملہ کا وجود اذان و اقامت ہر دو ملتا ہے ۔
بس فرق صرف اتنا ہے کہ شیعوں نے اس ارشاد کی تعمیل کو چھوڑا نہیں اور اہلسنت نے حضرت عمر کے ایک فرمان کا سہارا لے کر اسے ترک کر دیا ہے ۔

دسیوں علمائے اہلسنت نے اپنی کتب حدیث۔ تاریخ اور عقائد میں اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ ۔

ایک دن حضرت عمر اپنے دور اقتدار میں منبر پر تشریف فرما تھے ۔ اور فرمایا تین چیزیں زمانہ رسالت میں حلال تھیں آج میں ان سے منع کرتا ہوں ۔ انھیں حرام قرار دیتا ہوں ۔ اور جس نے بھی یہ تین کام کئے اسے سزا دوں گا ۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں ۔ عیرو ائمی شادی (متعہ) ۔ حج تمتع اور حی علی خیر العمل ۔

اطمینان خاطر کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔ شرح تجرید از علامہ قوشجی ص۴۸۴ اور کنز العرفان جلد ا ص۱۵۵ ۔ اگر حضرت عمر کے اس فرمان کا تجزیہ کیا جائے تو ہر عقلمند کو دو باتیں نظر آئیں گی ۔

۱ ۔ حضرت عمر کی بحیثیت ایک محدث کے روایت حدیث
۲ ۔ حضرت عمر کا فتویٰ

روایت حدیث یوں ہے کہ حضرت عمر نے پہلے یہ فرمایا ہے کہ یہ تینوں چیزیں زمانہ سرکار رسالت میں تھیں ۔ حضرت عمر کی یہ روایت بیان کر دینے کے بعد اس بات میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ روایت درست ہے جو اگرچہ الفاظ حضرت عمر ہی کے ہیں ۔ لیکن بالمعنی روایت کے ذیل میں آتی ہے اور اس روایت میں کسی قسم کے کیڑے نہیں نکالے جا سکتے ۔ جیسے ہم تسلیم کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ حضرت عمر نے سچ فرمایا ہے ۔ (ویسے اس عنوان پر میں نے اپنے رسالہ جواز متعہ میں تفصیل سے لکھا ہے ۔ جاڑوی)

اب رہا فتویٰ کہ ۔ میں اسے حرام قرار دیتا ہوں ۔ قابل توجہ ہے ۔ اس سلسلہ میں علامہ قوشجی نے شرح تجرید کے اسی صفحہ پر حضرت عمر کے اس فتویٰ کا

جو جواز پیش کیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عمر ایک فقیہ تھے اور فقیہ کو اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا
حق ہوتا ہے خواہ اس کا اجتہاد کسی دوسرے کے اجتہاد سے
متصادم ہی کیوں نہ ہو۔

یہیں اہلسنت سے ہمارا اختلاف ہے۔ لیکن حضرت عمر کے فقیہ ہونے میں اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف آنحضور کی حیثیت میں ہے جو علامہ قوشجی نے پیش کی ہے اور وہ ہے آنحضور کا فقیہ ہونا۔

کیونکہ اسلامی مسلمہ اصولوں کے مطابق آنحضور کی حیثیت فقیہ کی نہیں بلکہ شارع کی ہے اور شارع اور فقیہ میں از روئے علم معقول نسبت عام خاص مطلق کی ہے۔ یعنی ہر شارع فقیہ ہوتا ہے جبکہ ہر فقیہ شارع نہیں ہوتا۔

ہر فقیہ کے اجتہاد کی بنیاد شارع کا قول ہوتا ہے۔ کوئی فقیہ اپنے اجتہاد کی بنیاد شارع کے نظریہ سے تصادم پر نہیں رکھ سکتا۔ شارع کے قول کو اصطلاحاً نص اور فقیہ کے اجتہاد کو فتویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلامی مسلمات کے مطابق اگر کسی مقام پر نص اور فتویٰ میں تصادم ہو جائے تو نص پر عمل واجب ہوتا ہے اور فتویٰ کو ترک کر دینا واجب ہوتا ہے۔

اسی مسلمہ اسلامی کلیہ کے پیش نظر شیعہ حضرت عمر کی روایت کو تسلیم کرتے ہیں جو ایک نص اور قول شارع ہے اور حضرت عمر کے فتویٰ کو قبول نہیں کرتے۔

الایضاح ص ۲۰۲ کے مطابق امام ابو حنیفہ۔ ملو امام ابو یوسف اور دیگر علمائے اہلسنت نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ سرور انبیا، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے کچھ زمانہ تک اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل کہا جاتا رہا ہے۔ لیکن بعد میں حضرت عمر نے فرمایا کہ۔ مجھے ڈر ہے کہ حی علی خیر العمل کا جملہ مسلسل سن سن کر

امت مسلمہ کہیں نماز ہی کو سب کچھ نہ سمجھ لے۔ اور جہاد سے روگردانی نہ کرنے لگے اس لئے حی علیٰ خیر العمل کو اذان و اقامت سے ساقط کر دیا جائے۔

بالکل اسی قسم کی روایت بحار الانوار وغیرہ میں امام محمد باقر سے مروی ہے کہ۔ عبداللہ ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ۔ اذان و اقامت سے حی علی خیر العمل کو کیوں ساقط کر دیا گیا ہے۔ ابن عباس نے حضرت عمر کے الفاظ جواب میں نقل کر دیئے ۔۔ تاکہ لوگ نماز کا اتنا زیادہ خیال رکھنا شروع نہ کر دیں کہ جہاد بھول جائے۔

علامہ تفتازانی نے شرح عقد میں لکھا ہے کہ حی علی خیر العمل۔ زمانہ رسالت میں ثابت ہے لیکن حضرت عمر نے اسے حذف کر دینے کا حکم دیا۔ کیونکہ آپ کو ڈر تھا کہ لوگ کہیں نماز کی خاطر جہاد کو چھوڑ دیں۔

کنز العمال جلد ۸ ص۳۴۳ کے مطابق آنحضور کا مقرر کردہ موذن بلال حی علیٰ خیر العمل اذان میں کہتا تھا۔

سعد السعود ص۱۰ میں علامہ عبدالرزاق نے حدیث معراج کے ذیل میں لکھا ہے کہ جبریل نے آسمانوں میں اذان کہی اور اس میں حی علی خیر العمل بھی دو مرتبہ کہا۔

الانتصار ص۳۹ پر سید مرتضیٰ نے لکھا ہے کہ اکثر علمائے اہلبیت اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ زمانۂ رسالت میں حی علی خیر العمل جزو اذان تھا جبکہ بعض علمائے اہلسنت نے یہ بے بنیاد دعویٰ کیا ہے کہ پہلے یہ تھا لیکن میں منسوخ ہو گیا تھا۔

مگر بایں ہمہ بعض علمائے اہلسنت کے مطابق حضرت عمر کے اس حکم کے باوجود بعض اصحاب اور تابعین نے حی علی خیر العمل کو اذان و اقامت میں کہنا ترک نہیں کیا تھا۔ ان اصحاب میں حضرت کا فرزند حضرت عبداللہ ابن عمر بھی شامل ہے۔

سنن بیہقی جلد ا صفحہ ۴۲۴۔ مبادی الفقہ الاسلامی عرفی صفحہ ۳۸ اور المصنف صفحہ ۴۶۰
صفحہ ۴۶۴ کے مطابق مالک ابن انس۔ لیث ابن سعد۔ محمد ابن سیرینؒ۔ لسنرابن ذخلوق عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنے اپنے سلسلۂ سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل کہتا تھا۔

سنن بیہقی جلد ا صفحہ ۴۲۵ کے مطابق سہل ابن حنیف اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل کہتا تھا۔

منشور المحاضرات جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ میں تنوخی نے ابو الفرج سے روایت کی ہے میرے زمانہ تک اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل کہا جاتا تھا۔

البدایہ والنہایہ جلد ۱۲ صفحہ ۲۸۹ اور تاریخ دمشق صفحہ ۳۴۹ کے مطابق جب صلاح الدین ایوبی نے مصر فتح کر کے شام کا رُخ کیا اور حلب کے باہر خیمہ زن ہوا تو حلب کے گورنر نے تابِ مقاومت نہ دیکھ کر اہالیانِ حلب کو جمع کیا اور انہیں صلاح الدین سے جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اہالیانِ حلب نے چند شرائط پیش کیے ان میں سے ایک شرط اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل کہنا بھی تھا۔ حلب کے گورنر نے ان تمام شرائط کو مع اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل کے قبول کر لیا۔

سنن بیہقی جلد ا صفحہ ۴۲۵ اور مبادی فقہ اسلامی صفحہ ۳۸ کے مطابق امام زین العابدین سے مروی ہے کہ آپ نے اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل پڑھا پھر فرمایا صدر اسلام کی اذان یہ ہے۔

سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ کے مطابق جب البویہ کی حکومت تھی تو اذان و اقامت میں حی علی خیر العمل کہا جاتا تھا پھر جب آل سلجوق برسر اقتدار آئے تو انہوں نے اذان و اقامت اقامت سے حی علی خیر العمل نکال کر اذان صبح میں الصلوۃ خیر من النوم کہلوانا شروع کر دیا۔

اذان میں تثویب :-

صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنے کو اصطلاحاً تثویب کہا جاتا ہے۔
جہاں تک شیعہ مسلک کا تعلق ہے تو اس میں تثویب نہ کہنے پر اجماع ہے
امام جعفر صادقؑ سے تثویب کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا - ہم اسے نہیں
پہچانتے -

وجہ تسمیہ :-

یعنی اذان صبح میں الصلوٰۃ خیر من النوم کو تثویب کیوں کہا جاتا ہے ؟
فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۸۵ کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ موذن حی علی الصلوٰۃ کہنے
کے بعد فوراً لوگوں کو الصلوٰۃ خیر من النوم کہہ کر اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہے
کہ نماز نیند سے بہتر ہے - بالفاظ دیگر اسی سابقہ جملہ - حی علی الصلوٰہ - کو دوبارہ
الصلوٰۃ خیر من النوم کے الفاظ میں ادا کرتا ہے -
ممکن ہے تثویب کے اور معانی بھی کئے جاتے ہوں لیکن جب اذان میں تثویب
کہا جائے گا تو اس سے مراد صرف اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا ہی مقصود ہوگا -
مقام تثویب - شیعہ مسلک تو ہم پیش کر چکے ہیں کہ امامیہ کے نزدیک
تثویب کی عدم مشروعیت پر اجماع ہے - جہاں تک اہلسنت کا تعلق ہے تو ان
میں بھی یہ مسئلہ متنازعہ فیہ ہے -

- ترمذی جلد ا صفحہ ۳۸ کے مطابق امام شافعی کے نزدیک تثویب بدعت
اور غیر مشروع ہے -
- حدائق جلد ۷ صفحہ ۴۱۸ کے مطابق قابل توجہ یہ بات ہے کہ خود حضرت عمر
بھی اس جملہ کو بدعت فرماتے تھے -

● حضرت عبداللہ ابن حضرت عمر تو اس جملے سے اس قدر متنفر تھے کہ جس مسجد مسجد کی اذان میں یہ جملہ کہا جاتا تھا اس مسجد سے باہر تشریف لے جاتے تھے اور اس میں نماز تک نہیں پڑھتے تھے۔

● کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۵۷، حدیث نمبر ۲۳۲۵۲ - مجاہد کہتا ہے کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ ایک مسجد میں گیا تاکہ نماز پڑھیں۔ مؤذن اذان کہہ رہا تھا۔ مؤذن نے تثویب یعنی الصلوٰۃ خیر من النوم کہا۔ عبداللہ مسجد سے باہر نکلا اور مجھے کہا مجاہد جلدی باہر نکل آ کہ اس بدعتی سے دور ہو جائیں۔ عبداللہ نے اس مسجد میں نماز نہیں پڑھی۔

● سنن ترمذی جلد ا صفحہ ۳۸۲ کے مطابق سب سے پہلے جس شخص نے اذان میں یہ جملہ رائج کیا اس کا نام سعد قرظ تھا۔ حضرت عمر کا زمانۂ حکومت تھا۔ حضرت عمر نے سعد پر اعتراض کیا اور اس جملہ کو بدعت سے تعبیر فرمایا۔

● سنن دار قطنی جلد ا صفحہ ۲۳۶ میں سعد قرظ جو اس جملہ کا موجد ہے اذان بلال کی روایت کرتا ہے جس میں یہ جملہ نہیں ہے۔

● موطا مالک صفحہ ۵۵ اور کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۳۴۵ کے مطابق ایک دن حضرت عمر کا موذن حضرت عمر کو وقت نماز سے مطلع کرنے کی خاطر گیا۔ دیکھا تو حضرت عمر نیند میں تھے چنانچہ اس نے آپ کو جگانے کی خاطر باآواز بلند کہا۔ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ آپ نیند سے بیدار ہو گئے اور فرمایا یہ بڑا اچھا جملہ ہے اسے روزانہ کی اذان صبح میں داخل کر دو۔

● کچھ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ بلال اذان میں حی علیٰ خیر العمل کہتا تھا آنحضور نے اسے منع فرمایا اور حکم دیا کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہا کر۔ حالانکہ مجمع الفوائد جلد ا صفحہ ۲۳۔ سنن بیہقی جلد ا صفحہ ۴۲۵ اور المصنف عبدالرزاق جلد ا صفحہ ۴۶۰ کے مطابق

بیسیوں روایات میں یہ بات موجود ہے کہ الصلوٰۃ خیر من النوم کا زمانہ رسالت میں وجود تک نہ تھا۔

ایک لطیفہ :-

حی علیٰ خیر العمل کے سلسلہ میں ایک عجیب لطیفہ ہوا کہ چونکہ حی علی خیر العمل صرف شیعوں کی علامات سے تھا اس لئے حسین بن علی صاحب فخ نے اپنے قیام کا آغاز حی علیٰ خیر العمل کے نعرہ سے کیا۔

مدینہ میں منصور دوانقی کا گورنر مسجد نبوی میں بیٹھا تھا۔ مؤذن منبر پر اذان کہہ رہا تھا حسین ابن علی سیدھا مؤذن کے پاس تلوار بدست چلا گیا اور تلوار سونت کر مؤذن سے کہا۔ حی علیٰ خیر العمل کہہ۔ مؤذن نے ٹالنا چاہا۔ لیکن جب تلوار دیکھی تو پوکھلائے ہوئے انداز میں۔ حی علیٰ خیر العمل کہا۔

جب گورنر نے یہ جملہ سنا تو سمجھا کہ کسی علوی نے قیام کر کے مدینہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہ ایسا بوکھلایا کہ کہنا چاہتا تھا۔ مسجد کے دروازے بند کر دو۔ مگر اس کے منہ سے بیساختہ نکلا۔ خچروں کو باندھ دو۔

۵

شہادتِ ثالثہ

اذان واقامت میں اشہدان علیا ولی اللہ کہنے کا نام شہادتِ ثالثہ ہے۔ اگر مؤذن شہادت رسالت کے بعد اشہدان علیا ولی اللہ کہے تو گویا اس نے شہادت ثالثہ کہی ہے۔

اس وقت کرۂ ارض میں کوئی ایسی شیعہ آبادی نہیں ہے جس میں شہادت ثالثہ اذان واقامت میں نہ کہی جاتی ہو۔ اور یہی شہادت علامات شیعہ میں سے ایک اہم ترین علامت ہے یعنی اس کا اذان واقامت میں ہونا تو غیر مشکوک اور مختلف فیہ ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ شہادت ثالثہ اذان واقامت میں رواج پذیر کب ہوئی ؟

● کیا شیعوں نے اس کو خوش اعتقادی اور محبت علی کی وجہ سے از خود شامل اذان کیا ہے یا آنحضور کے زمانہ میں یہ کلمہ بھی حی علیٰ خیر العمل کی طرح شامل اذان و اقامت تھا جسے بعد میں اذان بدر کر دیا گیا ؟

اس سوال کا جواب اگر از راہ تحقیق و دریافت تلاش کیا جائے تو یہ حقیقت مخفی نہ رہے گی کہ یہ کلمہ الصلوٰۃ خیر من النوم کی طرح شیعوں کی ایجاد بندہ نہیں ہے بلکہ آنحضور کے زمانہ سے رواج پذیر ہے۔ آنحضور کو اس کا علم تھا اور بعض صحابہ اسے اذان واقامت میں کہتے تھے جنہیں نبی اکرم اچھی طرح جانتے تھے اور آپ ان سے

بخوبی واقف و آشنا تھے۔ ایک اہل سنت عالم کی زبانی سنئے:۔

شیخ عبداللہ مراغی علمائے مصر کے دانشمند اور منصف مزاج علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنی مایۂ ناز تصنیف السلافہ فی امر الخلافہ۔ میں رقمطراز ہیں بحوالہ جواہر الولایۃ ص۳۷۹ اور شہادت ثالثہ ص۳۴۔

سلمان فارسی اذان و اقامت میں کلمہ رسالت کے بعد شہادت ثالثہ کہتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے سن لیا۔ فوراً نبی اکرم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔ حضور! میں نے ایک عجیب بات سنی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کونسی عجیب بات ہے؟ اس نے عرض کیا۔ میں نے سلمان فارسی کو اذان و اقامت میں اشہد ان محمد رسول کے بعد اشہد ان علیا ولی اللہ کہتے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تو نے سلمان سے کلمۂ خیر و عبادت سنا ہے۔

اسی کتاب میں علامہ عبداللہ مراغی ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں کہ ۔
نبی اکرم کے ایک صحابی نے آنحضور کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور! میں نے ابوذر سے اذان و اقامت میں رسالت کی شہادت کے بعد ولایت علی کی شہادت کا کلمہ سنا ہے۔

آپ نے اس صحابی کو فرمایا۔ کیا تو نے غدیر خم پر میرا یہ اعلان سنا تھا۔ من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ ؟

اس نے عرض کیا حضور سنا تھا۔

آپ نے فرمایا۔ جس نے بھی اس عہد کو توڑا۔ وہ اپنے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

سرکار علامہ عبداللہ مراغی جو اہلسنت کے بلند پایہ علماء میں سے ہیں کے اس بیان حقیقت ترجمان کے مطابق اشہد ان علیاً ولی اللہ کہنے کی تاریخ بھی دیگر

احکام اسلام کی طرح بہت طویل ہے اور اقسام حدیث میں سے ایک قسم کے مطابق حدیث وہ ہے جسے اصطلاحاً تقریر کہا جاتا ہے۔ یعنی ایسا کام جو آنحضور کے سامنے کیا جائے آپ اس سے واقف ہوں اور نہ صرف منع نہ فرمائیں بلکہ استفسار کرنے پر اس کام کے جواز کی تائید فرمائیں۔

علامہ عبداللہ مراغی کے اس بیان کے مطابق اذان واقامت میں اشہد ان علیا ولی اللہ کہنا سنت پیغمبر ہے کیونکہ سنت نبویہ کی جو تعریف علمائے اسلام نے کی ہے وہ ہے قول نبی اور تقریر نبی۔

علاوہ ازیں اگر سلمان وابوذر کے بعد از اسلام زندگی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی پوری زندگی اسلام میں آنحضور کو کبھی کوئی دکھ نہیں پہنچا اور انہوں نے جو کام بھی کیا وہ نبی اکرم کے حکم اور رضا سے کیا ہے۔

امت مسلمہ کا وہ کونسا فرقہ ہے جسے یہ معلوم نہ ہو کہ سلمان فارسی ہی کے لئے نبی اکرم کی زبان وحی ترجمان نے فرمایا۔ السلمان منا اہل البیت۔ صحابہ کی ہزاروں کی تعداد میں سے منا اہل البیت کہلوانے کا شرف سلمان کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہیں ہوا۔

اور ابوذر کے متعلق فیض القدیر جلد ۴ ص ۴۲۳ پر ملاحظہ فرمائیے۔ وحی کا ترجمہ کرنے والی زبان رسالت نے فرمایا ہے:

ما اظلت الخضراء واقلت الغبراء من لہجہ اصدق ولا اوفی من ابی ذر

آسمان کے زیر سایہ اور زمین کے اوپر ابوذر سے زیادہ صدیق اور وفا شعار کوئی نہیں ہے۔

چونکہ بنی امیہ اور بنی عباس کے دور حکومت میں پوری امت مسلمہ بالعموم اور شیعیان آل محمد بالخصوص زیر عتاب رہے۔ حضرت علی کی ذات گرامی صفات سے انہی حکومتوں میں خصوصیت کے ساتھ عداوت کی حد تک تعصب برتا گیا۔ ان

ادوار میں حضرت علی اور آپ کی اولاد میں سے کسی کے فضائل کی حدیث نبوی نقل کرنا ناقابل معافی جرم تھا۔ بلکہ معاویہ کے دور میں تو بے شمار مقررین اور خطیب حضرات کو خصوصی احکامات تھے کہ دعائے قنوت اور خطبۂ جمعہ میں حضرت علی کا نام لے کر سب کئے جائیں اور تمام وہ برائیاں جو دوسروں نے کی ہیں حضرت علی سے منسوب کرکے لوگوں کو بتائی جائیں۔

بھلا ایسے حالات میں اذان و اقامت میں کب یہ سنت نبویہ جاری رہ سکتی تھی۔ یہ تو بھلا ہو عمر ابن عبدالعزیز کا جس نے اپنے دور حکومت میں معاویہ کی اس سنت کو ختم کیا۔ بعض مقامات پر تو عمر ابن عبدالعزیز کو یہ بدعت سخت سزاؤں کے ساتھ ختم کرنا پڑی۔

جب شیعوں نے دیکھا کہ محبت علی میں سزائیں تو وہی ہیں جو دی جا رہی ہیں کیوں نہ اس سنت نبویہ کو بھی زندہ کردیا جائے۔ چنانچہ شیعوں نے حکومتوں کے علی الرغم اذان و اقامت میں اعلاناً اشہدان علیا ولی اللہ کہنا شروع کردیا۔

شہادتِ ثالثہ کے سنت نبویہ ہونے کے چند مختصر دلائل

۱۔ علامہ عبداللہ مراغی کے مطابق سلمان و ابوذر وغیرہ جیسے صحابہ نے آنحضور کو علم ہوا تو آپ نے انہیں روکنے کی بجائے خبر دینے والے کو شکایت پر سرزنش کی۔

۲۔ نبی اکرم نے بحکم رب جلیل حجۃ الوداع میں مقام غدیر خم پر علی رؤس الاشہاد ولایت علی کا اعلان کیا۔ اور اذان و اقامت میں اشہدان علیا ولی اللہ کا کلمہ اسی اعلان نبوی کا اعلان و اقرار ولایت علویہ ہے۔

۳۔ احتجاج طبرسی جلد ۱ صفحہ ۱۵۸ میں علامہ طبرسی نے صادق آل محمد سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ جب اور جہاں اشہدان لا الٰہ الا اللہ اور اشہدان محمد رسول اللہ کہو وہاں اشہدان امیر المومنین علیا ولی اللہ ضرور کہو۔

حالات کا تقاضا اتنا ہی کچھ کہنے کا تھا۔ آپ نے بلا استثناء فرمایا ہے۔ جب اور جہاں توحید و رسالت کی شہادت دو۔ ولایت علی کی شہادت بھی دو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ سائل نے پوچھا ہی اذان و اقامت کے متعلق ہو اور معصوم نے اذان و اقامت کا نام لئے بغیر علی الاطلاق بطور عموم فرما دیا ہو۔

۴ - احقاق الحق جلد ۴ ص ۱۴۹ میں عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ آنحضور نے فرمایا ہے کہ جو شخص عروۃ الوثقیٰ سے تمسک رکھنا چاہتا ہے وہ کہا کرے لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ علی ولی اللہ۔

ان کے علاوہ بھی ہمارے پاس ایسی مستند۔ موثق اور ناقابل تردید روایات موجود ہیں جن میں صراحتہً حکم دے دیا گیا ہے کہ توحید و رسالت کے ساتھ شہادت ولایت جزو غیر منفک ہے۔

۵ - اصول کافی جلد ا ص ۳۶۶ - سنان ابن طریف صادق آل محمد سے روایت کرتا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے ہم پہلا وہ خاندان ہیں جن کے نام کو اللہ نے بلند فرمایا ہے۔ جب اللہ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا تو حکم دیا کہ ایک منادی بآواز بلند یہ ندا دے:۔

اشہد ان لاالٰہ الا اللہ - تین مرتبہ

اشہد ان محمد رسول اللہ - تین مرتبہ

اشہد ان علیا امیرالمومنین - تین مرتبہ

۶ - احقاق الحق جلد ۴ - ص ۱۴۴ - عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ آنحضور نے فرمایا ہے کہ جب ذات احدیت نے حضرت آدم کو پیدا کیا - تو حضرت آدم کو چھینک آئی - آپ نے الحمد للہ کہا - ذات احدیت نے فرمایا - اے آدم تو نے میری حمد کی ہے - مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! دو ہستاں میں نے ایسی پیدا کی

ہیں اگر انہیں پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو تجھے کبھی پیدا نہ کرتا۔

حضرت آدم نے پوچھا کیا وہ میری اولاد سے ہوں گے ؟

ذات احدیت نے فرمایا - ہاں تیری نسل سے ہوں گے۔ ذرا سر بلند کر اور دیکھ

حضرت آدم نے سر بلند کیا اور دیکھا عرش پہ لکھا تھا :

لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ نبی الرحمتہ - علی ولی اللہ مقیم الحجۃ علی عبادہ من عرف حقہ زکی وطاب ومن انکر حقہ کفر وخاب۔ اقسمت بعزتی ان ادخل النار من عصاہ وان اطاعنی۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد اللہ کا رسول اور نبی رحمت ہے۔ علی اللہ کا ولی اور حجت خدا ہے۔ جس نے اس کا حق پہچانا کامیاب اور پاکیزہ ہوگا۔ جس نے اس کے حق سے انکار کیا رسوا ہوگا۔ میں اپنی عزت کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص اس کی نافرمانی کرے گا اسے داخل جہنم کروں گا خواہ وہ میرا مطیع کیوں نہ ہو۔

۷ ۔ احقاق الحق جلد ۴ ص ۱۴۳ - عبداللہ ابن سلام نے نبی کو تین سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے :

لواء الحمد پر لکھا ہوگا :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم -

الحمد للہ رب العالمین ۔

لاالہٰ الااللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ ۔

۸ ۔ احقاق الحق جلد ۴ ص ۱۴۵ - عبداللہ ابن مسعود نے ایک مفصل حدیث میں بتایا ہے کہ نبی رحمت نے شب معراج جنت وجہنم کا معائنہ کیا تو جنت کے پہلے دروازے پر لکھا تھا۔

لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ ۔

۹۔ اثبات الہداۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹۹ زید شہید اپنے والد حضرت سجاد سے روایت کرتا ہے کہ سرور انبیاء کی انگشتری مبارک کا نقش یہ تھا لا الٰہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ علیؑ ولی اللہ۔

۱۰۔ احقاق الحق جلد ۴ صفحہ ۱۴۳ پر مذکورہ بالا روایت حافظ ابو محمد ابن ابو الفوارس نے اپنی الاربعین میں حفاظ اہلسنت کے سلسلے سے بھی روایت کی ہے۔

۱۱۔ مبسوط جلد ۱ صفحہ ۹۹۔ شیخ طوسی رقمطراز ہیں کہ اذان و اقامت میں اشہد ان علیا خیر البریہ۔ یا اشہد ان علیا امیر المومنین بھی شاذ روایات میں آیا ہے۔ اگر اذان و اقامت میں یہ جملے کہہ دیئے جائیں تو گناہ نہیں ہوگا۔

اقوال علماء اور شہادت ثالثہ:۔

اگرچہ ہمارے عصر حاضر کے فقہا میں یہ معروف ہے کہ شہادت ثالثہ جزو اذان نہیں ہے لیکن تبرکاً اور بقصد ثواب کہنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے لیکن کچھ معاصرین فقہا نے اسے جزو اذان بھی قرار دیا ہے۔ چند ایک کے اسمائے گرامی ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ آیۃ اللہ عبد النبی عراقی نے اپنی فقہ کی استدلالی بحث میں دس دلائل اس بات کے دیئے ہیں کہ دیگر فصول اذان کی طرح شہادت ثالثہ بھی جزو اذان ہے۔ آپ کے یہ درس آپ کے ایک شاگرد نے جمع کر کے شائع کئے ہیں۔ جو الہدایۃ فی کون الشہادہ بالولایۃ فی الاذان والاقامۃ جزء کسائر الاجزاء۔

۲۔ آیۃ اللہ میرزا آقا اصطہباناتی نے اپنے رسالہ شرح رسالۃ الحقوق جلد ۲ صفحہ ۱۰۳ میں اذان و اقامت میں شہادت ثالثہ کو جزو قرار دیا ہے۔

۳۔ آیۃ اللہ سید محمد شیرازی نے اپنے عملیہ میں شہادت ثالثہ کو جزو اذان قرار دیا ہے۔

بعض فقہا نے قطعی اور حتمی طور پر شہادت ثالثہ کے جزو اذان ہونے کا

۱ - علامہ مجلسی۔
۲ - علامہ نعمت اللہ جزائری ۔
۳ - سید علی طباطبائی صاحب ریاض
۴ - فاضل نراقی
۵ - حجۃ الاسلام شفتی
۶ - علامہ محمد حسن صاحب جواہر
۷ - شیخ مرتضیٰ انصاری
۸ - میرزا محمد حسن شیرازی
۹ - علامہ سید اسماعیل حیدر
۱۰ - سید محمد کاظم یزدی صاحب عروہ
۱۱ - علامہ میرزا محمد تقی شیرازی
۱۲ - ملا علی زنجانی - در شرح قواعد
۱۳ - شیخ عبداللہ مازندرانی
۱۴ - شیخ احمد کاشف الغطاء
۱۵ - سید حسن حیدر
۱۶ - سید عبدالحسین شرف الدین
۱۷ - شیخ محمد حسین مظفر
۱۸ - آیۃ اللہ بروجردی
۱۹ - آیۃ اللہ سید الهادی شیرازی
۲۰ - آیۃ اللہ ابوالقاسم خوئی

بعض فقہائے نے استحباب یا عدم استحباب کی تعبیر کے بغیر شہادت ثالثہ کو کہنا

۱ - علامہ مجلسی۔
۲ - علامہ نعمت اللہ جزائری -
۳ - سید علی طبا طبائی صاحب ریاض
۴ - فاضل نراقی
۵ - حجۃ الاسلام شفتی
۶ - علامہ محمد حسن صاحب جواہر
۷ - شیخ مرتضیٰ انصاری
۸ - میرزا محمد حسن شیرازی
۹ - علامہ سید اسماعیل حیدر
۱۰ - سید محمد کاظم یزدی صاحب عروہ
۱۱ - علامہ میرزا محمد تقی شیرازی
۱۲ - ملا علی زنجانی - در شرح قواعد
۱۳ - شیخ عبداللہ مازندرانی
۱۴ - شیخ احمد کاشف الغطاء
۱۵ - سید حسن حیدر
۱۶ - سید عبدالحسین شرف الدین
۱۷ - شیخ محمد حسین مظفر
۱۸ - آیۃ اللہ بروجردی
۱۹ - آیۃ اللہ سید الھادی شیرازی
۲۰ - آیۃ اللہ ابوالقاسم خوئی

بعض فقہائے نے استحباب یا عدم استحباب کی تعبیر کے بغیر شہادت ثالثہ کو کہنا

باعث ثواب قرار دیا ہے:

۱۔ آیۃ اللہ نائینی
۲۔ آیۃ اللہ ابوالحسن اصفہانی
۳۔ آیۃ اللہ محمد تقی خوانساری
۴۔ آیۃ اللہ خوانساری
۵۔ آیۃ اللہ قمی
۶۔ آیۃ اللہ گلپائیگانی
۷۔ آیۃ اللہ شریعتمداری

● بعض فقہاء مثلاً محقق ہمدانی وغیرہم نے امتثال عمومات کے ذیل میں شہادت ثالثہ کہنے کا حکم دیا ہے۔

● بعض فقہا، مثلاً آیۃ اللہ خراسانی اور آقائے عبدالکریم حائری نے رجحان فی نفسہ کے اعتبار سے شہادت ثالثہ کہنے کا حکم دیا ہے۔

● آیۃ اللہ مامقانی جیسے بعض فقہاء نے بطور تبرک شہادت ثالثہ کہنے کا حکم دیا ہے۔

● آیۃ اللہ بحرالعلوم نے منظومہ میں اور آیۃ اللہ میلانی نے حاشیہ عروہ پہ شہادت ثالثہ کو شہادت توحید و رسالت کا تکمیل کنندہ قرار دیا ہے۔

● آیۃ اللہ ابوالحسن قزوینی نے فرمایا ہے کہ اگرچہ شہادت ثالثہ جزو اذان و اقامت میں ہے لیکن ولایت پہ اظہار ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ شہادت ثالثہ کو اذان و اقامت ادا کیا جائے۔

● ذخیرۃ العباد میں آیۃ اللہ سمنانی نے شہادت توحید و رسالت کی قبولیت اور صحت کے لئے شہادت ثالثہ کو ضروری قرار دیا ہے۔

● شرح رسالۃ الحقوق کے مطابق آیۃ اللہ مرزا باقر زنجانی فرماتے ہیں شیعہ نوجوانوں پر واجب ہے کہ اپنے سلف صالحین کی پیروی کرتے ہوئے شہادت ثالثہ کے اذان و اقامت میں شہادت کو کبھی ترک نہ کریں۔ فقہانے اس کے استحباب کا فتویٰ دیا ہے اور کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس فتویٰ میں کیڑے نکالے۔

● خیرالامور قلمی نسخہ میں آیۃ اللہ سید احمد زنجانی رقمطراز ہیں۔ شہادت ثالثہ کا تذکرہ حضرت علی کی عظمت شان اور خاندان ولایت مطلقہ سے اظہار ربط و محبت کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

شہادتِ ثالثہ کیسے ؟

اب سوال یہ ہے کہ شہادت ثالثہ خواہ جزو اذان و اقامت ہو یا مستحب ہو یا بقصد ثواب کہی جائے کوئی بدنصیب یہ تو نہیں کہتا کہ سرے سے اسے اذان و اقامت میں کہا ہی نہ جائے جب کہنا ہے تو کس طرح کہا جائے اور الفاظ کیا ہوں ؟

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو ان میں دو طرح سے شہادت ثالثہ مروی ہے۔

۱۔ اشہد ان علیا ولی اللہ ۲۔ اشہد ان علیا امیرالمومنین

ان دو میں سے جو کہا جائے عمومات معصومین کی اطاعت ہو جاتی ہے اور شہادت ایمانی کا اعلان و اظہار بھی ہو جاتا ہے۔

● بعض فقہائے ان ہر دو منقول کلمات کو جمع کر کے فرمایا ہے کہ اس طرح کہا جائے اشہد ان علیا امیرالمومنین ولی اللہ۔

جن فقہانے اس کی تصریح کی ہے ان میں سے آیۃ اللہ شفتی نے تحفۃ الابرار کے قلمی نسخہ میں اور آیۃ اللہ بار فردستی نے شعائرالاسلام میں بھی فرمایا ہے۔

● عصر حاضر کے ایک عظیم اور جلیل القدر مرجع آیۃ اللہ سید محمد کاظم شریعتمدار نے اپنے علمیہ ہدایت العباد ص۵۲ میں فرمایا ہے کہ ۔ بہتر یہ ہے کہ شہادت ثالثہ میں حضرت علی کے ساتھ دیگر ائمہ معصومین کو بھی شامل کر لیا جائے ۔

جہاں تک مختصر سے وقت میں محدود وسائل کے پیش نظر ہم سے ممکن تھا اس کا خلاصہ پیش کر دیا ہے ۔ ویسے شائقین اگر اس موضوع پر لکھی کتب کا تفصیل سے مطالعہ فرمائیں تو انہیں بھی بہت کچھ مل سکتا ہے ۔

مزید معلومات کے لئے حسب ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے :۔

۱ ۔ سر الایمان : از سید عبدالرزاق معترم ۔
۲ ۔ شہادت ثالثہ در اذان و اقامت : از محمد ابن ابراہیم مظفری ۔
۳ ۔ کلمات الاعلام حول جواز الشہادۃ بالولایۃ : از رضا استادی ۔
۴ ۔ الہدایۃ فی کون الشہادۃ بالولایۃ فی الاذان والاقامۃ جزءً کسائر الاجزاء

مترجم اثیر جاڑوی : شہادت ثالثہ کے متعلق جو علی اکبر صدری پوری نے مختصر سا مواد پیش کیا ہے میرے خیال میں ایک شریف النفس شیعہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے ۔ علامہ مجلسی سے لیکر آیۃ اللہ خوئی تک تمام اساتین مسلک جعفریہ کے واضح ارشادات ، فرامین ائمہ معصومین اور عمل سلمان و ابوذر کی نبوی تصدیق کے بعد بھی اگر کوئی بد نصیب شہادت ثالثہ پر بحث کرے اور چند نام نہاد لباس علماء میں ملبوس ننگ قوم و مسلک احساس کمتری کے کچلے ہوئے متکبر ، رسوائے زمانہ عمامہ پوش ۔ حرص و آز کے پیکر ۔ محقق ہونے کے جھوٹے مدعی ۔ سستی شہرت کی دلدل میں پھنسے ہوئے بھیڑ نما بھیڑیوں کو علمائے محققین سمجھ کر ان کے مقابلہ میں علامہ مجلسی سے لیکر آیۃ اللہ خوئی جیسے سرمایۂ مذہب کی تحقیق کو ٹھکرا دے تو صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ چون ہمیں مکتب و ہمیں ملاں ۔ کار طفلاں تمام خواہد شد ۔ اعاذنا اللہ من شر ھولاء الاشقیاء الاشرار ۔

۶

جواب شہادت

فاضل مصنف جزیرۂ خضراء سرکار ناجی نجار نے اپنی کتاب کا ایک حصہ جزیرۂ خضراء پر ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات کے لئے مخصوص فرمایا ہے جو دوسری اشاعت میں شائع ہونے والے ہیں۔ انہوں نے دسیوں صفحات کا اضافہ کیا ہے اور جن افراد نے جزیرۂ خضراء پر اعتراض و تنقید کی ہے ان کے جواب دیئے ہیں۔ ہم ذیل میں بطور خلاصہ کچھ عرض کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے قارئین کو مصنف علام کی کتاب الجزیرۃ الخضراء و قضیۃ مثلث برمودا۔ کے حوالے کرتے ہیں۔

ہماری معلومات کے مطابق آج تک پانچ افراد نے تحریری طور پر جزیرۂ خضراء پر تنقید و اعتراضات کئے ہیں:۔

۱۔ علی نقی منزوی

محقق بزرگ دانائے روزگار اور اپنے وقت کے مقدس و پرہیزگار المعروف آقائے بزرگ طہرانی نے اپنی مایۂ ناز تالیف الذریعہ جلد ۴ صفحہ ۹۳، جلد ۵ صفحہ ۱۰۵ اور جلد ۱۶ صفحہ ۳۴۳ میں جزیرۂ خضراء سے بحث کی ہے اور جزیرۂ خضراء کو بطور ایک ناقابل تردید حقیقت کے پیش کیا ہے۔

لیکن بدقسمتی سے ان کے فرزند علی نقی منزوی نے الذریعہ کو مجلس شورائے

ملی پریس طہران سے شائع کراتے وقت انہوں نے فٹ نوٹس میں ایسے حواشی چڑھائے جو مؤلف اعلیٰ اللہ مقامہ الشریف کی مرضی کے قطعی خلاف ہیں۔ اندازہ یہی ہے کہ دیگر حواشی کی نسبت ان کی نگاہ شفقت نے جزیرۂ خضراء پر زیادہ توجہ دی ہے اور انہوں نے اپنے حواشی میں جزیرۂ خضراء کو ایک افسانہ اور رومانٹک کہانی کے طور پر پیش کرنے کی ناکام کوشش کر ڈالی ہے۔

میں نے الذریعہ اور اس کے فٹ نوٹس کا جس قدر مطالعہ کیا ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ فٹ نوٹس یقیناً مصنف کے نہیں ہیں کیونکہ حواشی اور متن میں واضح تضاد موجود ہے جبکہ کوئی مصنف متن کی تردید حاشیہ میں نہیں کرتا۔

آقائے بزرگ طہرانی نے چھٹی جلد میں حدیقۃ الشیعہ جیسی گرانقدر تصنیف کو مقدس اردبیلی کی تصنیف ثابت کیا ہے اور اپنی تائید امل الآمل۔ اللؤلؤہ اور البلغہ سے بھی پیش کی ہے۔ اپنی طرف سے ایسے قرائن وشواہد بھی پیش کئے ہیں کہ حدیقۃ الشیعہ مقدس اردبیلی کی تصنیف ہے اور مرزا معصوم علی کے اس نظریہ کو کہ حدیقۃ الشیعہ۔ مقدس اردبیلی کی تصنیف نہیں ہے۔ سختی سے رد کیا ہے۔

جبکہ ان کے فرزند علی نقی منزوی نے فٹ نوٹ میں آسمان اور ریسمان کو آپس میں باہم کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے والد بزرگ طہرانی کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ مقدس اردبیلی جیسا محقق ایسی کتاب لکھے جس میں جزیرۂ خضراء جیسا افسانہ ہو؟ جبکہ جزیرۂ خضراء کی سند میں کافی بڑا اشتباہ ہے اور جزیرۂ خضراء کو حقیقت سمجھنا ایسے ہے جیسے ماں کسی مردہ بچے کو ہنسانے کی بیکار کوشش کر رہی ہو۔

حدیقۃ الشیعہ کی اس طرح بے سروپا الزامات سے تردید سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو جزیرۂ خضراء سے مخصوص قسم کی کوئی عداوت ہے جس کی وجہ سے وہ

ہر پھر کر ہر بات کو جزیرۂ خضراء کی مخالفت پر منطبق کرنے کی نامشکور کوشش کرتے ہیں۔
الذریعہ کی جس جلد میں آٹھویں صدی کے۔ طبقات اعلام الشیعہ۔ کا شمار کیا گیا ہے اور آقائے بزرگ طہرانی نے علی ابن فاضل اور فضل ابن یحییٰ کے تفصیلی حالات درج کئے ہیں ان حالات کے فٹ نوٹ میں علی نقی منزوی نے لکھا ہے کہ۔ یہ صرف خیالی پلاؤ اور رومان انگیز افسانہ ہے۔

یہ کتاب الذریعہ ۱۹۷۵ء میں بیروت سے شائع ہوئی ہے جبکہ مؤلف علام ۲۰ فروری ۱۹۷۰ء کو دار باقی کی طرف منتقل ہو چکے تھے۔ جیسا کہ کتاب کے صفحہ اول پر لکھا ہے کہ مؤلف کے فرزند نے نظر ثانی اور تحقیق کی ہے جبکہ ہمارے خیال میں تحقیق نہیں بلکہ تحریف کی ہے۔

مؤلف کے فرزند جناب علی نقی منزوی نے طبقات اعلام الشیعہ سے متعلق جلد اول کے مقدمہ میں جو کچھ لکھا ہے اسے انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:۔

مؤلف علام نے سامرا سے ہجرت کے بعد الذریعہ کی جلد اول ۱۹۳۶ء میں جلد دوم ۱۹۳۷ء اور جلد سوم ۱۹۳۸ء میں اپنی زیر نگرانی شائع کرائی۔ جب دوسری جنگ عظیم ختم ہو گئی ایران کے حالات معمول پر آگئے تو مجھے اعلیٰ تعلیم کے لئے ایران بھیج دیا اور کتاب کے جملہ مسودات میرے ساتھ ایران بھیج دیئے۔ میں نے اضافہ جات کے ساتھ اسے شائع کرنا شروع کیا اور پندرھویں جلد تک پہنچا ہوں۔

آپ نے علی نقی کا بیان پڑھ لیا ہے جس میں موصوف نے اعتراف کیا ہے کہ۔ الذریعہ۔ میں جو فہرستیں دی گئی ہیں وہ علی نقی اور احمد منزوی کے قلم سے بطور اضافہ شامل کی گئی ہیں۔

ان کے اپنے اعتراف کے بعد نہ صرف ہمارے دعویٰ کی تصدیق ہو جاتی ہے بلکہ بلا تردید کہا جا سکتا ہے کہ فٹ نوٹس کے تمام کے تمام مولف علام کے فرزند کے قلم نے اگلے ہیں۔

۱۔ فٹ نوٹس متن کتاب سے قطعی مختلف ہیں۔

۲۔ بعض مقامات پر اضافہ کے بعد وضاحت سے لکھ دیا گیا ہے۔ از مصحح۔ یعنی مؤلف کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ تصحیح کنندہ یعنی علی نقی فرزند مصنف کے ہیں۔

۳۔ آیۃ اللہ آقا بزرگ طہرانی کے دو قریبی دوستوں نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم نے مسلسل کئی مرتبہ اعلی اللہ مقامہ الشریف سے سنا تھا وہ جزیرۂ خضراء کی داستان کو حقیقت واقعیہ سمجھتے تھے۔

۴۔ آقائے بزرگ طہرانی کے دل میں جزیرۂ خضراء کا عشق اس حد تک تھا کہ آیۃ اللہ مجدد شیرازی کی سامرا میں اقامت سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

> جب آقائے مجدد شیرازی کے سامرا میں اقامت کا قطعی فیصلہ کی اطلاع سُنی گئی تو ان کے مقرب ترین شاگرد بھی سامرا منتقل ہو گئے اور سامرا معنویت اور روحانیت میں دوسرا جزیرۂ خضراء بن گیا۔

مگر بایں ہمہ ہمارے لئے خوش نصیبی اور خوش قسمتی کی جو بات ہے وہ یہ ہے کہ جتنی بھی تحریف تصحیف کی گئی ہے وہ فٹ نوٹس میں ہوئی ہے۔ الذریعہ کا متن صحیح و سالم رہا ہے۔ لیکن ایک مقام انتہائی حسرت و افسوس کا ہے کہ۔ طبقات اعلام الشیعہ کی جلد میں الذریعہ کے متن کو تختۂ مشق بنا کر اس میں تحریف کر دی گئی ہے۔

الذریعہ کی جلد پنجم طبقات اعلام الشیعہ جو آٹھویں صدی کے اعلام سے متعلق ہے میں سات مقامات پر جزیرۂ خضراء سے بحث کی گئی ہے۔

۱۔ احمد ابن محمد ابن علی اربلی کے زیر عنوان ص۱۲ پر

۲۔ حسن ابن علی مازندرانی کے زیر عنوان ص۴۳ پر

۳۔ عبداللہ ابن حوزم حلی کے زیر عنوان ص۱۲۰ پر

۴ - علی ابن فاضل مازندرانی کے زیر عنوان ص۱۴۵ پر

۵ - علی ابن ابی الہیبی، اربلی کے زیر عنوان ص۱۵۲ پر

۶ - فضل ابن یحییٰ طیبی کے زیر عنوان ص۱۶۰ پر اور

۷ - محمد ابن نجیح حلی کے زیر عنوان ص۲۰۵ پر

ان مقامات میں سے مقام اول، مقام دوم اور مقام پنجم جناب منزوی کی نظر عنایت سے بالکل محفوظ رہے ہیں اوران میں کوئی تحریف نہیں کی نہ متن میں نہ فٹ نوٹ میں۔ مقام سوم میں متن کو معاف کر دیا ہے لیکن فٹ نوٹ میں جزیرۂ خضراء کے واقعہ کو افسانہ سے تعبیر کیا ہے جبکہ چوتھے - چھٹے اور ساتویں مقام پر متن میں دست تحریف بڑھا کر اسے افسانہ اور خانہ ساز واقعہ سے تعبیر کیا ہے - اور واقعہ جزیرۂ خضراءٔ کے راوی حضرات کو خیالی افراد قرار دیا ہے -

دردِ دل :

جب ہم کتاب الذریعہ میں تحریف کا تذکرہ کر رہے تھے تو دل میں اک ہوک سی اُٹھی اور کسی طرف سے درد نے آلیا - مناسب ہوگا اگر ہم اپنے تمام قارئین کی خدمت میں بالعموم اور ارباب لبست وکشاد کی خدمت عالیہ میں بالخصوص اپنے درد جگر کو پیش کر دیں تاکہ ممکن ہے اس فریاد پر کوئی بندۂ خدا کان دھرلے اور اس طرف خصوصی توجہ سے اس مذموم کوشش کے روکنے کی سعی ممدوح کرے -

سلف صالحین کے آثار اور باقیات صالحات میں تحریف کرنا ایک انتہائی ناقابل معافی جرم ہے جو ایک عرصے سے ہوتا چلا آرہا ہے - ہمارے گرانقدر اسلاف نے قدم قدم پر اس مجرمانہ عمل کی کڑی نگرانی کی ہے اور امکانی کوشش کی ہے کہ ہماری گرانقدر تالیفات کسی تغیر وتحریف سے محفوظ رہیں - لیکن انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا

ہے کہ کچھ مریض القلب افراد نے مرجع اور ماخذ کتب میں دست اندازی کی ہے مثلاً مکاسب کی جدید طبع ملاحظہ فرمائیے :-

مکاسب شیخ مرتضیٰ انصاری کی وہ گرانقدر تصنیف ہے جو حوزہ علمیہ میں سالہا سال سے بطور نصاب تدریس شامل ہے اور اعلیٰ سطح کے متعلمین مکاسب کو دو مرتبہ پڑھتے ہیں - ایک مرتبہ تو فقہی اور استدلالی کتاب کے عنوان سے پڑھتے ہیں اور دوسری مرتبہ کم و بیش آٹھ دس سال میں درس خارج کے عنوان سے پڑھتے ہیں - اور اس عنوان سے تدریس مراجع تقلید اور فقہائے والا قدر ہی سے مخصوص ہے -

یہ کتاب دسیوں مرتبہ مستقل عنوان سے اور سینکڑوں مرتبہ شرح و حواشی کے ذیل میں شائع ہو چکی ہے - آخری مرتبہ یہ کتاب آقائے کلانتر کی تحقیق و حواشی سے نو جلدوں میں شائع ہوئی ہے جو مکاسب کلانتر کے نام سے معروف ہے - اس اشاعت میں کئی مقامات پر تحریف کی گئی ہے - خصوصاً ایسے مقامات پر خصوصی نظر عنایت کی گئی ہے جس کا تعلق دشمنان آل محمد سے تھا -

حالانکہ آقائے کلانتر اگر چاہتے تو دیانت کا خیال کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار فٹ نوٹ میں کر سکتے تھے - مثال کے طور پر آپ مکاسب کلانتر کی جلد سوم ملاحظہ فرما سکتے ہیں جس میں ایک پوری کی پوری فصل کو اڑا دیا گیا ہے -

جہاں تک ہم سمجھتے ہیں کہ ایک سوچی سمجھی سکیم اور کسی منظم پلاننگ کے ماتحت ایسا ہو رہا ہے اور یہ اس پلان کی تمہید اور نقطۂ آغاز ہے - اگر تحریف کا یہی سلسلہ جاری رہا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک دن شیعہ اپنے ہاتھوں سے اپنے ایک وافر اور شدید احتیاج کے حامل مواد سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے -

اس تحریف کا ایک اور نمونہ صحیفۂ سجادیہ جو - دار القرآن الاسلامی بیروت نے شائع کیا ہے اسے دو سو اسٹھ صفحات میں شائع کیا گیا ہے اس میں باہتمام وہ

مطالب جو مریض القلب ناشرین کے عقیدہ یا حلب زر کے خلاف تھے انہیں حذف کر دیا گیا ہے ۔ تصدیق کے لئے آپ فیض الاسلام صفحہ ۲۲ ملاحظہ فرما سکتے ہیں ۔

۲۔ قاضی طباطبائی :۔

سید نعمت اللہ جزائری نے انوار نعمانیہ میں حضرت حجت کی غیبت سے متعلق ایک علیحدہ باب لکھا ہے اور اس ضمن میں انہوں نے انباری کے ذریعہ سے ایک عیسائی تاجر کی داستان لکھی ہے ۔ جناب سید محمد علی قاضی نے اس کتاب میں اس داستان کے فٹ نوٹ میں بعینہ وہ عبارت لکھی ہے جو سابقاً ہم نے علی نقی منزوی کے حوالے سے الذریعہ کے فٹ نوٹ میں پیش کی ہے ۔ موصوف نے اس روایت کو آقا بزرگ طہرانی سے منسوب کر کے تحقیق انیس کا عنوان دیا ہے ۔

انہوں نے اس فٹ نوٹ میں حدیقۃ الشیعہ کو ضعیف اور ناقابل اعتماد بھی بتایا ہے اور یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ حدیقۃ الشیعہ مقدس اردبیلی کی تصنیف ہے اور اس کی نسبت بھی الذریعہ کی طرف دی ہے حالانکہ قبل ازیں ہم آقائے بزرگ طہرانی کا نظریہ پیش کر چکے ہیں ۔ کہ انہیں اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ۔ حدیقۃ الشیعہ مقدس اردبیلی ہی کی تصنیف ہے ۔ اور حاشیہ میں حدیقہ کے مصنف اردبیلی کی تصنیف نہ ہونے کا جو کہا گیا ہے وہ آقائے بزرگ طہرانی کا نظریہ نہیں بلکہ علی نقی منزوی کا خیال ہے جسے علی نقی نے مصحح کے الفاظ سے اضافہ کیا ہے ۔ بنا برین حدیقہ کو مقدس اردبیلی سے نفی کی نسبت کو آقائے بزرگ طہرانی کی طرف منسوب کرنے کی کوئی قیمت نہیں رہتی ۔

مرحوم شیخ عاملی صاحب وسائل الشیعہ نے اپنی گرانقدر تصنیف الاثنا عشریہ

بیس دسیوں مقامات پر حدیقۃ الشیعہ سے حدیثیں نقل کی ہیں اور اسے مقدس اردبیلی کی تصنیفات سے شمار کیا ہے۔ اور بعض نام نہاد محققین کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے:

کچھ صوفی حضرات اور کچھ صوفی گر حضرات مقدس اردبیلی کے مقام عظیم کو پست کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور کچھ لوگوں نے حدیقۃ الشیعہ کو مقدس اردبیلی سے نفی کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ ان کی یہ نفی چند وجوہ کی بناء پر بے بنیاد اور غلط ہے۔ اس کے بعد حدیقۃ الشیعہ کی مقدس اردبیلی کی تصنیف ہونے کے چھ دلائل دیئے ہیں۔

ہم نے پہلے بھی بتا دیا ہے کہ حدیقۃ الشیعہ میں جزیرۂ خضرا سے متعلق کوئی گفتگو نہیں ہے صرف انباری کی معروف داستان ہے جس سے علی نقی منزوی کو اشتباہ ہوا ہے اور جناب قاضی طبا طبائی نے علی نقی منزوی کی تحقیقات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

جزیرۂ خضرا کی داستان بھی اسی طرح ہے اور اس داستان کو کتابوں میں تحریر کرنے کا مقصد صرف حضرت حجت کی زندگی کو اس دنیا میں ناممکن بتلانے کے دلائل کا صرف ایک جواب ہے۔ بحرابیض میں کسی خضرا نامی جزیرہ کا تخیل بھی اسی انداز فکر کا شاخسانہ ہے ورنہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جب انسان نے کرۂ ارض کے کسی خشک یا تر مقام کو نہیں چھوڑا اور ہر جگہ پہنچ گیا ہے خضرا نامی جزیرہ کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔

ہاں اگر یہ کہا جائے کہ خضرا نامی جزیرہ دوسروں کی نگاہ سے غائب ہے اور کسی کے لئے وہاں جانا مشکل ہے تو ایسا ہو سکتا ہے لیکن یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور کوئی بھی دعویٰ بلا دلیل نہ ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی قابلِ تسلیم۔

بصد افسوس کہنا پڑتا ہے کہ جناب قاضی نے اس سلسلہ میں کئی ٹھوکریں

کھائی ہیں۔

۱۔ پہلی ٹھوکر تو یہ کھائی ہے کہ انہوں نے بلا وجہ جزیرۂ خضرا کی داستان کو ایک عیسائی تاجر کی داستان سے تشبیہ دے دی ہے۔ جبکہ ان دونوں داستانوں میں مشابہت کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے کیونکہ جناب قاضی نے جزیرۂ خضراء کی داستان میں حسب ذیل نکات کو مدنظر نہیں رکھا۔

ا۔ جزیرۂ خضرا کی داستان کتب حدیث میں مندرج ہے۔

ب۔ جزیرۂ خضراء کی داستان کو شہید اول جیسے فقیہ عالی قدر نے موثق سمجھ کر اپنے قلم سے نقل کیا ہے۔

ج۔ وحید بہبہانی جیسے محقق وقت نے جزیرۂ خضرا کی داستان کو اساس بنا کر زمانۂ غیبت میں عدم وجوب جمعہ کا فتویٰ دیا ہے۔

د۔ علمائے رجال نے اس حدیث جزیرۂ خضراء کی اساس پر چند افراد کی فضیلت کے گن گائے ہیں۔

جبکہ آج تک داستانِ انباری کو کسی نے پوچھا تک نہیں ہے۔

۲۔ داستانِ جزیرۂ خضراء کے بیان کرنے کا مقصد فقط حضرت حجت کی طویل زندگی کے عدم امکان کو رفع کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اس داستان کی ذاتی عظمت ہے۔ کیونکہ

ا۔ قوم شیعہ کا ایک عظیم دانشمند داستان جزیرۂ خضراء کا ہیرو ہے۔

ب۔ شیخ حر عاملی جیسے ملت شیعہ کے عظیم ثبوت نے داستانِ جزیرۂ خضراء کی توثیق کی ہے۔

ج۔ داستان جزیرۂ خضراء کا راوی وہ جلیل القدر شخص ہے جس کی تعریف آیۃ اللہ خوئی جیسے ذمہ دار مرجع وقت نے کی ہے۔

د - داستان جزیرۂ خضرا کو مذہب شیعہ کے گرانقدر محقق - کرکی - نے اسے ترجمہ کرکے نشر کیا ہے -

ھ - وحید بہبہانی جیسے خداترس اور محقق روزگار نے داستانِ جزیرۂ خضراء کو بنیاد بناکر ایک اہم شرعی فتویٰ دیا ہے -

و - صاحب روضات الجنات - صاحب مقابس اور صاحب کشف القناع جیسے شیعہ علمائے رجال نے داستان جزیرۂ خضرا کو حجت تسلیم کیا ہے -

ز - علامۂ وقت اور جلیل القدر محتاط محدث صاحب وسائل نے عقائد سے متعلق کتاب اثبات الہداۃ میں اسے حضرت حجت کے معجزات سے شمار کیا ہے

۳ - جناب قاضی کا یہ کہنا کہ پورے کرۂ ارض کو انسان کے قدموں نے چھان مارا ہے اور خضرا نامی جزیرہ کا کوئی وجود نہیں محض ایک بے دلیل دعویٰ اور بے حقیقت دعا ہے کیونکہ کرۂ ارض چھان مارنے والے خود اعتراف کر رہے ہیں کہ تاحال کرۂ ارض کے متعدد مقامات ہماری دسترس سے باہر ہیں - انہی مقامات میں سے ایک مثلث برمودا ہے - جس کے متعلق سابقاً تفصیل سے بحث کی جاچکی ہے -

۴ - جناب قاضی کا یہ کہنا کہ - جزیرۂ خضراء مخفی ہو - قطعی غلط ہے - نہ تو جزیرۂ خضراء مخفی ہے اور نہ پوشیدہ - البتہ کوئی دشمن وہاں تک نہیں پہنچ سکتا - اور جس طرف سے بھی کوئی ... جاہے خواہ بحری راستہ ہو یا ہوائی - غرقاب ہوکر بحر اطلس کی گہرائیوں میں ڈوب جاتا ہے - جیسا کہ دوسرے حصوں میں ہم ان واقعات کی تفصیل عرض کرچکے ہیں -

۵ - جناب قاضی صاحب کا یہ کہنا کہ اغیار کے لئے وہاں جانے کی کوئی راہ نہیں ہے - بالکل درست ہے - اور یہ دعویٰ صرف دعویٰ نہیں ہے بلکہ سینکڑوں ہوائی جہازوں کا لاپتہ ہو جانا اور سینکڑوں تحقیقاتی کشتیوں کا اس علاقہ میں غرقاب

ہوجانا ہمارے دعویٰ کی ناقابلِ تردید دلیل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ

این مدعیان در طلبش بے خبرانند ۔ آنرا کہ خبر شد خبرے باز نیامد

اس کی تلاش میں مارے مارے پھرنے والے اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ جسے اس کا سراغ مل گیا پھر اس کی کوئی اطلاع نہ مل سکی۔

۳۔ شیخ محمد تقی تستری :۔

محقق معاصر صاحب قاموس الرجال اپنی گرانقدر تالیف الاخبار الدخیلہ میں جزیرۂ خضراء کی داستان پر چند اعتراضات کرتے ہیں۔ ان کے اپنے الفاظ میں سُنئے :

داستان جزیرۂ خضراء کا وضعی اور خانہ ساز ہونا حسب ذیل وجوہ کی بناء پر ثابت ہے :۔

۱۔ اس داستان میں حسان ابن ثابت کو قاریوں سے شمار کیا گیا ہے حالانکہ حسان کا بھائی زید ابن ثابت قاری تھا اور حسان شاعر تھا۔ حسان کے علاوہ دوسرے جن افراد کا نام لیا گیا ہے ان میں بھی صرف عبداللہ ابن مسعود اور ابی قاری تھے اور کوئی بھی قاری نہ تھا۔

۲۔ اس داستان میں ابو سعید خدری کو ابو عبیدہ کے ساتھ شمار کیا گیا ہے حالانکہ ابو سعید محبانِ اہلبیت سے اور ابو عبیدہ دشمنان اہلبیت سے تھا۔

۳۔ اس داستان میں کلینی۔ ابن بابویہ۔ مرتضیٰ۔ طوسی اور محقق کو ایسے علمائے شیعہ سے بتایا گیا ہے جو جزیرۂ خضراء میں متعارف تھے۔ کہ یہی علماء حضرت حجت سے اخذ مسائل کر سکتے ہیں۔ بھلا اس میں کونسا لازمہ ہے کہ یہی ہوں اور دوسرا کوئی نہ ہو جبکہ ان پانچوں کے فتاویٰ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اگر

جزیرۂ خضرا میں صرف ان پانچ کا نام لیا جاتا ہے تو دوسروں کا کیوں نہیں لیا جاتا۔ مثلاً شیخ مفید ہیں جن کے لئے ناحیہ مقدسہ سے خصوصی توقیع بھی وارد ہے۔

۴۔ اس داستان کی سند بھی قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

رفع اشتباہ :-

پہلے اعتراض میں جناب تستری کو اشتباہ ہوا ہے۔ اور وہ یوں کہ انہوں نے تمام ان افراد کو قاری سمجھ لیا ہے جو اس وقت موجود تھے حالانکہ ایسا نہیں۔ اس داستان کے اسی ٹکڑے کو آپ ایک مرتبہ پھر ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ جناب تستری خود اشتباہ کا شکار ہوئے ہیں۔ لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔

— سید شمس الدین فرماتے ہیں۔ حجۃ الوداع کے بعد جبریل نے آکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ تلاوت فرمائیں تاکہ حکم خالق سے میں آپ کو ہر سورہ کے آغاز و انجام کی تعیین کردوں۔ اور ہر آیت کا شانِ نزول بھی ذات احدیت کی طرف سے بتادوں۔ اس وقت حضرت علی۔ امام حسن۔ امام حسین۔ ابی ابن کعب۔ عبداللہ ابن مسعود۔ حذیفہ یمان۔ جابر ابن عبداللہ انصاری۔ ابوسعید خدری۔ حسان ابن ثابت اور دیگر محترم صحابہ آپ کے گرد جمع ہوگئے۔ نبی اکرم نے قرآن کریم کی اول سے آخر تک تلاوت فرمائی۔ جہاں کہیں اختلاف قرأت تھا جبریل نے نشاندہی کی۔ اور حضرت علی نے چمڑے پر لکھ لیا۔ لہٰذا تمام قرآن امیرالمومنین علی کی قرأت ہے۔

● بھلا اس عبارت میں کہیں یہ بتایا ہے کہ حسان ابن ثابت بھی بحیثیت قاری کے شریک تھا۔ تاکہ جناب تستری یا اور کوئی اعتراض کرے۔ اس عبارت میں تو صرف اس قدر بتایا گیا ہے کہ حسان شریک محفل تھا اور بس۔

• جناب تستری اس جگہ ایک اور بہت بڑے اشتباہ کا شکار ہوئے ہیں جو ان سے قطعی بعید نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انہیں یہ اشتباہ ہوا ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے حسان ابن ثابت اور زید ابن ثابت دونوں کو بھائی سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ دونوں ہرگز بھائی نہیں ہیں۔ کہیں آٹھویں پشت میں جاکر ان دونوں کا شجرۂ نسب مالک ابن نجار پر جاکر ایک ہوتا ہے۔ زید ثابت ابن ضحاک کا بیٹا ہے اور حسان ثابت ابن منذر کا لڑکا ہے۔

• دوسرا اعتراض بھی جناب تستری کے اشتباہ ہی کا نتیجہ ہے کیونکہ داستان کا متن اس طرح ہے —

خلیفہ اول نے مسلمانوں میں اعلان کیا کہ جس کسی کے پاس قرآن کی کوئی آیت یا سورہ ہو وہ لائے۔ اس وقت ابو عبیدہ جراح۔ عثمان۔ سعد وقاص۔ معاویہ عبدالرحمٰن ابن عوف۔ طلحہ۔ ابو سعید خدری۔ حسان ابن ثابت۔ اور دیگر مسلمان اس کے پاس گئے اور یہ قرآن جمع ہوا۔

اس داستان میں ابو سعید اور ابو عبیدہ کا کیا ساتھ ہے؟ اگر جناب تستری کے اعتراض کا مقصد یہ ہے کہ ابو سعید۔ ابو عبیدہ کے ہمراہ خلیفہ اول کے پاس کیوں گیا؟ تو یہ بات ہرگز قابل اعتراض نہیں ہے کیونکہ ہر مسلمان پر واجب تھا کہ وہ تحفظ قرآن کی خاطر کوشش کرتا۔ وہاں بات محبت یا عداوت اہلبیت کی نہ تھی تحفظ قرآن کی تھی۔

• موصوف کا تیسرا اعتراض بھی بے وزن سا ہے کیونکہ علی ابن فاضل نے یہ نہیں کہا کہ جزیرۂ خضراء سے ان پانچ کے علاوہ کسی اور شیعہ عالم ہی نہیں سمجھتے یا علی ابن فاضل نے یہ بھی نہیں کہا کہ سید شمس الدین یا حضرت حجت نے ان پانچ کے علاوہ دیگر علماء کے شیعہ ہونے یا عالم ہونے کی نفی کی ہے بلکہ علی ابن فاضل نے یہ بتایا

ہے کہ وہاں نام ان پانچ کا لیا گیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ علی ابن فاضل کو وہاں رہنے کا موقعہ کتنا ملا؟ داستان سے صاف ظاہر ہے کہ چند روز تھے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ علی ابن فاضل کے دوران قیام ذکر ہی صرف انہی پانچ کا ہوا ہو اور ایسی کوئی بات یا موضوع نہ چھڑا ہو جس میں دوسروں کا نام لیا جاتا۔ کیونکہ کسی ایک ہستی کا اثبات اس کے ماسوا کی نفی کا مستلزم نہیں ہوا کرتا۔

● جہاں تک چوتھے اعتراض کا تعلق ہے اس پر ہم مفصل گفتگو کر چکے ہیں۔ مزید دہرانے کی نہ گنجائش ہے نہ ضرورت۔

۴۔ سید محمد صدر :۔

حضرت حجت کے سلسلہ میں لکھی جانے والی کتب میں سے آخری کتاب موسوعۃ الامام المہدی ۔ ہے جو اپنے وقت کی جلیل القدر کتاب ہے۔ اس کی چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں :

۱۔ تاریخ غیبت صغریٰ

۲۔ تاریخ غیبت کبریٰ

۳۔ روز موعود۔

۴۔ تاریخ بعد از ظہور۔

ان کے مصنف شہید باقر صدر کے شاگرد اور ان کے چچازاد سید محمد صدر ہیں۔ آقائے باقر کی معروف زمانہ تصنیف ۔ بحث حول المہدی ۔ اسی موسوعۃ الامام المہدی کا مقدمہ ہے۔

فاضل معاصر موصوف نے داستانِ جزیرۂ خضراء کو داستانِ انباری سے مخلوط

کر دیا ہے اور داستان انباری میں انہیں جو بھی ضعیف نکتہ نظر آیا ہے اسے داستانِ جزیرۂ خضراء سے چپکا دیا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں وقت کے اتنے عظیم دانشمند عالم کی شان سے ایسا کرنا قطعی بعید ہے ۔

کیونکہ داستانِ انباری ۵۲۲ھ کی مروی ہے اور داستانِ جزیرۂ خضراء ۶۹۰ھ سے تعلق رکھتی ہے ۔ داستانِ جزیرۂ خضراء کا راوی ایک معروف صاحب علم اور متقی و پرہیزگار شخص فضل ابن یحییٰ ہے جس نے بلاواسطہ علی ابن فاضل سے روایت کی ہے اور علی ابن فاضل بھی معروف ترین علماء اور زاہد ترین افراد زمانہ میں ہے جس پر تمام علمائے رجال نے اعتماد وافر کا اظہار کیا ہے ۔

جبکہ داستان انباری کا بیان کنندہ ایک مجہول شخص ہے جس کے متعلق انباری کا اپنا بیان یہ ہے کہ نہ تو میں نے پہلے کبھی اسے دیکھا تھا اور نہ میں اسے پہچانتا ہوں ۔ انباری نے اس کے متعلق اگر کوئی اہمیت بتائی ہے تو وہ صرف اس قدر کہ وزیر نے اس کا بڑا احترام کیا اور اس کی ہر بات بڑی توجہ سے سُنی ۔

علاوہ ازیں داستان انباری میں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ بیان کنندہ اپنے متعلق بتاتا ہے کہ میں عیسائی ہوں ۔ اور میرے باپ نے پانچ آدمیوں کی طرف سے جزیہ دیا ۔ میری طرف سے ، اپنی طرف سے اور تین دیگر افراد کی طرف سے ۔ ان حالات میں ہم داستان انباری کو کسی بھی اعتبار سے سند نہیں بنا سکتے ۔

ویسے داستان انباری متعدد کتب میں موجود ہے جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں :

۱ ۔ جنۃ الماویٰ ۔ آیۃ اللہ نوری

۲ ۔ حدیقۃ الشیعہ ۔ آیۃ اللہ مقدس اردبیلی

۳۔ انوار النعمانیہ ۔ آیۃ اللہ جزائری۔

۴ ۔ الصراط المستقیم ۔ آیۃ اللہ علی ابن یونس ۔

۵ ۔ السلطان المفرج عن اہل ایمان ۔ آیۃ اللہ علی ابن عبد الحمید وغیرہم

اس داستان کے متن میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے یہ اندازہ کیا جاسکے کہ یہ داستان جعلی ہے ۔ لیکن راوی کا عیسائی ہونا اس داستان کے ضعف کے لئے کافی ہے۔ لیکن جب یہ احتمال آتا ہے کہ وہ شخص فی الواقع مسلمان اور شیعہ ہو ۔ اور زیر خوف اور اس علاقے میں تحفظ شیعیت کے لئے اس نے اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کیا ہو تو پھر کسی حدتک داستان کو تقویت بھی ملتی ہے ۔ غالباً اسی احتمال کی بدولت مقدس اردبیلی جیسے ذمہ دار عالم نے یہ داستان اپنی کتاب میں نقل کر دی ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہمارے پاس کوئی شرعی ثبوت ایسا نہیں ہے جس کی بناء پر ہم اسے ثابت کرسکیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اسے کہیں بھی بطور سند پیش نہیں کرسکتے ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ آقائے صدر اور ان جیسے دانشمند ارباب علم سے یہ توقع بھی نہیں رکھتے کہ داستان انباری میں موجود ہر ضعف کو وہ داستان جزیرۂ خضراء کے پاؤں کی زنجیر بنا کر داستان جزیرۂ خضراء کو مقام اعتماد سے ساقط کردیں ۔

آقائے صدر غیبت کبریٰ کی کتاب میں بہت سے اشتباہات کا شکار ہوئے ہیں جن کے ازالہ جات راقم الحروف نے ترجمہ کے فٹ نوٹس میں کردیئے ہیں۔ اس جگہ ان کی تکرار باعث تطویل ہوجائے گا ۔

آقائے صدر کے اشتباہات میں سے ایک عجیب ترین اشتباہ یہ ہے کہ انباری اور مازندرانی کی روایت کے مطابق جزیرۂ خضراء دریائے میڈیٹرانہ میں ہے ۔ حالانکہ جزیرۂ خضرا کی داستان میں ۔ البحر الابیض المتوسط ۔ کے کسی لفظ سے بھی یہ مفہوم نہیں ہے کہ جزیرۂ خضراء دریائے میڈیٹرانہ میں ہے ۔ بلکہ اس میں ۔

الماء الابیض کے لفظ ہیں جن کا معنیٰ آب سفید ہے۔ اور آب سفید کہنے کی وجہ ہم سابقاً بتا چکے ہیں۔ کیونکہ پانی کا رنگ سفید تھا۔ اور مثلث برمودا کی تحقیقات میں بھی اسی آب سفید کو اہمیت دی گئی ہے۔

علی ابن فاضل نے اپنی داستان میں بیان کیا ہے کہ۔ میں نے جب اس آب سفید کو دیکھا تو میری آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ ملاح نے مجھ سے پوچھا۔ کیا ہوا ہے کہ آپ کی آنکھیں خیرہ ہونے لگی ہیں؟ میں نے جواب دیا۔ پانی کے رنگ سے ایسا ہو رہا ہے۔ آج تک میں نے اس رنگ کا پانی کبھی نہیں دیکھا ہے۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ یہ آب سفید ہے جو جزیرہ کے گرداگرد دیوار کا کام دیتا ہے اور ہمارے دشمن کی سواریاں اس کو عبور نہیں کر سکتیں۔

پھر یہ بھی قابل توجہ ہے کہ مثلث برمودا کے محققین میں سے چارلس برلیٹز نے اپنی تحقیق میں لکھا ہے کہ ممکن ہے ان حادثات کا سبب یہی آب سفید ہو۔ یہ بات خاص توجہ طلب ہے کہ کولمبس اور فضا نوردوں کا متفقہ اشارہ کیا ہے۔ حوادثات کا سبب آب سفید ہو سکتا ہے۔

علی ابن فاضل کے بیان کو اگر مثلث برمودا کے محققین کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ البحر الابیض سے مراد آب سفید ہی ہے۔ اور اس تعبیر سے یہ کب سمجھا جاتا ہے کہ البحر الابیض کے متوسط کا معنیٰ دریائے میڈیٹرانہ ہے۔ کیونکہ:۔

ان تعبیرات میں متوسط کا لفظ ہرگز نہیں ہے اور صرف بحر الابیض کے لفظ سے دریائے میڈیٹرانہ مفہوم نہیں ہے۔

۲۔ آج سے سات صدیاں پہلے دریائے میڈیٹرانہ کے متعدد نام ملتے ہیں لیکن البحر الابیض کا نام ان میں بالکل نہیں ہے۔ لغت۔ تاریخ اور جغرافیہ دیکھئے

والے بخوبی جانتے ہیں کہ البحر الابیض المتوسط کی اصطلاح ساتویں صدی کے صدیوں بعد وجود میں آئی ہے۔

۳۔ متن داستان میں اس بات کی تصریح کردی گئی ہے کہ بحرابیض سے مراد آب سفید ہے جس کا سبب پانی کا رنگ ہے۔

۔ آقائے صدر کے اشتباہات میں سے ایک اشتباہ یہ بھی ہے وہ کہتے ہیں کہ ۔کرۂ ارض کی ایک ایک بالشت آج معلوم ہے اور ایک ایک گز کی پیمائش کرلی گئی ہے۔ تحقیق کرنے والے کرۂ ارض کے ہر گوشہ سے واقف ہو چکے ہیں۔ لیکن آج تک کسی شخص نے ایسی جگہ نہیں دیکھی ہے ۔ اگر ایسی کوئی جگہ ہوتی تو حتمی طور پر معلوم ہوجاتی ۔ اور ایک اہم اسلامی مرکز ہوتی۔ لہٰذا قطعی طور پہ ایسا کوئی مقام موجود نہیں ہے۔

ہمیں آقائے صدر کی اس منطق پر حیرت بھی ہے اور افسوس بھی کہ انہوں نے بڑی آسانی سے یہ دعویٰ داغ دیا ہے کہ کرۂ ارض کی ایک ایک بالشت اور چپہ چپہ پیمائش کرلیا گیا ہے۔ حالانکہ یہی پیمائش کنندگان خود اعتراف کرتے ہیں کہ تاحال بہت سے ایسے مقامات ہیں جو ہماری رسائی سے ماوراء ہیں اور انہی مقامات میں سے مثلث برمودا بھی ایک مقام ہے۔

ویسے اگر موصوف کا یہ دعویٰ درست بھی ہو تب بھی ہم یقین سے ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ خضراء نامی جزیرہ کا کرۂ ارض پر کہیں وجود ہی نہیں ہے۔ کیونکہ کسی شے کو نہ پانا اس شے کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوا کرتا۔

آقائے صدر نے ایک روایت امام محمد باقرؑ سے نقل فرمائی۔ آپ نے فرمایا ہے :۔

ہماری خوشحالی اس وقت تک ہرگز نہ ہوگی جب تک ہمارے شیعہ مصائب

میں پس نہیں جائیں گے۔ اور مخلص اور غیر مخلص کا امتیاز نہیں ہو جائے گا۔

— اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس قسم کی روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت حجت کی غیبت خالص اور غیر خالص شیعوں میں امتحان کے لئے ہے جو ایک اٹل قانون الہیٰ ہے اور تمام کرۂ ارض کے لئے ہے۔ اس لئے یہ ناممکن ہے کہ کرۂ ارض پہ بسنے والوں میں کچھ لوگ اس قانون الہیٰ سے مستثنیٰ ہوں۔

— اس کے بعد لکھتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ حضرت حجت کی زیارت سے مشرف ہو رہے ہیں امتحان خلوص کی روایات سے مستثنیٰ ہوں گے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کا یہ قانون ہمہ گیر نہیں ہے۔

حالانکہ جناب صدر نے علی ابن فاضل کی داستان میں غور نہیں فرمایا۔ ورنہ وہ یہ دیکھ سکتے تھے کہ سید شمس الدین جو جزیرۂ خضراء میں حضرت حجت کا نائب خصوصی ہے علی ابن فاضل کے سامنے اعتراف کرتا ہے کہ میں نے آج تک حضرت حجت کو نہیں دیکھا۔

اور اگر ہم اس بات کو تسلیم کر بھی لیں کہ امام زمانہ کی غیبت کا مقصد امتحان ہی ہے تو پھر جزیرۂ خضراء اور کرۂ ارض کے دیگر باشندوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ مگر بایں ہمہ یہ کہاں ہے کہ ہر ایک کا امتحان ایک جیسا ہوگا یا ہوتا ہے۔ ہر ایک کا امتحان اس کی اپنی حیثیت اور استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ کیوں ضروری ہے کہ جو امتحان کرۂ ارض کے دیگر باشندوں کا ہے وہی امتحان جزیرۂ خضراء کے باسیوں کا ہے۔

آقائے صدر کا ایک خیال یہ بھی ہے کہ جزیرۂ خضرا کی داستان دیگر روایات کے منافی ہے جس میں حضرت حجت کی اقامت مدینہ منورہ وغیرہ میں بتائی گئی ہے۔

حالانکہ اگر ذرا سا غور کیا جائے تو اس میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ آپ کی دائمی سکونت جزیرۂ خضرا میں ہو اور دیگر مقامات میں غیر مستقل ہو۔

آقائے صدر نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ حضرت حجت کا ایران و عراق وغیرہ جیسے ممالک میں دیکھا جانا جزیرۂ خضراء کی داستان کے منافی ہے۔

حالانکہ یہ بھی ایک سطحی سی بات ہے اور فی الواقع اس میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ داستان جزیرۂ خضرا کے متن میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ حضرت حجت ہر سال ایام حج میں مکہ معظمہ میں ہوتے ہیں اور حج سے فراغت کے بعد مدینہ اور دیگر مقامات پر تشریف لے جا کر اپنے آباء و اجداد کی زیارات سے مشرف ہوتے ہیں۔ متن داستان میں سید شمس الدین نے یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ — کرۂ ارض ایک عام مومن کے لئے بھی ایک قدم سے زیادہ فاصلہ نہیں رکھتا پھر جس کے وجود ذی جود کی برکت سے کرۂ ارض موجود ہے اس کے لئے یہ فاصلے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

اس بیان کے مطابق جزیرۂ خضراء میں مستقل اقامت اور کرۂ ارض کے دیگر مقامات پر آپ کے دیکھے جانے میں کوئی منافات نہیں ہے۔

آقائے صدر نے داستانِ جزیرۂ خضراء کو — ظلم و جور سے پرشدہ روئے ارض کو عدل و انصاف سے پُر کرے گا — کے بھی منافی سمجھتے ہیں۔ اس کا جواب ہم نے وہیں فٹ نوٹ میں دے دیا ہے یہاں تکرار نہیں کرتے۔

اس کے بعد آقائے صدر نے اعتراض کیا ہے کہ علی ابن فاضل نے جزیرۂ خضراء میں مدارس۔ ہسپتالوں۔ انتظامیہ اور عدلیہ وغیرہ کا تذکرہ کیوں نہیں کیا ؟

اب میں کیا کہوں اور آقائے صدر جیسے دانشمند سے کن الفاظ میں عرض کروں

کہ آپ سراسر مائل بسوئے سفاہت ہو کر کج بحثی پر اُتر آئے ہیں لہٰذا وقت اتنا بے قیمت نہیں ہے کہ آپ کے عامیانہ اعتراضات کے جواب میں ضائع کیا جائے۔

۵۔ محمد باقر بہبودی :۔

آقائے بہبودی نے بحار الانوار کے فٹ نوٹس پر علی نقی منزوی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے داستانِ جزیرۂ خضرا کو رومانٹک بتایا ہے۔

ان کے جوابات ہم عرض کر چکے ہیں۔ البستہ جناب بہبودی کی بحار کی تحقیق و تصحیح کی قدر کرتے ہیں۔ لیکن ان کے فٹ نوٹس کے نامشکور فیصلہ جات کو ان کے اپنے لئے مسترد کرتے ہیں۔

جناب قاضی نے انوار نعمانیہ کے فٹ نوٹ میں آیۃ اللہ جعفر کبیر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بھی داستان جزیرۂ خضراء کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس وقت ہمیں آیۃ اللہ مذکور کی تصنیف حق الیقین نہیں مل سکی ورنہ ہم ان کی اصل عبارت پیش کر کے رفع اشتباہ کر دیتے۔ ویسے انوار نعمانیہ کے فٹ نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیۃ اللہ کاشف الغطاء نے داستانِ انباری سے انکار کیا ہے۔ داستان خضراء سے انکار نہیں کیا۔ جناب قاضی نے اشتباہاً داستان انباری کو داستانِ جزیرۂ خضراء سمجھ لیا ہے اور ہم اس جگہ داستانِ انباری کا دفاع نہیں کر رہے۔

حرفِ آخر

میرزا محمد استرآبادی متوفی ۱۰۲۶ھ مؤلف کتاب رجال جس کے متعلق میرزا عبد اللہ آفندی نے تبصرہ کیا ہے کہ۔ رجال میں اس کتاب سے زیادہ عمدہ کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ بھی ان افراد میں سے ایک ہیں جنہیں اپنے کعبۂ مقصود حضرت حجت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اپنے تشرف کی داستان کے آخر میں بتاتے ہیں کہ آپ نے مجھے بے موسم سرخ رنگ پھولوں کا گلدستہ عنایت فرمایا۔ میں نے ان کا بوسہ لیا اور خوشبو سونگھی پھر عرض کیا۔ آقا یہ کہاں سے ہیں؟ آپ نے فرمایا خرابات سے ہیں۔ جب میں نے پھر دیکھا تو آپ غائب ہو چکے تھے۔

ریحانۃ الادب کے مؤلف رقمطراز ہیں کہ

خرابات ان جزیروں کو کہا جاتا ہے جو بحر اوقیانوس کے مغرب میں ہیں۔ بحار الانوار اور قاموس اللغت میں بتایا گیا ہے جزیرۂ خضرا بھی انہی میں سے ایک ہے۔

صاحب روضات الجنات نے مرزا محمد کی داستان تشریف تحریر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ۔ خرابات بحر اوقیانوس میں ہیں اور انساب سمعانی میں بتایا گیا ہے کہ جزیرۂ خضرا بھی انہی میں سے ایک ہے۔ علاوہ ازیں جہاں کہیں بھی میرزا محمد کی داستانِ شرف ملاقات امام زمانہ کا ذکر کیا گیا ہے وہیں یہ بتایا گیا ہے کہ جزیرۂ خضرا بحر اوقیانوس میں ہے۔

یہ بھی ہمارے اس دعوے کی تائید ہے کہ ایام حج کے علاوہ حضرت حجت کی مستقل قیام گاہ جزیرۂ خضراء ہی ہے جو بحر اوقیانوس کے مغرب میں واقع ہے۔